

# مُسْلِم تَرْغِیْب

## کی آسان تشریح

جلد دوم

- کتاب الجہاد والتیر
- کتاب الصید والذباغ
- کتاب الاضاحی
- کتاب اللباس والزینۃ
- کتاب الآداب
- کتاب لطلب، کتاب الرؤیا



مؤلف

مولانا طاہر اقبال انجی صاحب  
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

افلاک

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھروی صاحب  
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلامیہ کراچی





# مسلم شریف

کی آسان شرح

جلد دوم

- کتاب الجہاد والسير
- کتاب الأصاحی
- کتاب اللباس والزینۃ
- کتاب لطلب، کتاب الرؤیا
- کتاب الصید والذباغ

إفلاکات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب دہلی

مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مفتی

مولانا طاہر اقبال انجی صاحب

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

## حقوق طبع محفوظ

باہتمام : شاہد محمود

ناشر : مکتبۃ الاسلامیہ کراچی

کورنگی، اظہر سٹریٹ ایمریا کراچی

موبائل : 0300-8245793

ویب سائٹ : www.sukkurvi.com

## ملنے کا پتہ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا

اِحاطہ بآئینہ فلاح اسلام آباد

موبائل : 0300- 2831960

فون : 021- 35032020 ، 021- 35123161

ای میل : Imaarif@live.com



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۴	اقدامی جہاد میں استطاعت کا مطلب ....	۲۳	پیش لفظ
	باب جواز الإغارة علی الکفار الدین	۲۵	عرض مرتب
۳۴	بلغتہم دعوة الإسلام .....	۲۷	کتاب الجہاد و السیر
۳۵	کافروں سے قتال کا طریقہ .....	۲۷	جہاد اور سیر کے احکام .....
	قتال سے پہلے دعوت اسلام دینے کے	۲۷	لفظ جہاد کی لغوی تحقیق .....
۳۵	بارے میں تین اقوال .....	۲۷	جہاد کے اصلاحی معنی کی تفصیل .....
۳۷	بنو مطلق کون تھے؟ .....	۲۸	جہاد کے ایک اور معنی .....
	باب تأمیر الإمام الأمراء علی	۲۹	جہاد کے اغراض و مقاصد .....
۳۸	البعوث و وصیتہ ایامہم .....	۲۹	اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے .....
۴۰	جزیرہ کی تفصیل .....		چودھویں صدی میں جہاد پر کفار و مستشرقین
۴۰	جزیرہ لینے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں	۲۹	کا اعتراض اور اس کا جواب .....
۴۱	خفیہ کا مذہب .....	۳۰	متحدہ دین کا اقدامی جہاد سے انکار .....
۴۱	مالکیہ کا مذہب .....	۳۱	اسلام اور دہشت گردی .....
۴۱	شوافع اور حنابلہ کا مذہب .....	۳۱	جہاد کی مشروعیت کے چار درجات .....
۴۱	احناف و مالکیہ کی دلیل .....	۳۱	پہلا درجہ: صبر .....
۴۲	جزیرہ کی مقدار .....	۳۲	دوسرا درجہ: اجازت قتال .....
۴۲	کافروں سے معاہدہ کرنے کی دو صورتیں.	۳۲	تیسرا درجہ: دفاعی جہاد کی مشروعیت .....
	باب فی الأمر بالتیسیر و ترک	۳۲	چوتھا درجہ: اقدامی جہاد .....
۴۳	التفہیر .....		جہاد کے چاروں درجات کی مشروعیت
۴۳	تبلیغ دین کا طریقہ .....	۳۲	آج بھی باقی ہے .....
۴۴	باب تحریم الغدر .....	۳۳	جہاد کی دو بنیادی قسمیں .....
۴۴	عہد شکنی کرنے والوں کی سزا .....	۳۳	دفاعی جہاد .....
		۳۴	اقدامی جہاد .....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲	بنو قینقاع کی عہد شکنی.....	۴۶	باب جواز الخداع فی الحرب....
۵۳	بنو نضیر کی عہد شکنی کا واقعہ.....	۴۶	لفظ "خَدْعَة" کی تشریح اور دھوکہ کا حکم....
	باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة	۴۶	دوران جنگ دشمن سے جھوٹ بولنا.....
۵۷	خاصہ.....		باب کراہیۃ تمنی لقاء العدو،
۵۸	امت محمدیہ کے لئے مال غنیمت حلال ہے	۴۷	والأمر بالصبر عند اللقاء.....
۵۹	حبس شمس کا واقعہ.....		لڑائی کی تمنا ممنوع اور شہادت کی آرزو
۶۰	حبس شمس کی حقیقت.....	۴۸	جائز.....
۶۱	باب الأنفال.....		باب استحباب الدعاء بالنصر عند
۶۲	حضرت سعدؓ کی سعادت.....	۴۹	لقاء العدو.....
۶۳	"انفال" کے معنی، اور پانچ اقوال.....		باب تحریم قتل النساء والصبيان
۶۳	(۱)..... پہلا قول.....	۵۰	فی الحرب.....
۶۳	(۲)..... دوسرا قول.....		جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام
۶۴	(۳)..... تیسرا قول.....	۵۰	ہے.....
۶۴	"مال غنیمت" اور "مال فی" میں فرق		باب جواز قتل النساء والصبيان فی
۶۴	(۴)..... چوتھا قول.....	۵۱	الہیات من غیر عمد.....
	"من قتل قتيلا فله سلبه" کے		شب خون میں بلا ارادہ کفار کی عورتوں اور
۶۴	بارے میں حنفیہ کا مسلک.....	۵۱	بچوں کو مارنا جائز ہے.....
۶۵	(۵)..... پانچواں قول.....		باب جواز قطع أشجار الكفار و
۶۵	"انفال السرايا" کی تشریح.....	۵۲	تحریقها.....
۶۵	"نفل" کہاں سے دیا جائے گا؟.....		کافروں کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز
۶۷	اشکال.....	۵۲	ہے.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۴	باب حکم الفیء.....	۶۷	جواب.....
۸۴	”فیء“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی....		باب استحقاق القاتل سلب
۸۵	”مال فیء“ کا حکم.....	۶۸	القنیل.....
	حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی اور		من قتل قتیلاً... الخ بطور حق شرعی
۸۸	تشریح.....	۶۸	ہے، یا بطور انعام؟.....
	”باغ فدک“ کے بارے میں حضرت	۶۹	اختلاف کی وجہ.....
	عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا	۶۹	حنفیہ کے تین دلائل.....
۸۸	واقعہ.....	۶۹	پہلی دلیل.....
	”اموال صفایا“ کی تشریح اور اس کی	۷۰	دوسری دلیل.....
۸۹	تین اقسام.....	۷۱	تیسری دلیل.....
۸۹	”اموال بنی نضیر“.....	۷۳	حضرت ابو قتادہؓ کا واقعہ.....
۹۰	”اموال خبیر“.....		حضرت معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما کا
۹۰	”اموال فدک“.....	۷۵	ابو جہل کو قتل کرنے کا واقعہ.....
۹۰	حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی ایک دلیل..	۷۸	غزوہٴ موتہ کا واقعہ.....
	”حضور ﷺ کے صدقات“ کی	۷۹	حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح.....
۹۱	انتظامی تقسیم.....	۸۰	جاسوس کا حکم اور جاسوس کی تین قسمیں..
	باب قول النبی ﷺ: لا نورث،		باب التنفیل، وفداء المسلمین
۹۲	ما ترکنا فهو صدقة.....	۸۱	بالأساری.....
	ازواجِ مطہراتؓ کی طرف سے مطالبہ	۸۱	غزوہٴ بنی فزارہ.....
۹۲	میراث کا ارادہ.....	۸۲	حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح.....



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب ربط الأسیر و حبسہ، و	۹۶	ایک اشکال اور اس کا جواب.....
۱۱۳	جواز المنّ علیہ.....	۹۶	اس خصوصیت کی دو حکمتیں.....
	(۱).... کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز		حضرت بی بی فاطمہؓ کا مطالبہ میراث
۱۱۵	ہے، یا نہیں؟.....	۹۶	اور حضرت صدیق اکبرؓ کا جواب.....
	(۲).... اسلام لانے کے لئے غسل کرنا		حضرت بی بی فاطمہؓ کے حضرت صدیق
۱۱۵	واجب ہے، یا نہیں؟.....	۹۸	اکبرؓ سے ناراض ہونے کی تحقیق.....
۱۱۶	مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح.....	۹۹	واقعہ کی تحقیق.....
۱۱۸	باب إجلاء اليهود من الحجاز..		باب كيفية قسمة الغنيمة بين
۱۱۷	بنو قینقاع کا واقعہ.....	۱۰۴	الحاضرين.....
	باب جواز قتال من نقص	۱۰۴	مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ.....
۱۱۸	العهد.....		جمہور علماء، ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کا
	کسی کے آنے پر اس کے لئے کھڑے	۱۰۵	مسک.....
۱۱۹	ہونے کی سات صورتیں.....	۱۰۵	حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسک.....
۱۲۳	باب المبادرة بالغزو.....		باب الإمداد بالملائكة في
۱۲۴	ایک اشکال.....	۱۰۶	غزوة بدر، وإباحة الغنائم.....
۱۲۵	جواب.....	۱۰۶	مقام بدر.....
	باب رد المهاجرين إلى الأنصار	۱۰۷	غزوة بدر کیوں ہوا؟.....
	منائحهم من الشجر والثمر	۱۱۰	گڑ گڑا کر دعائے ننگی کی وجہ.....
۱۲۶	حين استغفروا عنها بالفتوح.....	۱۱۲	مشکل الفاظ کے معانی.....
۱۲۷	چار حضرات کا تعارف.....	۱۱۲	کافر قیدیوں کا معاملہ.....
۱۲۹	مشکل الفاظ کے معانی.....	۱۱۳	ڈانٹ کی وجہ.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۲۵	باب غزوة الطائف.....		باب جواز الأكل من طعام
۱۲۶	غزوة بدر کا پس منظر.....	۱۲۹	الغنيمة في دار الحرب.....
۱۲۸	لفظی تحقیق.....		دار الحرب میں مال غنیمت کے
۱۲۹	باب فتح مکہ.....	۱۳۰	استعمال کی حد.....
	آفاقی کے احرام باندھنے کا اختلافی	۱۳۰	یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، یا حرام؟...
۱۵۳	مسئلہ.....		باب کتب النبی صلی اللہ علیہ
۱۵۳	شوافع اور حنابلہ کا مذہب.....		وسلم إلى هرقل ملك الشام
۱۵۳	حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب.....	۱۳۱	یدعوہ إلى الإسلام.....
	جو لوگ روزانہ مکہ مکرمہ آتے جاتے	۱۳۳	لفظی تشریح.....
۱۵۴	ہوں، ان کا حکم.....	۱۳۳	کیا ہرقل مسلمان تھا؟.....
	مکہ مکرمہ ”عنوة“ فتح ہوا تھا یا	۱۳۵	غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم.....
۱۵۴	”صلحاً“؟.....		باب کتب النبی ﷺ إلى
	حضرات حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور جمہوریہ		ملوک الکفار یدعوہم إلى الله
۱۵۵	فقہاء کا مذہب.....	۱۳۷	عز وجل.....
۱۵۵	حضرت امام شافعی کا مذہب.....	۱۳۵	باب فی غزوة حنین.....
۱۵۶	باب صلح الحديبية.....		غیر مسلم کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے
۱۵۷	لفظی تحقیق.....	۱۴۰	کا حکم.....
۱۵۸	اشکال.....	۱۴۱	لفظی تحقیق.....
۱۵۸	جواب.....		کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر
۱۵۹	صلح حدیبیہ..... ”فتح مبین“.....	۱۴۴	پڑھنا منقول ہے؟.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۸۸	باب غزوة النساء مع الرجال ..	۱۶۲	باب الوفاء بالعہد .....
	باب النساء الغازیات یرضخ	۱۶۲	عہد کو پورا کرنا چاہئے .....
	لہن ولا یرسہم، والنہی عن قتل	۱۶۲	باب غزوة الأحزاب .....
۱۹۱	صبيان أهل الحرب .....	۱۶۳	غزوة احزاب کا مختصر واقعہ .....
	نجدہ بن عامر حروری کا تعارف اور اس	۱۶۳	دشمن کا حال معلوم کرنا اور عجیب معجزہ .....
۱۹۲	کے سوالات .....	۱۶۵	باب غزوة أحد .....
	نجلہ بن عامر حروری کے		باب اشتداد غضب اللہ علی
	سوالات اور حضرت ابن عباسؓ کے		من قتله رسول اللہ ﷺ .....
۱۹۲	جوابات .....	۱۶۸	باب ما لقی النبی ﷺ من أذى
۱۹۳	یتیم کا مال اسکے حوالے کرنے کا مسئلہ		المشرکین والمنافقین .....
۱۹۳	امام ابو حنیفہؒ کا مذہب .....	۱۶۹	دوران نماز ناپاکی لگ جانے سے نماز
۱۹۵	خمس کا مسئلہ .....		فاسد ہوگی یا نہیں؟ .....
۱۹۵	حضرت ابن عباسؓ اور امہ ثلاثہؓ کا مذہب	۱۷۱	طائف کا واقعہ .....
۱۹۵	حنفیہؒ کا مسلک .....	۱۷۳	باب قتل ابی جہل .....
۱۹۶	باب عدد غزوات النبی ﷺ ..	۱۷۸	باب قتل کعب بن الأشرف
۱۹۷	غزوات اور سرایا کی کل تعداد .....		طاغوت اليهود .....
۱۹۷	غزوة ذات العشیر .....	۱۷۹	کعب بن اشرف کے قتل کا حکم .....
۱۹۸	باب غزوة ذات الرقاع .....	۱۸۰	باب غزوة خیبر .....
۱۹۸	”ذات الرقاع“ کہنے کی چار وجہ .....	۱۸۲	ران ستر کا حصہ ہے یا نہیں؟ .....
	باب کراہة الاستعانة فی الغزو	۱۸۳	خیبر عنوة فتح ہوا تھا، یا صلحا؟ .....
۱۹۹	بکافر الخ .....	۱۸۵	
۲۰۰	جہاد میں کافروں سے مدد لینے کا حکم .....		



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۰۹	چوتھی وجہ.....	۲۰۱	کتاب الإمارة.....
	دوسرا مسئلہ: بارہ خلفاء ہونے کا کیا		سیاست اور حکومت کے بارے میں
۲۱۱	مطلب ہے؟.....	۲۰۱	سزا کا نقطہ نظر.....
۲۱۳	باب الاستخلاف وترکہ.....	۲۰۲	دور حاضر کے لوگوں کی افراط و تفریط...
۲۱۵	حدیث کی تشریح.....		اسلامی سیاست ذرائع میں سے ہے،
۲۱۶	ولی عہد کی نامزدگی کا حکم.....	۲۰۳	مقاصد میں سے نہیں.....
۲۱۶	پہلا مذہب.....	۲۰۵	اسلامی حکومت کے چھ اصول.....
۲۱۶	دوسرا مذہب.....	۲۰۵	پہلا اصول.....
۲۱۶	تیسرا مذہب.....	۲۰۶	دوسرا اصول.....
	باب النہی عن طلب الإمارة	۲۰۶	تیسرا اصول امام و حاکم عادل ہو.....
۲۱۷	والحرص علیہا.....	۲۰۶	چوتھا اصول.....
۲۱۷	حکومتی عہدہ طلب کرنے کا مسئلہ.....	۲۰۶	پانچواں اصول.....
۲۱۸	دور حاضر کے الیکشن کا حکم.....	۲۰۷	چھٹا اصول.....
۲۱۹	باب کراهة الإمارة بغير ضرورة	۲۰۷	عادل کسے کہتے ہیں؟.....
	باب فضيلة الإمام العادل،	۲۰۸	تنبیہ.....
	وعقوبة الجائر، والحث علی		باب الناس تبع لقريش،
	الرفق بالرعية، والنہی عن	۲۰۸	والخلافة فی قريش.....
۲۱۹	إدخال المشقة علیہم.....	۲۰۸	پہلے مسئلہ کا خلاصہ.....
۲۲۲	حقت حرام ہونے کے دو مطلب.....	۲۰۸	پہلی وجہ.....
۲۲۳	باب غلظ تحريم الغلول.....	۲۰۹	دوسری وجہ.....
۲۲۳	چوری شدہ مال غنیمت کا حکم.....	۲۰۹	تیسری وجہ.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۲۲	باب خيار الأئمة وشرارهم....	۲۲۳	مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا.....
۲۲۳	باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال، وبيان بيعة الرضوان تحت الشجرة..	۲۲۵	باب تحریم ہدایا العمال.....
۲۲۳	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء عظام کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا مسئلہ.....	۲۲۵	حاکم کو ہدیہ دینے کی تین صورتیں.....
۲۲۵	مبارک اور تاریخی مقامات کی زیارت کا مسئلہ.....	۲۲۷	باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحریمها في المعصية...
۲۲۷	باب تحریم رجوع المهاجر إلى استيطان وطنه.....	۲۲۸	اولو الامر سے کون مراد ہیں؟.....
۲۲۸	حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے مدینہ سے باہر سکونت اختیار کرنے کی وجہ.....	۲۲۹	نافرمانی میں اطاعت امیر نہیں.....
۲۲۸	باب المبايعة بعد فتح مكة على الإسلام والجهاد والخير، وبيان معنى "لا هجرة بعد الفتح".....	۲۳۰	فاسق و فاجر حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کا حکم.....
۲۲۹	بیعت طریقت کا ثبوت.....	۲۳۲	قدرت کا مطلب.....
۲۲۹	جہاد کی دو قسمیں.....	۲۳۳	باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء، الأول فالأول.....
۲۵۱	باب كيفية بيعة النساء.....	۲۳۶	باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر.....
۲۵۲	عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ.....	۲۳۸	واقعہ حزمہ کا خلاصہ.....
		۲۴۰	باب حکم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع.....
		۲۴۱	باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما يخالف الشرع الخ.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۶۰	مرنے کے بعد مومنین کی روہیں کہاں رہتی ہیں؟	۲۵۳	باب بیان سن البلوغ.....
۲۶۱	باب فضل الجہاد والرباط.....	۲۵۳	لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات اور عمر.....
۲۶۱	کوشہ نشینی افضل ہے یا جہاد.....		باب النہی أن یسافر بالمصحف
	باب بیان الرجلین یقتل أحدهما		إلی أرض الکفار إذا خیف
۲۶۲	الآخر یدخلان الجنة.....	۲۵۳	وقوعہ بأیدیہم.....
۲۶۲	باب من قتل کافر اثم سدّد.....		کافروں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کا حکم.....
	کافر اور اس کے قاتل کو جہنم میں جمع کرنے کے تین مطلب.....	۲۵۵	باب المسابقة بین الخیل
۲۶۲	ایک اشکال اور جواب.....	۲۵۵	وتضمیرها.....
۲۶۳	باب فضل إعانة الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ،	۲۵۶	گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز صورتیں.....
۲۶۳	وخلافته فی أهلہ بخیر.....		باب الخیل فی نواصیہا الخیر
	باب حرمة نساء المجاہدین،	۲۵۷	إلی يوم القيامة.....
۲۶۵	وإثم من خالهم فہن.....	۲۵۸	باب ما یکرہ من صفات الخیل.
۲۶۶	باب ثبوت الجنة للشہید.....		باب فضل الشهادة فی سبیل
۲۶۵	شہداء یمیر معونہ کا واقعہ.....	۲۵۸	اللہ تعالیٰ.....
	باب من قاتل للریاء والسمعة		باب من قتل فی سبیل اللہ
۲۶۹	استحق النار.....	۲۵۹	کفرت خطایاہ إلا الدین.....
۲۶۹	شہید، عالم وقاری اور نخی دوزخ میں.....		باب بیان أن أرواح الشہداء فی
	باب بیان قدر ثواب من غزا		الجنة، وأنہم أحياء عند ربہم
۲۶۹	فغنم، ومن لم یغنم.....	۲۵۸	یرزقون.....



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	کتاب الصيد والذبائح وما	۲۷۰	مجد کو تین نعمتیں منانا.....
۲۷۸	یؤکل من الحيوان.....		باب قوله ﷺ إنما الأعمال
۲۷۸	چار بنیادی باتیں.....		بالنية، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره
۲۷۹	”صيد“ کے معنی.....	۲۷۰	من الأعمال.....
۲۷۹	شکار کا حکم.....	۲۷۱	باب فضل الغزو في البحر.....
۲۸۰	ذبح اختیاری کی چار شرائط.....		باب فضل الرباط في سبيل الله
۲۸۰	ذبح اضطراری کی دو قسمیں.....	۲۷۴	عز وجل.....
۲۸۱	باب الصيد بالكلاب المعلمة..	۲۷۴	باب بيان الشهداء.....
۲۸۳	معلم اور غیر معلم کی تشریح.....	۲۷۵	شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ.....
۲۸۳	بوقت ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال....		باب فضل الرمي والحث عليه،
	بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور	۲۷۵	وذم من علمه ثم نسيه.....
۲۸۴	حلال ہے.....		باب قوله ﷺ لا تزال طائفة
۲۸۵	غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم.....		من أمتي ظاهرين على الحق لا
	اہل کتاب کے برتن وغیرہ استعمال	۲۷۶	يضرهم من خالفهم.....
۲۸۹	کرنے کا حکم.....		باب مراعاة مصلحة الدواب في
۲۹۰	باب إباحة ميتات البحر.....		السير، والنهي عن التعريس في
۲۹۱	سریہ خبیط کا پس منظر.....	۲۷۷	الطريق.....
۲۹۱	مچھلی حلال ہے.....		باب كراهة الطروق، وهو
۲۹۳	تھینگہ کے بارے میں تحقیق.....	۲۷۷	الدخول ليلا.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۰۹	ایک بکری ایک سے زائد افراد کی طرف سے کرنے کا حکم.....	۲۹۳	باب تحریم اکل لحم الحمر الإنسیة ..
۳۰۹	باب جواز الذبح بکل ما أنهر الدم، إلا السن، والظفر، وسائر العظام.....	۲۹۶	باب إباحة أكل لحم الخیل.....
۳۱۰	پالتو جانور کا جنگلی جانور کے حکم میں ہونا...	۲۹۷	باب إباحة الضب.....
۳۱۲	باب بیان ما کان من النہی عن اکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام، و بیان نسخه وإباحته.....	۲۹۷	گواہ کی حالت میں اختلاف ہے.....
۳۱۳	باب الفرع والعتیرة.....	۲۹۹	باب إباحة الجراد.....
۳۱۵	باب تحریم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله.....	۲۹۹	باب إباحة الأرنب.....
۳۱۶	كتاب الأشربة	۳۰۰	باب إباحة ما يستعان به علی الاصطیاد والعدو.....
۳۱۶	باب تحریم الخمر، و بیان ألها تكون من عصیر العنب، ومن التمر والبسر والزبيب، وغيرها مما یسکر.....	۳۰۰	باب النہی عن صبر البہائم.....
۳۱۶	حرمت خمر کی حکمت.....	۳۰۱	كتاب الأضاحی
۳۲۰	شرابیوں کی حرمت کا حکم اور ائمہ کا اختلاف	۳۰۱	قربانی تمام شریعتوں میں عبادت ہے.....
		۳۰۲	قربانی واجب ہے یا نہیں؟.....
		۳۰۳	باب وقتها.....
		۳۰۴	قربانی کا اول وقت.....
		۳۰۴	قربانی کا آخری وقت.....
		۳۰۷	باب سن الأضحیة.....
			باب استحباب الضحیة، وذبحها مباشرة بلا توکیل، والتسمیة والتکبیر.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب الأمر بتغطية الإناء وإيكاء	۳۲۳	الکحل کا حکم
۳۲۲	السقاء	۳۲۵	باب تحريم تخليل الخمر
	باب آداب الطعام والشراب	۳۲۶	باب تحريم التداوى بالخمر
۳۲۳	وأحكامهما	۳۲۶	حرام اشیاء سے علاج کرنے کا حکم
۳۲۵	باب كراهية الشرب قائما		باب كراهية انتباز التمر
	باب كراهية التنفس في نفس	۳۲۷	والزبيب مخلوطين
۳۲۶	الإناء	۳۲۷	کھجور اور کشمش ملا کر پیڈ بنانا مکروہ ہے
	باب استحباب إدارة الماء	۳۲۷	احناف کے دلائل
۳۲۶	واللبن ونحوهما		باب النهي عن الانتباز في
	باب جواز أكل المرق،		المزفت والذهب والحنتم
۳۲۷	واستحباب أكل اليقطين		والنقير، وبيان أنه منسوخ، وأنه
	باب استحباب وضع النوى	۳۲۸	اليوم حلال
۳۲۸	خارج التمر		باب بيان أن كل مسكر خمر
	باب استحباب تواضع الآكل،	۳۲۹	وأن كل خمر حرام
۳۲۹	وصفة قعوده		باب عقوبة من شرب الخمر إذا
	باب نهى الآكل مع جماعة عن		لم يتب منها بمنعه إياها في
۳۲۹	قران تمرتين الخ	۳۲۹	الآخرة
۳۳۰	باب فضل تمر المدينة		باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد
	باب فضل الكمأة، ومداواة	۳۳۰	ولم يصير مسكرا
۳۳۱	العين بها	۳۳۲	باب جواز شرب اللبن



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵۳	ریشم کی لال گدی استعمال کرنے کی ممانعت ہے.....	۳۴۰	باب فضيلة الأسود من الكباث.
۳۵۶	چار انگل چوڑا اصلی ریشم مرد کے لئے جائز ہے.....	۳۴۱	باب فضيلة الخل والتادم به....
۳۵۷	عورتوں کے لئے اصلی ریشم پہننے کی ممانعت کا حکم.....	۳۴۲	باب إباحة أكل الثوم... الخ....
۳۵۸	چار فاطمہ.....	۳۴۲	باب إكرام الضيف وفضل إثاره
۳۵۸	باب إباحة لبس الحرير للرجل	۳۴۲	باب فضيلة المواساة في الطعام
۳۵۸	إذا كان به حكة أو نحوها.....	۳۴۲	القليل، وأن طعام الاثنين يكفي
۳۵۹	باب النهي عن لبس الرجل	۳۴۲	الثلاثة.....
۳۶۰	الثوب المعصفر.....	۳۴۸	باب المؤمن يأكل في معي
۳۶۰	باب فضل لباس الثياب الحبرة.	۳۴۸	واحد، والكافر يأكل في سبعة
۳۶۰	باب التواضع في اللباس... الخ.	۳۴۹	أمعاء.....
۳۶۱	باب جواز اتخاذ الأنماط.....	۳۴۹	باب لا يعيب الطعام.....
۳۶۲	باب كراهة ما زاد على الحاجة	۳۴۹	کھانے میں عیب نکالنے کا حکم.....
۳۶۲	من القراش واللباس.....	۳۵۰	﴿كتاب اللباس والزينة﴾
۳۶۲	چوتھا بستر شیطان کا ہونے کا مطلب.....	۳۵۰	لباس کے شرعی اصول.....
۳۶۲	باب تحريم جر الثوب خيلاء..	۳۵۱	پینٹ چٹون کا حکم.....
۳۶۳	باب طرح خاتم الذهب.....	۳۵۲	باب تحريم استعمال أواني
۳۶۳	باب لبس النبي ﷺ خاتما من	۳۵۲	الذهب والفضة في الشرب....
۳۶۳	ورق نقشه محمد رسول الله،	۳۵۲	باب تحريم استعمال إناء
۳۶۳	ولبس الخلفاء له من بعده.....	۳۵۲	الذهب والفضة على الرجال...

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۷۲	باب النہی عن التزعفر للرجال	۳۶۵	حضور ﷺ کی انگٹھی کا برار میں گرنا
۳۷۳	باب فی صبغ الشعر وتغییر الشیب	۳۶۶	باب فی اتخاذ النبی ﷺ خاتماً لما اراد ان یکتب الی العجم
۳۷۴	خضاب لگانے کا حکم	۳۶۷	باب فی طرح الخواتم
۳۷۵	باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورة	۳۶۸	باب فی خاتم الورق فصہ حبشی
۳۷۶	تصویر والے گھر میں فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ	۳۶۹	انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی جائے
۳۷۶	تصویر کشی کا حکم	۳۷۰	باب ما جاء فی الاعتعال والاستکثار من النعال
۳۷۷	متجددین کا موقف	۳۷۱	باب إذا اتعل فلیبدأ بالیمین وإذا خلع فلیبدأ بالشمال
۳۷۸	قدیم اور جدید کیمرہ کی تصویر کا حکم اور علماء کا اختلاف	۳۷۲	باب النہی عن اشتمال الصماء والاحتباء فی ثوب واحد
۳۸۰	بوقت ضرورت تصویر کشی کی گنجائش ہے	۳۷۳	ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو ایک چادر میں لپٹنا مکروہ ہے
۳۸۰	باب کراہۃ الکلب والجرس فی السفر	۳۷۴	کوہے زمین پر اور پنڈلیاں کھڑی کر کے بیٹھنا منع ہے
۳۸۱	باب کراہۃ قلادة الوتر فی رقبة البعیر	۳۷۵	باب فی منع الاستلقاء علی الظهر ووضع إحدى الرجلین علی الأخری
۳۸۲	باب النہی عن ضرب الحيوان فی وجهه ووسمه فیہ	۳۷۶	باب فی إباحة الاستلقاء ووضع إحدى الرجلین علی الأخری
۳۸۳	باب جواز رسم الحيوان غیر الآدمی فی غیر الوجه، وندبه فی نعم الزکاة والجزية		

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب استحباب تغیر الاسم القبیح	۳۸۴	باب کراہۃ القزع.....
	إلى حسن، وتغییر اسم برة إلى		باب النهی عن الجلوس فی
۳۹۴	زینب وجویریۃ ونحوہما.....	۳۸۴	الطرقات وإعطاء الطريق حقہ....
	باب تحریم التسمی بملک		باب تحریم فعل الواصلة
۳۹۴	الأملاک.....		والمستوصلة والواشمة
	باب استحباب تحنیک المولود		والمستوشمة.....
	عند ولادته وحمله إلى صالح	۳۸۵	جسم گدوانا حرام ہے.....
۳۹۵	یحنکہ.....	۳۸۶	بھنویں بنانا جائز ہے.....
	باب جواز تکیۃ من لم یولد	۳۸۶	وانتوں کو گھسوا کر باریک کرنا جائز نہیں...
۳۹۷	وکیۃ الصغیر.....	۳۸۷	عورتوں کا اپنے بالوں میں دوسرے بال
	باب جواز قوله لغير ابنه: یا بنی		ملانے کا حکم.....
۳۹۸	واستحبابه للملاطفة.....	۳۸۷	باب النساء الکاسیات العاریات
۳۹۸	باب الاستئذان.....		المائلات الممیلات.....
۴۰۰	اجازت نہ ملنے پر واپس ہونا.....	۳۸۸	جو شخص عالم وحافظ نہ ہو اس کا خود کو
۴۰۰	باب تحریم النظر فی بیت غیرہ..		عالم وحافظ ظاہر کرنا جائز نہیں.....
۴۰۱	باب نظر الفجاءة.....	۳۸۸	کتاب الآداب
۴۰۱	کتاب السلام		باب النهی عن التکنی بأبی القاسم
	حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے	۳۸۹	وبیان ما یستحب من الأسماء...
۴۰۲	کا حکم.....		باب کراہۃ التسمیۃ بالأسماء
	باب اباحۃ الخروج للنساء لقضاء	۳۸۹	القیحۃ وبنافع ونحوہ.....
۴۰۲	حاجة الانسان.....		
۴۰۳	عورت کے پردہ کا مسئلہ اور اس کی حدود..		
۴۰۴	پردے کا پہلا درجہ.....	۳۹۲	

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۱۵	باب الطب والمرض والرقی.....	۴۰۴	آیت.....
۴۱۶	نظر اتارنے کے طریقے.....	۴۰۴	احادیث.....
۴۱۷	باب السحر.....	۴۰۵	پردے کا دوسرا درجہ.....
۴۱۸	سحر کی دو قسمیں.....	۴۰۵	آیت.....
۴۱۸	جادو کا حکم.....	۴۰۶	احادیث.....
۴۱۹	انبیاء علیہ السلام پر جادو ہونا برحق ہے.....	۴۰۷	پردے کا تیسرا درجہ.....
۴۱۹	باب السم.....	۴۰۷	آیت.....
۴۲۰	باب استحباب رقیۃ المریض.....	۴۰۷	احادیث.....
۴۲۰	رقیہ اور دم کی تین شرطیں.....	۴۰۸	خلاصہ.....
	باب رقیۃ المریض بالمعوذات	۴۰۸	عورت پر نظر ڈالنے کا مسئلہ.....
۴۲۱	والنفث.....		باب من اتی مجلسا فوجد فرجة
	باب استحباب الرقیۃ من العین	۴۰۸	فجلس فیہا والا ورائہم.....
۴۲۲	والنملة والحمة والنظرة.....		باب إذا قام من مجلسہ، ثم عاد
	باب جواز أخذ الأجرة علی الرقیۃ	۴۱۰	فہو أحق بہ.....
۴۲۳	بالقرآن والأذکار.....		باب منع الممخنت من الدخول
۴۲۴	تعویذ کی اجرت کا حکم.....	۴۱۰	علی النساء الأجانب.....
۴۲۴	تعلیم قرآن کریم کی اجرت کا حکم.....		باب جواز إرداف المرأة الأجنبية
	باب لكل داء دواء واستحباب	۴۱۲	إذا أعیت فی الطريق.....
۴۲۵	التداوی.....	۴۱۳	عورت کے ذمہ گھر کے کام ہونا.....
۴۲۶	علاج مستحب ہے.....	۴۱۳	باب تحریم مناجاة اللّٰتین دون
			الثالث بغیر رضاه.....



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	باب الطيرة والفأل وما يكون فيه	۳۲۷	بخار کا علاج.....
۳۳۹	من الشؤم.....	۳۲۸	باب کراہۃ التداوی باللدود.....
۳۳۹	نیک فال مستحب ہے.....	۳۲۸	لدود کے ذریعہ علاج.....
۳۳۹	عورت اور گھر میں نجاست.....		باب التداوی بالعود الہندی وهو
۳۴۰	باب تحريم الکھانة واتیان الکھان	۳۲۸	الکست.....
۳۴۰	کھانت حرام ہے.....	۳۲۹	عود ہندی سے علاج.....
۳۴۰	کاہنوں کی تین قسمیں.....	۳۲۹	باب التداوی بالحبۃ السوداء....
۳۴۱	عرفت کا حکم.....	۳۲۹	کلونجی سے علاج.....
۳۴۲	علم جفر کا حکم.....		باب التلبیۃ مجمة لفؤاد
۳۴۲	کتاب قتل الحیات وغیرہا	۳۳۰	المریض.....
۳۴۲	سانپوں کو مارنے کا حکم.....	۳۳۰	تلبیہ مقوی غذا ہے.....
۳۴۳	سانپ مارنے کا عجیب واقعہ.....	۳۳۰	باب التداوی بسقی العسل.....
۳۴۳	کتاب الشعر	۳۳۱	بذریعہ شہد علاج.....
۳۴۳	باب تحريم اللعب بالنرد شیر.....		باب الطاعون والطيرة والکھانة
۳۴۵	نرد شیر کھیل کا حکم.....	۳۳۱	ونحوہا.....
۳۴۵	عام کھیلوں کا حکم.....	۳۳۱	طاعون اور بدقالی.....
۳۴۶	کتاب الرقيا	۳۳۳	طاعون زدہ علاقہ میں جانے کا حکم.....
	باب قول النبی ﷺ من رآنی فی		باب لا عدوی، ولا طہرۃ، ولا
۳۴۶	المنام.....	۳۳۶	ہامۃ الخ.....
		۳۳۶	بیماری لگنا اور بدقالی بے حقیقت ہے.....

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
		۴۴۷	خوابوں کے احکام اور قسمیں.....
		۴۴۹	باب فی تاویل الرؤیا.....
		۴۴۹	خوابوں کی تعبیریں.....
		۴۵۱	باب رؤیا النبی ﷺ.....
		۴۵۱	حضور ﷺ کے چند خواب اور تعبیر.....
		۴۵۲	غزوہ احد میں فتح و شکست کی تعبیر.....
		۴۵۲	غزوہ احد میں ستر شہداء کی تعبیر.....
		۴۵۳	خواب میں دو کنگن کی تعبیر.....
			فہرست جلد دوم مکمل شد
			فلله الحمد

## پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى  
رَسُولِهِ الْأَمِينِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.

أَمَّا بَعْدُ!

یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ میں دورہ حدیث کا پہلا سبق مسلم شریف جلد ثانی از کتاب الفضائل  
تا آخر مدرسۃ البنات شعبہ دارالعلوم کراچی میں احقر کے پاس آیا، اور الحمد للہ تعالیٰ چند سالوں تک  
یہ درس ہوتا رہا پھر یہ سبق طلباء دورہ حدیث میں منتقل ہوا، جہاں کتاب الجہاد والسير سے ختم کتاب  
تک یہ درس ہوتا ہے اور اب تک الحمد للہ تعالیٰ جاری ہے۔

اور اکیس ۲۱ سال کے بعد ۲۹ شوال ۱۴۳۸ھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم شریف جلد  
اول کتابُ الايمان، اور کتاب النکاح سے ختم تک دورہ حدیث کی طالبات کے لئے یہ مبارک سبق  
احقر کے پاس آیا ہے، اللہ پاک اس کو آسان فرمائیں اور قبول فرمائیں، آمین

شعبہ تعلیمات کی طرف سے جب یہ سبق احقر کے پاس آیا تو اسی وقت دل میں ارادہ ہوا کہ  
مسلم شریف جلد اول اور جلد ثانی کے ان منتخب ابواب کی مختصر اور آسان تشریح ساتھ ساتھ لکھ لی جائے  
اور کمپوز کروا کر اس کو قابل اشاعت بنایا جائے تاکہ دورہ حدیث کے طلباء اور طالبات کے لئے آسانی  
ہو جائے اور وہ اس کی مدد سے مسلم شریف کی دونوں جلدوں کے منتخب ابواب بآسانی سمجھ سکیں۔ احقر نے  
اس کی تشریح و توضیح کے لئے شرح النووی فتح الملہم، تکرار فتح الملہم اور درس مسلم کو بطور خاص سامنے رکھا  
ہے بلکہ اس کا مقدمہ العلم اور مقدمہ الكتاب اور کتابُ الايمان تقریباً درس مسلم کی تلخیص اور تسہیل  
ہے، کیونکہ اس کی شرح کے لئے یہ نہایت کافی و ثانی تھی اور کہیں کہیں دوسری شروح سے بھی استعاذہ کیا  
ہے جیسے مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح الطیبی وغیرہ۔ اور کتاب النکاح سے لے کر کتاب العتق تک فتح  
الملہم اور دیگر شروحات سے مرتب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اللہ پاک اس کاوش کو قبول فرمائیں، طلباء اور طالبات کے واسطے احادیث طیبہ اور ان کے متعلق احکام و مسائل کو سمجھنا آسان فرمائیں اور ان کے لئے نافع اور مفید بنائیں اور اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں، آمین،

مولانا طاہر اقبال صاحب زادہ اللہ علماً و عملاً کو اللہ پاک نے تخریج و تعلیق کا ذوق عطا فرمایا ہے، اور اس سے پہلے مسلم شریف جلد ثانی کی آسان شرح کی دو جلدوں پر یہ کام بخوبی کر چکے ہیں، بندہ نے ان سے اس پر بھی یہ کام کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے بخوشی قبول کی اور یہ اہم کام انہوں نے ماشاء اللہ بحسن و خوبی انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کاوش کو قبول فرما کر طالبات کے لئے نافع اور مفید بنائیں، آمین بحرمۃ سید المرسلین و خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

بندہ عابد و خائف

بندہ عبد الرؤف کھروی عفا اللہ عنہ

جامعہ دار العلوم کراچی

۱۸ ذوالقعدہ بروز جمعہ ۱۴۳۸ھ



## عرض مرتب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا  
مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ .

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آقائے دو جہاں، فخر کون و مکان حضرت سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی جامع ترین کتاب ”صحیح مسلم“ کی دوسری جلد کی کتاب الجہاد سے آخر کتاب تک کی احادیث کی تشریح پر مشتمل شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، پیکر اتباع سنت سیدی و مولائی حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم نے ”مسلم شریف کی آسان شرح“ کی تقریر کی تخریج کی سعادت سے اس تہی دامن علم و عمل کو نوازا، اس پر اللہ رب العزت کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے اور یہ حضرت اقدس مدظلہم کی ذرہ نوازی ہے کہ انہوں نے اس ادنیٰ طالب علم کو اس عظیم خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ فجزاهم اللہ تعالیٰ عہد الجزاء.

حضرت اقدس مدظلہم نے احقر کو یہ تقریر کیوز شدہ عطا فرمائی احقر نے اس کا بغور مطالعہ کیا جس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت اقدس مدظلہم کی یہ تقریر جہاں ایک طرف احادیث مبارکہ کی مستند تشریح اور صحیح مسلم کے مذکورہ بالا ابواب کے دل نشین اور جامع خلاصوں پر مشتمل ہے، وہیں یہ فقہی مسائل کا ایک مجموعہ بھی ہے، اور ایک ماہر و کامل مرشد کی ماہرانہ ہدایات کا بہترین نمونہ بھی ہے۔

حضرت اقدس مدظلہم کے مشورے سے بندہ نے اس تقریر میں احادیث مبارکہ لکھنے میں درج ذیل امور کا اہتمام کیا ہے:-

۱ ... جن احادیث مبارکہ پر حضرت اقدس مدظلہم نے کلام فرمایا ہے اور تشریح کی ہے، ان کی مختصر سند اور مکمل متن صحیح مسلم کے قدیمی کتب خانہ کراچی کے مطبوعہ نسخے سے نقل کیا ہے۔ البتہ بعض طویل احادیث مبارکہ کا صرف متعلقہ حصہ لکھنے پر اکتفاء کیا ہے۔

- ۲ ... جس باب کا حضرت اقدس مدظلہم نے صرف خلاصہ بیان فرمایا ہے اس کی پہلی حدیث مبارک لکھی ہے۔
- ۳ ... احادیث مبارکہ کے جس جس لفظ پر حضرت اقدس مدظلہم نے کلام فرمایا ہے اس کو علیحدہ لکھ کر اس پر خط بھی ڈال دیا ہے اور صفحہ نمبر و سطر نمبر بھی لکھ دیا ہے۔

”مسلم شریف کی آسان شرح“ کی تخریج میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ احادیث مبارکہ کے جن جن الفاظ کے لغوی معانی حضرت مدظلہم نے بیان فرمائے ہیں ان کے حوالہ جات شروح حدیث اور لغت کی مستند کتابوں سے لکھے گئے ہیں، اور حضرت مدظلہم کے حکم کے مطابق تخریج میں صرف ایک یا دو مستند کتابوں کے حوالے لکھے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ احقر کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور طلبہ کرام اور اہل علم کے لئے نافع بنا کر بندے اور بندے کے اساتذہ کرام اور والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ

و اصحابہ اجمعین

احقر طاہر اقبال غفر اللہ لہ

یکے از خدام حضرت اقدس سکھروی صاحب مدظلہم

۸ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

## کتاب الجہاد و السیر

### جہاد اور سیر کے احکام

یہاں سے امام مسلمؒ اسلام کے سیاسی اور ملکی احکام شرعیہ کا بیان شروع فرما رہے ہیں، اور ان احکام کو "کتاب الجہاد" سے اس بناء پر شروع فرما رہے ہیں کہ احکام شرعیہ میں جہاد کی حیثیت پہاڑ کی چوٹی اور اونٹ کے کوبان کی طرح بلند ہے، لہذا کتاب الجہاد کی احادیث طیبہ پڑھنے سے پہلے جہاد کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں ان احادیث طیبہ کا سمجھنا آسان ہو جائے، مثلاً جہاد کے لفظی اور اصطلاحی معنی، جہاد کے اغراض و مقاصد، جہاد کی قسمیں، اور جہاد کی مشروعیت کے درجات وغیرہ۔

### لفظ جہاد کی لغوی تحقیق

لفظ جہاد مشتق ہے: جَهِدَ (بفتح الجیم) سے، جس کے لغوی معنی تھکن اور مشقت کے آتے ہیں، جہاد کو جہاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تھکن اور مشقت دونوں پائی جاتی ہیں۔  
یابہ جَهِدَ (بضم الجیم) سے مشتق ہے، اور "جُہد" کے معنی طاقت اور قوت کے آتے ہیں،<sup>(۱)</sup> جہاد کو جہاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے اندر ہر فریق اپنی طاقت و قوت استعمال کرتا ہے، اور اپنے مد مقابل کے مقابلے میں اپنی قوت لڑا دیتا ہے، یہ جہاد کے لفظی معنی ہوئے۔

### جہاد کے اصطلاحی معنی کی تفصیل

جہاد کے اصطلاحی معنی دو ہیں: ایک خاص اور حقیقی معنی، دوسرے عام معنی۔  
جہاد کے اصطلاحی، خاص اور حقیقی معنی یہ ہیں کہ: اسلام کی نصرت اور دین کی سر بلندی کے لئے کفار سے لڑنا۔

اور دوسرے عام معنی یہ ہیں کہ جہاد ہر اس کوشش کو کہتے ہیں، جو اسلام کی سر بلندی کے لئے، اور کفار کی شوکت کو توڑنے کے لئے کی جائے، خواہ بذریعہ ہتھیار ہو، یا بذریعہ مال، یا بذریعہ جان، یا بذریعہ قلم، یا بذریعہ زبان، حاصل یہ کہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑنا، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا، جان کی بازی لگا دینا، قلم سے مضمون لکھنا، زبان سے تقریر کرنا، یہ ساری صورتیں جہاد میں داخل ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) سنن العرب، مادہ "جہد" ۱۳۳/۳ والنصحاح فی النفع للنحوہری مادہ "جہد" ۱۰۵/۱۔

(۲) منابع الحسان کتاب السیر بیان معنی السیر والجہاد ۲۶۹/۱۵

جہاد کے یہ دو اصطلاحی معنی ہیں، جب لفظ جہاد مطلق بولا جاتا ہے، تو اس سے پہلے معنی مراد ہوتے ہیں، الا بقربینہ، مگر یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو، تو پھر جہاد کے دوسرے اصطلاحی معنی مراد ہوں گے، ورنہ بغیر کسی قرینہ کے پہلے معنی ہی مراد ہوں گے۔

### جہاد کے ایک اور معنی

جہاد کے ایک معنی اور بھی ہیں، اور وہ ہیں: مجاہدہ نفس، یعنی نفس کے خلاف کوشش کرنا۔ حدیث میں شریف میں ہے: ”المجاهد من جاهد نفسه“<sup>(۱)</sup> مجاہد وہ ہے، جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے، یعنی اپنے نفس کو طاعات کے بجالانے اور معاصی سے بچنے کا عادی بنائے۔ ایک اور حدیث، جو اس سلسلے میں بڑی مشہور ہے: ”قد متم خیر مقدم من الجہاد الا صغر الی الجہاد الا کبر“ کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کو لوٹے۔

یہ حدیث بیہقی میں ہے<sup>(۲)</sup> اس میں نفس کے خلاف جہاد کرنے کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے، اور کافروں سے لڑنے کو جہاد اصغر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ واضح ہے کہ کافروں سے لڑنا عارضی اور وقتی ہے، لہذا وہ جہاد اصغر ہوا، اور نفس سے لڑنا مستقل اور دائمی ہے، لہذا یہ جہاد اکبر ہوا، ایک دشمن وہ ہے کہ جس سے مہینے دو مہینے، سال دو سال لڑائی ہو، اور ایک وہ دشمن ہے کہ جس سے بالغ ہونے سے لیکر مرتے دم تک لڑائی ہو، لہذا کافروں سے لڑائی کو جہاد اصغر اور نفس سے لڑائی کو جہاد اکبر فرمانا بالکل بجا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی متکلم فیہ ہے، جس کی وجہ سے اس روایت میں کچھ ضعف ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ جب کسی ایسی روایت کے متابعات اور مؤیدات مل جائیں، تو پھر وہ مقبول ہو جاتی ہے، یہ حدیث بھی مقبول ہے، کیونکہ اس کے مؤیدات موجود ہیں، جو اس کے مضمون کی تائید کرتے ہیں، لہذا یہ حدیث مفہوم کے اعتبار سے بالکل درست ہے، اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اللہ بچائے! بعض لوگ اس کو بہت ہی معمولی اور بے حیثیت سمجھتے ہیں، یہ جہالت اور کم علمی ہے۔

السیر: سیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں طریقہ۔ مراد جہاد شرعی میں حضور ﷺ کا

طریقہ۔

(۱) جامع الترمذی ابواب الجہاد باب ما جاء فی فصل من مات مرابطاً، رقم الحدیث: ۱۵۴۶

(۲) ترمذ الکبیر للبیہقی فصل فی ترک الدنیا ومخالعة النفس رقم الحدیث: ۳۸۴ (باختلاف یسر)



## جہاد کے اغراض و مقاصد

قرآن و حدیث سے جہاد کے تین بنیادی مقاصد<sup>(۱)</sup> ثابت ہیں:

- (۱) ... اعزاز الاسلام، یعنی اسلام کو عزت دینا۔
- (۲) ... اعلاء کلمۃ اللہ، یعنی اللہ کے دین کو سر بلند کرنا۔
- (۳) ... کسر شوکۃ الکفر، کفر کی شان و شوکت کو توڑنا۔

## اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

دین اسلام صرف چند عبادات کے انجام دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جامع اور عالمگیر مذہب ہے، جو انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی کے ہر شعبے میں اس کی رہنمائی کرتا ہے، چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر مکمل طور پر نافذ کرنا ضروری ہے، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اس زمین پر عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، ظلم و ستم کا خاتمہ ہو، اور اس سلسلے میں کافروں کو بھی اسلام کی دعوت دی جائے کہ اگر وہ چاہیں، تو بخوشی اسلام قبول کر لیں، پھر ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے، جو دیگر مسلمانوں کے ہیں، اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، تو پھر جزیہ دیں، جو کہ ایک مالی ٹیکس ہے، جسے اسلامی حکومت ان کی جان و مال کی حفاظت کے عوض میں وصول کرتی ہے، اور ان کو اپنے کفر پر رہنے کا اختیار ہے، لیکن علانیہ انہیں اپنا کفر پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ انہیں اپنے عبادت خانوں کی حد تک محدود رہنا پڑے گا، اور اگر وہ اسلام بھی قبول نہ کریں، اور جزیہ بھی نہ دیں، تو پھر ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا<sup>(۲)</sup>، کیونکہ اسلام کی رو سے کسی بھی کافر کو دنیا میں حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار اپنے کالے قوانین پر دوسروں کو عمل کرنے کے لئے مجبور کریں، جو سراسر غلط، ناجائز اور ظلم و ستم پر مبنی ہے۔

## چودھویں صدی میں جہاد پر کفار و مستشرقین کا اعتراض اور اس کا جواب

جہاد کے ان مقاصد میں آپ غور کریں کہ کسی جگہ بھی کافروں کو زبردستی مسلمان کرنے کا ذکر نہیں، کفار چونکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن چلے آ رہے ہیں، اور کافروں کو مسلمانوں کے جہاد سے

(۱) تفسیر روح المعانی سورۃ النساء آیت نمبر: ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴

بہت ڈر لگتا ہے، اور یہ کفار شروع سے ڈرتے آرہے ہیں، اور اسی طرح ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ڈرتے، اور مرتے رہیں گے، وہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طریقہ سے مسلمانوں میں سے یہ جذبہ جہاد نکل جائے، اور یہ جذبہ جہاد اس وقت تک نہیں نکل سکتا، جب تک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان باقی ہے<sup>(۱)</sup>، اور ایمان قرآن و حدیث پر ہے، اور اس میں ”کتاب الجہاد“ بھی ہے، جسے آپ پڑھ رہے ہیں، اس لئے انہوں نے چودھویں صدی میں مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ اسلام بہت ہی خراب مذہب ہے، یہ بزورِ شمشیر پھیلا ہے<sup>(۲)</sup>، یہ اعتراض برائے اعتراض ہے، جو جہالت و ضلالت پڑنی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں جہاد کے مقاصد میں کہیں بھی یہ مقصد نہیں ہے کہ زبردستی کافروں کو مسلمان بنایا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اسلام میں کافروں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہوتا، تو جزیرہ کا حکم نہ ہوتا، لیکن احادیث و فقہ کی کتابوں میں ”باب الجزیۃ“ موجود ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ کافر کو اختیار ہے کہ وہ مسلمان نہ ہو، اور جزیرہ دیکر مسلمان حکومت کے ماتحت رہے، لہذا یہ اعتراض بالکل غلط ہے، جب علماء کرام نے اس کا جواب دیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آخر کار یہ اعتراض دم توڑ گیا اور بالکل مُردہ ہو گیا۔

### متحدہ دین کا اقدامی جہاد کا انکار

ہمارے ملک میں ایک ایسی جماعت ہے، جن کو ”متحدہ دین“ کہا جاتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو ذاتی مطالعے سے، یا اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں وغیرہ سے دینیات پڑھ کر ”دین کے ماہر“ اور آج کل کے جدید لفظوں میں ”اسلامک اسکالر“ بن جاتے ہیں، حالانکہ وہ صحیح معنی میں دین کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے، اور ان کافروں سے بہت زیادہ مرعوب ہوتے ہیں، کافروں کی طرف سے اگر کوئی اعتراض آجائے، تو اُس کا جواب دینا ان کے لئے ایک پہاڑ بن جاتا ہے، اور پھر کافروں کو خوش کرنے کے لئے اپنے دین تک کو بد لئے، اور اس میں ترمیم تک کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں، چنانچہ جب کافروں نے یہ کہا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں دفاعی جہاد ہے، اقدامی جہاد ہے ہی نہیں، کیونکہ اقدامی جہاد سے اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے، تو انہوں نے ان

(۱) جیسا کہ یک حدیث میں ارشاد فرمایا ”الجهاد ماضی لى یوم القیامۃ“ جہاد قیامت تک جاری رہے گا ”مجمع الرواۃ کتاب الامارۃ ص ۱۸۲

حد من ہن العبد ینسب رقم الحدیث ۴۰۴۰ مجمع الاوسط للطبرانی رقم الحدیث ۴۹۳۱۔

(۲) اس موضوع پر مفصل کام کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا“ مصنفہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب

کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے یا انہیں خوش کرنے کے لئے اپنے دین میں اس بات کا انکار کر دیا کہ اسلام میں دفاعی جہاد ہے، اقدامی جہاد نہیں۔

### اسلام اور دہشت گردی

اب پندرہویں صدی شروع ہے، اس میں ان کفار کی اصطلاح بدل گئی ہے، اب وہ جہاد کو عموماً ”دہشت گردی، انتہاء پسندی، شدت پسندی“ کہتے ہیں، اور تمام علماء، طلباء اور مجاہدین کو ”دہشت گرد، انتہاء پسند، شدت پسند“ اور تمام دینی مدارس اور تربیتی اداروں کو ”دہشت گردی کے مراکز“ کہنے لگے ہیں، اور آج کل اس کا زور و شور ہے، اب اس طریقے سے وہ اس جذبہ جہاد کو ختم کرنا چاہ رہے ہیں، کہ کسی طریقہ سے مسلمانوں میں سے یہ جذبہ جہاد ختم ہو، اب تک وہ زبانی باتوں کے ذریعہ اس کے ختم کرنے کے درپے تھے، اب وہ بزور طاقت اس جذبہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ موجودہ صلیبی جنگ کا مقصد یہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جتنا یہ جذبہ جہاد مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ اتنا ہی ابھرتا ہے، فسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان حکمران اور مسلم حکومتیں حب دنیا میں ڈوبنے اور عیش و عشرت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کافر طاقتوں کی غلام بنی ہوئی ہیں، اگر مسلمان اس غفلت سے بیدار ہو جائیں، تو یہ دنیا کے کفار، مسلمانوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

بہر حال! جہاد کو ”دہشت گردی“ سے تعبیر کرنا بھی سراسر جہالت اور نا انصافی پر مبنی ہے، کیونکہ جہاد تو امن و سکون قائم کرنے کا نام ہے، فساد پھیلانے کا نام نہیں ہے۔

### جہاد کی مشروعیت کے چار درجات

قرآن و سنت میں غور و فکر کرنے سے جہاد کی مشروعیت کے چار درجات معلوم ہوتے ہیں:

#### پہلا درجہ: صبر

پہلا درجہ یہ ہے کہ کفار کو اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ تکلیف پہنچائیں، تو صبر کیا جائے، اور لڑائی سے اجتناب کیا جائے، جیسا کہ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے لئے یہی حکم تھا کہ جب تک وہ مکہ مکرمہ میں تھے، کافروں کے خلاف جہاد کی اجازت نہیں تھی، جبکہ کافر مسلمانوں کے اوپر ظلم ڈھاتے تھے، لیکن مسلمانوں کے لئے جہاد کا حکم نہیں تھا، بلکہ صبر کرنے کا حکم تھا۔

## دوسرا درجہ: اجازتِ قتال

دوسرے درجے میں جہاد جائز اور مباح ہوا، لیکن فرض و واجب نہیں ہوا۔

## تیسرا درجہ: دفاعی جہاد کی مشروعیت

تیسرے درجے میں دفاعی جہاد مشروع ہوا، جب مسلمانوں کے کسی علاقے پر کفار حملہ کر دیں، تو اس علاقے کے جو مسلمان اُن کفار سے لڑنے کے لئے کافی ہوں، اُن پر جہاد فرض عین ہوگا، اور باقی مسلمانوں پر فرض کفایہ۔

## چوتھا درجہ: اقدامی جہاد

چوتھا درجہ اقدامی جہاد کا ہے، حج کے چار مہینوں کے بعد اقدامی جہاد کی فرضیت نازل ہوئی، اور یہ مرحلہ ۹ھ کا ہے، جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا اعلان فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فَإِذَا نَسَلَخَ الْأَشْهُرَ الْحُرُمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

(التوبة: ۵)

دوسری آیت میں فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (البقرة: ۱۹۳)

تیسری آیت میں فرمایا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (التوبة: ۳۶)

ان آیات میں حکم یہ دیا گیا کہ اب ان کافروں سے لڑو، اور ان کا صفایا کرو۔

جہاد کے چاروں درجات کی مشروعیت آج بھی باقی ہے

یہ جہاد کے چار درجات ہیں، اور جس طرح یہ اپنے اپنے موقع پر پہلے جائز اور مشروع تھے، آج بھی اسی طرح مشروع ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے بعض درجات منسوخ ہو گئے ہیں، اور بعض باقی

(۱) تفسیر بن کثیر تفسیر سورة التوبة آیت نمبر ۱-۱۰۲/۳



ہیں، لہذا جس جگہ مسلمان اتنے کمزور ہوں کہ کافروں سے نہ لڑ سکتے ہوں، تو ان کے لئے پہلا درجہ مقرر ہے، کہ طریقے اور سلیقے سے اسلام کی دعوت دیں، اور اگر کافروں کی طرف سے کچھ ایذا پہنچے، تو صبر کریں۔

اور جو مسلمان اُن سے ذرا بہتر حالت میں ہوں، اُن کے لئے جہاد کرنا جائز ہے، فرض نہیں، اور جو اُن سے بھی زیادہ طاقت میں ہوں، اور اُن پر کافر حملہ کر دیں، تو اُن کے لئے دفاعی جہاد ہے، اگر وہ لڑنے کے لئے کافی ہوں، تو ان پر فرض عین ہوگا، اور آس پاس کے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہوگا، اور اگر وہ کافی نہیں ہیں، تو آس پاس کے جتنے مسلمان لڑنے کے لئے کافی ہوں، ان پر فرض عین ہوگا، اور دوسروں پر فرض کفایہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

اور اگر کسی علاقے کے مسلمان اتنے طاقتور ہیں کہ وہ خود کافروں پر حملہ کر سکتے ہیں، تو یہ صورت بھی بلاشبہ جائز ہے۔

### جہاد کی دو بنیادی قسمیں

جہاد کی دو بنیادی قسمیں ہیں: (۱) ... دفاعی جہاد، (۲) ... اقدامی جہاد۔

#### دفاعی جہاد

جہاد کی پہلی قسم دفاعی جہاد ہے، یعنی اپنی حفاظت کے لئے کافروں سے لڑنا، اگر کسی علاقے پر کافروں نے حملہ کر دیا ہو تو وہاں کے مسلمانوں پر اپنی حفاظت کے لئے کافروں سے لڑنا فرض عین ہے، مگر یہ دفاعی جہاد ہے، اقدامی نہیں ہے، جیسا کہ پاکستان میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگ میں دفاعی جہاد ہو چکا ہے۔

اور اگر وہ مسلمان جن پر حملہ کیا گیا ہے، جہاد کے لئے کافی نہ ہوں، تو قرب و جوار کے دیگر مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوگا، یہاں تک کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان کافروں کے مقابلے میں کافی ہوں، تو دنیا کے سارے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جائے گا، ورنہ جتنے مسلمان کافی ہوں، ان پر فرض عین، اور باقی مسلمانوں پر فرض کفایہ ہوگا، یہ دفاعی جہاد کہلاتا ہے، اور یہ بھی مشروع ہے۔

## اقدامی جہاد

جہاد کی دوسری قسم ”اقدامی جہاد“ ہے، یعنی خود مسلمان کسی کافر ملک پر حملہ کریں، اس صورت میں جمہور کے نزدیک بشرط استطاعت یہ جہاد فرض کفایہ ہے، اور جتنے مسلمان اس ”اقدامی جہاد“ کے لئے کافی ہوں، صرف اُن پر فرض کفایہ ہے، اُن کے علاوہ پر فرض کفایہ نہیں ہے۔

## اقدامی جہاد میں استطاعت کا مطلب

اقدامی جہاد میں استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ:

- (۱) ... مسلمانوں کا کوئی امیر ہو۔
  - (۲) ... دوسرے یہ کہ ان کی فوجی قوت ہو۔
  - (۳) ... تیسرے یہ کہ یہ قوت اس قدر ہو کہ ان کفار پر، جن سے وہ لڑنا چاہتے ہیں، یقین یا غالب گمان فتح کا ہو، یہ تین چیزیں استطاعت میں داخل ہیں۔
- بعض صحابہؓ و تابعینؓ کے نزدیک اقدامی جہاد بشرط استطاعت فرض عین ہے، نہ کہ فرض کفایہ۔<sup>(۱)</sup>

(۱)

## باب جواز الإغارة على الكفار الذين بلغتهم دعوة الإسلام

(جن کافروں تک دعوت اسلام پہنچ چکی ہو، اُن سے قتال کے احکام)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، قَالَ: نَا سُلَيْمُ بْنُ أَحْضَرَ، عَنْ ابْنِ غَوْنٍ، قَالَ: كُتِبَتْ إِلَيَّ نَافِعُ أَسْأَلُهُ عَنِ الدُّعَاءِ قَبْلَ الْقِتَالِ، قَالَ: فَكُتِبَ إِلَيَّ: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، قَدْ أَغَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُونَ، وَأَنْعَمَهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبَى سَبْيَهُمْ، وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يَحْيَى: أَحْسِبُهُ قَالَ جُوَيْرِيَةَ أَوْ قَالَ: الْبَتَّةُ ابْنَةُ الْحَارِثِ، وَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيثُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ،

وَكَانَ فِي ذَاكَ الْجَيْشِ. (ص ۸۱ سطر ۱۲ تا ۱۳)

## تشریح

### کافروں سے قتال کا طریقہ

”کتاب الجہاد والسیر“ کے پہلے باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کفار کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، ان سے اسلام کی دعوت دیے بغیر لڑنا جائز ہے۔

اسلام میں کافروں سے لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب دشمن سے آمنا سامنا ہو جائے، تو ان کو سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے کہ: آپ اسلام قبول کر لیں، اگر آپ اسلام قبول کر لیں گے تو آپ ہمارے بھائی ہوں گے، اور ہم آپ کے بھائی ہوں گے، اور جو ہمارے حقوق ہوں گے، وہی حقوق آپ کے بھی ہوں گے۔

اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، تو ان سے کہا جائے کہ پھر آپ جزیہ دیں، اور ہمارے ماتحت رہیں، اگر وہ اس جزیہ دینے کو قبول کر لیں، تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر وہ نہ اسلام قبول کریں، اور نہ ہی جزیہ دینا قبول کریں، تو پھر تلوار قبول کرنی پڑے گی، یعنی پھر ان سے قتال اور لڑائی کی جائے گی۔

### قتال سے پہلے دعوت اسلام دینے کے بارے میں تین اقوال

قتال سے پہلے دعوت اسلام دینے میں اختلاف ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تین<sup>(۱)</sup>

قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ کافروں کو اسلام کی دعوت دینا مطلقاً واجب ہے، اور یہ قول ضعیف ہے، جو حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً واجب نہیں ہے، یعنی چاہے اسلام کی دعوت پہنچی ہو، یا نہ پہنچی ہو، یہ دوسرا قول پہلے قول سے بھی زیادہ ضعیف، یا باطل ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ جن کافروں تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب نہیں، مستحب ہے، اور جن کافروں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، اس کے بعد لڑائی جائز ہے، جب کہ وہ اسلام یا جزیہ دینا قبول

نہ کریں۔

اکثر علماء اور جمہور کا یہی قول ہے، اور یہی قول صحیح ہے، اس باب کی پہلی حدیث اس کی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ”بنو مصطلق“ پر حملے کا ذکر ہے، اور اس میں اُن کو اسلام کی دعوت دینا مذکور نہیں، اسلام کی دعوت دیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”بنو مصطلق“ (۱) پر حملہ کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

ایسے ہی ”کعب بن اشرف“ جس کا واقعہ آگے آ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا، قتل سے پہلے اس کو بھی اسلام کی دعوت نہیں دی گئی، کیونکہ اس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔ ”ابو الحقیق“ (۲) ایک کافر اور مسلمانوں کا دشمن گزرا ہے، جس کو قتل کیا گیا تھا، اس کو دعوت اسلام دیے بغیر قتل کیا گیا، کیونکہ دعوت اسلام اسے پہنچ چکی تھی۔

یہ سب قول صحیح کی دلیلیں ہیں، کہ جس کافر کو اسلام کی دعوت پہنچ گئی ہو، اس کو قتال سے پہلے اسلام کی دعوت دینا مطلقاً واجب نہیں، اور جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، ان کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، دعوت سے پہلے قتال درست نہیں۔ (۳)

قوله: فكتب إلى: إنما كان ذلك في أول الإسلام (ص ۸۱ سطر ۱۲ تا ۱۳)

حضرت سلیم بن اخضر، حضرت ابن عون سے روایت فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع کی خدمت میں لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دیئے کے بارے میں سوال کرتے

(۱) شہ ۱۱۰ھ میں ہونے والے اس غزوہ کو غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ ”مزیمع“ بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ غزوہ مقام مزیمع پر ہوا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان میں واقع ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کو جب خبر ملی کہ بنو مصطلق کا سردار ”حارث بن ابی ضرار“ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے تو آپ ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک لشکر لے کر مقابلے کے لئے تشریف لے گئے اور سات سو سے زائد کافر قیدی بنائے گئے اور بہت سے قتل کئے گئے، ان قیدیوں میں ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جن کو آپ ﷺ نے بعد میں آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمایا۔ (ماخذ: عمدة المعاری کتاب المعاری باب عروہ بنی المصطلق ۱۸/۵۵۷ و سیرہ ابن ہشام عروہ بنی المصطلق ۲/۲۸۹)

(۲) ابو الحقیق کا نام بورع عبد اللہ بن ابی الحقیق تھا، اس کو اسلام بن ابی الحقیق بھی کہتے ہیں، اس کا قلعہ خیبر اور قبا کے درمیان سرحد پر تھا، وہ یہاں دارِ ہدیوں میں سے کعب بن اشرف کے ہم خیال لوگوں میں سے تھا، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتا تھا، اس نے مسلمانوں کے خلاف قبیلہ بوعطیہ کی بڑی مدد کی تھی، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت عبد اللہ بن عتبیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۶ھ میں اس کو اس کے قلعے میں قتل کیا تھا (ماخذ: صحیح البخاری کتاب المعاری باب قتال ابی رافع الخ رقم الحدیث ۳۷۳۳ و کشف الباری کتاب المعاری ص ۱۹۸، ۱۹۹)

(۳) فتح البدر کتاب السیر باب کيفية القتال ۱۲/۳۹۲، والخراج لابی یوسف فصل فی قتال اهل الشرك و فعل الحی و کف

ہوئے لکھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شروع اسلام میں تھا، شروع اسلام کا مطلب یہ کہ جب اسلام عام نہیں ہوا تھا، اس وقت لڑائی سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری تھا، پھر جب اسلام کی دعوت عام ہو گئی، اور عام کفار تک بھی پہنچ گئی، تو پھر دعوت دینا واجب نہ رہا، بلکہ مستحب ہے۔

### بنو مصطلق کون تھے؟

عرب میں ”بنو خزاعہ“ ایک بہت بڑا قبیلہ گزرا ہے، اس کا ایک خاندان ”بنو مصطلق“ تھا، جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کیا تھا۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: وہم غارون (ص ۸۱ سطر ۱۳)

”غارون“ کے معنی ہیں: غافل ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر اچانک حملہ کیا تھا، انہیں پہلے سے معلوم نہیں تھا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: قال يحيى: أحسبه قال: جويرية، أو البنة: ابنة الحارث.

(ص ۸۱ سطر ۱۳)

اس حدیث کے پہلے راوی ”یحییٰ بن یحییٰ“ ہیں، یہ حدیث شریف بیان کرنے میں نہایت ہی محتاط ہیں، یہاں تک کہ احتیاط کرنے میں وہ شکی مزاج مشہور ہو گئے تھے، اور وہ اتنی زیادہ احتیاط اس لئے کرتے تھے کہ کہیں میری طرف سے حدیث شریف بیان کرنے میں کوئی کمی و بیشی نہ ہو جائے، اُن کے استاذ ”سُلیم بن اخضر“ ہیں، ”یحییٰ“ فرما رہے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ میرے استاذ ”سُلیم بن اخضر“ نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت ”جویریہ“ کہا تھا، البتہ مجھے اس بات کا یقین اور اطمینان ہے کہ انہوں نے ”ابنة الحارث“ کہا تھا۔

یہ انہوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا ہے کہ ”جویریہ“ کہنے کے بارے میں مجھے گمان ہے، اور ”ابنة الحارث“ کہنے کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ میرے استاذ نے یہی فرمایا تھا۔

وحدثنا محمد بن المثنى قال: نا ابن ابى عدى عن ابن عون بهذا الاسناد

مثله و قال: جويرية بنت الحارث و لم يشك. (ص ۸۲ سطر ۱)

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، اس میں حدیث کے راوی نے بغیر کسی شک و شبہ کے

(۱) نہ مصنف کا کچھ تعارف گذشتہ صفحہ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔

(۲) صحیح البخاری کتاب المغنی باب من ملئت من العرب وبعث الخ ۸/۷ ولسان العرب مادة (عور) ۱۱/۵۔



”جویریۃ بنت الحارث“ کہا ہے۔

(۲)

باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث ووصیتہ إیاهم.....  
(لشکر کے امیر بنانے اور اسے وصیت اور جہاد کے آداب وغیر کے احکام)

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبہ \_\_ (الی قوله) \_\_ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ،  
\_\_ وَاللَّفْظُ لَهُ، \_\_ قَالَ: ثَبِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ، قَالَ: نَا  
سُفْيَانُ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ،  
أَوْ صَاهٍ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ:  
اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ، اغْزُوا وَلَا تَغْلُوا، وَلَا  
تَغْدِرُوا، وَلَا تَمْثُلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ، فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ - أَوْ خِلَالٍ - فَإِنْ أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ  
مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ، فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ،  
وَكَفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ،  
وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى  
الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ  
الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا  
يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ  
هُمْ أَبَوْا فَسَلُّهُمْ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَأَقْبَلْ مِنْهُمْ، وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ  
هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنَ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ  
تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ، وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ (ﷺ)، فَلَا تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللَّهِ، وَلَا ذِمَّةَ

نَبِيِّهِ، وَلَكِنْ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا  
 ذِمَّتَكُمْ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ، وَإِذَا  
 حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللَّهِ، فَلَا تُنْزِلَهُمْ  
 عَلَى حُكْمِ اللَّهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي أَتُصِيبُ  
 حُكْمَ اللَّهِ فِيهِمْ أَمْ لَا (ص ۸۲ سطر ۱ تا ۱۰)

### تشریح

قوله: حدثني عبد الله بن هاشم (ص ۸۲ سطر ۲)

”عبد اللہ بن ہاشم“ یہ امام مسلمؒ کے خاص الخاص استاذ ہیں، صحاح ستہ میں سوائے امام مسلمؒ کے، اور کسی نے ان سے حدیث روایت نہیں کی، اور امام مسلمؒ نے ”مسلم شریف“ میں ان سے سترہ (۱۷) حدیثیں لی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: إذا أَمَرَ أميراً على جيش أو سرية (ص ۸۲ سطر ۳)

”جیش“ بڑے لشکر کو کہتے ہیں، اور ”سریہ“ اُس چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں، جو کم از کم چار سو فوجیوں پر مشتمل ہو، اور ”سریہ“ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے نکلنے اور جہاد میں جانے کو دشمن سے خفیہ رکھتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: فإن أجابوك فاقبل منهم. (ص ۸۲ سطر ۵)

جب وہ اسلام قبول کر لیں، تو ان کو دعوت دو کہ وہ دار الحرب سے دار الاسلام، دار المهاجرین (مدینہ منورہ) منتقل ہو جائیں۔

اسکے بارے میں یہ بات سمجھ لیں کہ شروع اسلام میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی کافر لڑائی کے وقت اسلام کی دعوت قبول کر لیتا، تو اس کیلئے مستحب تھا کہ وہ دار الحرب کو چھوڑ کر دار الاسلام یعنی مدینہ منورہ منتقل ہو جائے، تاکہ وہاں جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے، اور وہاں مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، وہی حقوق اسکو بھی حاصل ہو جائیں، مثلاً مال غنیمت اور مالی فی میں اپنی

(۱) بحکمۃ فتح لمسلم ۱۷/۳۰

(۲) شرح البیرونی علی صحیح مسلم ۸۲/۲۔

شرائط کیساتھ حصہ دار بننا وغیرہ۔

اور اگر وہ منتقل نہ ہوں، تو پھر ان کا حکم ان دیہاتیوں کا سا ہوگا، جو دارالاسلام سے دور جنگل اور پہاڑوں میں رہتے ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مستحق ہوں، تو زکوٰۃ میں سے ان کو حصہ ملے گا، لیکن مال غنیمت اور مال فی میں وہ حقدار نہیں ہوں گے، (الایہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لیں) کیونکہ ان کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، اس لئے ان کا حکم ”اعراب المسلمین“ کا ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

دنیا میں اسلام کے عام ہونے کے بعد اب یہ حکم باقی نہیں رہا، اب اگر کسی جگہ لڑائی میں کفار مسلمان ہو جائیں، تو اب ان کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ دارالاسلام کی طرف منتقل ہوں۔

قولہ: فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلِّمُوا الْجَزِيَّةَ (ص ۸۲ سطر ۷)

اگر کافر اسلام قبول کرنے سے انکار کریں، تو تم ان سے جزیہ دینے کا مطالبہ کرو۔

### جزیہ کی تفصیل

جزیہ سے متعلق دو باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

(۱) ... جزیہ کن کافروں سے لیا جائے گا، اور کن کافروں سے نہیں لیا جائے گا؟

(۲) ... جزیہ کی مقدار کیا ہے؟

### جزیہ لینے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں

جزیہ لینے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... اہل کتاب، جیسے یہود و نصاریٰ

(۲) ... بحکم اہل کتاب، جیسے مجوسی (آتش پرست)

(۳) ... کفار عرب، مشرکین عرب وغیرہ۔

پہلی دو قسموں، یعنی اہل کتاب اور بحکم اہل کتاب، ان کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا، جیسا کہ قرآن شریف میں ہے:

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبة: ۲۹)

”یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں“

(آسان ترجمہ قرآن ۵۷۲/۱)

اور تیسری قسم یعنی کفار و مشرکین عرب سے جزیہ قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے۔

### حنفیہ کا مذہب

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تمام کفار سے جزیہ وصول کیا جائے گا، سوائے مشرکین اور کفار عرب کے، کہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار ہے۔<sup>(۱)</sup>

### مالکیہ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمام کفار سے جزیہ قبول کیا جائے گا، سوائے کفار قریش کے۔

### شوافع اور حنابلہ کا مذہب

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے جزیہ وصول کیا جائے گا، خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ اور کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا ورنہ لڑائی ہوگی۔

### احناف و مالکیہ کی دلیل

احناف اور مالکیہ کی دلیل حدیث الباب ہے: ”فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلِّمُوا الْجُزْيَةَ“ یہ مطلق ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام کفار و مشرکین سے جزیہ قبول کرنا چاہئے، خواہ وہ عرب ہوں، یا غیر عرب۔

لیکن احناف یہ فرماتے ہیں کہ کفار عرب سے مشرکین عرب کو، اور مشرکین قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی وجہ سے خاص کیا گیا ہے، اس بناء پر حنفیہ کے ہاں مشرکین عرب و قریش سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے لئے اسلام ہے، یا تلوار۔<sup>(۲)</sup>

(۱) المسوود کتب السیر ۱/۴۸۹۔

(۲) مکملہ فتح السہم ج ۳ ص ۲۰، ۲۱۔

## جزیہ کی مقدار

جزیہ کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم ایک سال میں ایک دینار امیر و غریب پر مقرر کیا جائے گا، اور زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں، جتنی مقدار باہمی رضامندی سے طے ہو جائے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سونے کا کاروبار کرنے والوں پر فی کس سالانہ چار دینار، اور چاندی کا کاروبار کرنے والوں پر فی کس سالانہ چالیس درہم واجب ہوں گے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مالداروں پر چار (۴) درہم ماہانہ کے حساب سے، سالانہ اڑتالیس (۲۸) درہم واجب ہوں گے۔

اور درمیانے درجے کے مالداروں پر دو (۲) درہم ماہانہ کے حساب سے، چوبیس (۲۴) درہم سالانہ واجب ہوں گے۔

اور جو غریب درجے کے لوگوں پر ماہانہ ایک (۱) درہم کے حساب سے، سالانہ بارہ (۱۲) درہم واجب ہوں گے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وإذا حاصرت أهل الحصن فأرادوك أن تجعل لهم ذمة الله

(ص ۸۲ سطر ۸)

## کافروں سے معاہدہ کرنے کی دو صورتیں

کافروں کو امان دینا، یا ان سے کوئی عہد و پیمان کرنا، یا ان کے ساتھ کوئی معاہدہ وغیرہ کرنا، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ... ایک تو یہ کہ تم اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے واسطے سے کوئی عہد لو، یا کوئی فیصلہ کرو۔

(۲) ... دوسرا یہ کہ اپنی طرف سے کوئی عہد یا فیصلہ کرو۔

ان دونوں میں بہتر یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے کوئی عہد یا فیصلہ کر لو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حوالہ دیکر نہ کرو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی جائے گی، تو چونکہ وہ تمہاری طرف سے ہوا تھا، اس لئے اس کی مخالفت ہلکی ہوگی۔

(۱) العہدہ شرح الہدیۃ کتاب السیر باب الحرۃ ۹۲/۸ وفتح القمیر کتاب السیر باب الحرۃ ۱۳/۱۷۴۔

(۳)

## باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر (آسانی والا معاملہ اختیار کرنے اور نفرت والا معاملہ ترک کرنے کا حکم)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: نَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي  
بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَمُعَاذًا إِلَى  
الْيَمَنِ، فَقَالَ: يَسْرًا وَلَا تَعْسَرًا، وَبَشْرًا وَلَا تَنْفَرًا، وَتَطَاوَعًا وَلَا تَخْتِلِفًا.  
(ص ۸۲ سطر ۱۲ تا ۱۵)

### تشریح

قوله: يسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا (ص ۸۲ سطر ۱۵)

### تبلیغ دین کا طریقہ

سرکارِ دو عالم جناب رسول ﷺ جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو کسی جگہ کا گورنر، امیر یا عامل  
مقرر کر کے روانہ فرماتے، تو ان کو کچھ نصیحتیں بھی فرمایا کرتے تھے، جن میں سے چند نصیحتیں اس حدیث میں  
بیان کی گئی ہیں، کہ لوگوں کو فضائل بتا کر، اجر و ثواب بتا کر، اللہ کی رحمت و اسعہ بتا کر بشارت دو، اور خطرناک  
وعیدیں سنا کر منظر نہ کرنا، نیز لوگوں کو سہولتیں اور آسانیاں باہم پہنچانا، ان کو رخصتیں بھی بتلانا، تاکہ ان کے  
لئے دین پر چلنا آسان ہو، اور ان کو صرف عزیمت بتا کر، یا مشکل انداز میں دین کی باتیں بتا کر، ان کو  
دشواری اور مشقت میں نہ ڈالنا، کیونکہ ”إِنَّ الدِّينَ يَسْرُ“ (۱) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج، آیت: ۷۸)

یمن کے دو حصے ہیں: ایک بالائی حصہ، یعنی ”یمنِ علیا“، اور ایک نچلا حصہ، یعنی ”یمنِ  
سفلی“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالائی حصہ پر حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل مقرر کر کے روانہ  
فرمایا، اور یمن کے نچلے حصے پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو گورنر مقرر کر کے روانہ فرمایا، (۲) اور ان دونوں

(۱) صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر رقم الحدیث: ۴۸۔

(۲) کلمۃ فتح المسہم ۳۳۔



سے فرمایا کہ:

يسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا، و تطاوعا،

یعنی ایک دوسرے کا کہنا ماننا، اور و لا تختلفا، ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا، یعنی جو اہم کام کرو، باہمی مشورے سے کرنا، اتفاق رائے سے کرنا، اختلاف رائے اختیار نہ کرنا، اور ایک دوسرے کا کہنا ماننا، یعنی جب اپنے مقابل کی بات مناسب معلوم ہو، اور آدمی یہ سوچے کہ میں اس کی بات کیوں مانوں؟، ایسا نہیں کرنا، جو بھی اچھی بات کرے، چاہے چھوٹا کہے، یا بڑا کہے، اسے مانو، اور جو بُری اور نامناسب بات کہے، اس سے بچو، اور باہمی اختلاف سے بچو، کیونکہ اختلاف سے ہیبت ختم ہو جاتی ہے، اور کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ آج امت مسلمہ حضور پاک ﷺ کی اس ہدایت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے جگہ جگہ رسوا اور ذلیل ہے اور اس کی ہیبت ختم ہو چکی ہے۔ ہائے افسوس!!

(۴)

### باب تحريم الغدر

(عہد شکنی کی حرمت کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا جَمَعَ اللَّهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِيَوَاءٍ، فَقِيلَ: هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ بْنِ فُلَانٍ. (ص ۸۳ سطر ۵ تا ۷)

### تشریح

قولہ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (ص ۸۳ سطر ۵)

### عہد شکنی کرنے والوں کی سزا

اس باب میں عہد کرنے کے بعد عہد توڑنے اور عہد شکنی کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے، عہد شکنی کی دو صورتیں ہیں:

- (۱) ... ایک عہد شکنی کسی آدمی کی دوسرے آدمی سے ہوتی ہو۔
- (۲) ... اور دوسری عہد شکنی امیر مملکت کی کسی دوسرے شخص یا ملک سے ہو۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے کہ ایک آدمی کی دوسرے آدمی سے عہد شکنی کا نقصان

صرف ان دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے، جو کہ نسبتاً چھوٹا نقصان ہے۔

اور کسی امیر مملکت کا عہد کر کے عہد توڑنا، یہ بڑا نقصان ہے، اس سے پوری مملکت کو نقصان پہنچتا ہے، اور پوری مملکت کا نقصان بڑا نقصان ہے، اور اس کی مذمت میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والوں کی علامت قیامت کے دن یہ ہوگی کہ ان کی دُبر پر کمر کی طرف ایک لمبا سا جھنڈا لگا ہوگا، جس کی وجہ سے دور ہی سے اس کو پہچان لیا جائے گا کہ یہ آدمی دنیا میں عہد شکنی کا مرتکب ہوا تھا، جو آج اس کے لئے ذلت کا باعث ہے، اور یہ مثال اس لئے دی گئی ہے کہ اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے جلسوں میں، اپنی تقریبات میں، اپنے اجتماعات میں اگر کسی سے وفاداری کا اظہار کرتے، تو سفید جھنڈا بلند کرتے تھے، اور اگر اس کی مخالفت کا اظہار کرتے، تو کالا جھنڈا بلند کیا کرتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جو شخص کسی سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرے گا، تو آخرت میں اس کی کمر سے ایک جھنڈا لگا ہوگا، جو اس کے عہد شکن ہونے کی علامت ہوگی، جس کی وجہ سے اس کو اجتماع عام کے اندر ذلت و رسوائی اٹھانا پڑے گی۔ اس لئے عہد شکنی سے بچنا چاہئے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ، (الی قولہ) عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ،  
عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ  
غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ: "هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ" (ص ۸۳ سطر ۱۱، ۱۲)

### تشریح

قوله: عن أبي وائل عن عبد الله (ص ۸۳ سطر ۳)

”عبد اللہ“ سے مراد ”عبد اللہ بن مسعود“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور ”ابو وائل“

تابعی ہیں، جو مخضر مین میں سے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ  
اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ، يُقَالُ: هَذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ. (ص ۸۳ سطر ۱۵، ۱۶)

(۱) نکتہ فتح المسہم ۲۶/۳۔

(۲) نکتہ فتح المسہم ۲۹/۳۔

قوله: عن الأعمش عن شقيق عن عبد الله (ص ۸۳ سطر ۱۵)

شارحین فرماتے ہیں کہ حدیث شعبہ میں حضرت شقیقؓ کی کنیت ”ابو وائل“ مذکور ہے، اور اعمش کی روایت میں ”شقیق“ ان کا نام مذکور ہے، (۱) گویا پہلی حدیث میں کنیت ذکر کی گئی، اور دوسری حدیث میں نام ذکر کیا گیا اور راوی دراصل ایک ہی ہے۔

(۵)

## باب جواز الخداع فی الحرب

(جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کا جواز)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ، (الی قولہ) قَالَ: سَمِعَ عُمَرَو، جَاهِرًا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْحَرْبُ خَدْعَةٌ» (ص ۸۳ سطر ۱۹، ۲۰)

## تشریح

لفظ ”خَدْعَةٌ“ کی تشریح اور دھوکہ کا حکم

لفظ ”الخدعة“ کو کئی طرح پڑھ سکتے ہیں، خَدْعَةٌ، خُدْعَةٌ، خُذْعَةٌ، خَذْعَةٌ، لیکن اکثر علماء نے ”خَدْعَةٌ“ (بفتح الخاء و سکون الدال) پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور حضرت مولانا النور شاہ کشمیریؒ نے تیسرے لفظ خُدْعَةٌ کو ترجیح دی ہے جو اسم فاعل کے مبالغہ کا صیغہ ہے (۲) اسکے معنی ہیں: دھوکا دینا، مراد یہ ہے کہ جنگ کے انجام کا پتہ نہیں ہوتا اور جنگی اسباب واسلحہ پر بھروسہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ کبھی ابتداء میں فتح و نصرت ہوتی ہے اور آخر میں شکست اور کبھی شروع میں شکست معلوم ہوتی ہے اور آخر میں فتح اس طرح اس میں دھوکہ ہوتا ہے، بہر حال فرمایا: الحرب خدعة، لڑائی دھوکا ہے، یعنی جنگ اور لڑائی میں ہر فریق مد مقابل فریق کو دھوکا دیکر کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ کے اندر دشمن کو دھوکا دینا جائز ہے، بشرطیکہ دھوکا دینے سے نہ تو عہد کی خلاف ورزی ہو، اور نہ ”امان“ پامال ہو، اگر یہ دو باتیں نہ ہوں، تو بلاشبہ دشمن کو لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے۔

دوران جنگ دشمن سے جھوٹ بولنا

لڑائی میں دشمن سے جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام کا اس بات میں اتفاق ہے کہ

(۱) مکملہ فتح المہم ۳/۲۸۔

(۲) شرح ابی روی علی صحیح مسلم ۸۳/۲



صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَمْنُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا.

(ص ۸۴ سطر ۱، ۲)

## تشریح

امام مسلمؒ اس باب میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک نقل فرما رہے ہیں کہ ”لا تمنوا لقاء العدو“ دشمن سے لڑنے کی تمنا نہ کرو، لیکن جب دشمن سے مقابلہ پیش آ ہی جائے، تو پھر جرم جاؤ، ثابت قدم رہو اور سینہ سپر ہو کر دشمن سے لڑو۔

### لڑائی کی تمنا ممنوع اور شہادت کی آرزو جائز

یہاں ایک اشکال اور اس کا جواب سمجھنے کی ضرورت ہے، آپ ﷺ نے دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے سے منع فرمایا، اور شہادت کی تمنا کرنے کی اجازت دی، عام طور پر شہادت لڑائی میں ہوتی ہے، تو ایک طرف دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے سے منع فرما رہے ہیں، اور دوسری طرف شہادت کی موت کی تمنا کی اجازت دے رہے ہیں؟ ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دشمن سے لڑنے کی تمنا کرنے کو اس لئے منع فرمایا کہ دشمن سے لڑنے کی تمنا اس لئے ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ لڑنے والے کو اپنی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے، اپنی طاقت و قوت پر اعتماد ہوتا ہے، اپنی ثابت قدمی کا یقین یا اطمینان ہوتا ہے، اور یہ سب تکبر اور بڑائی کی باتیں ہیں، اور بڑائی کا اظہار اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہوتی، لہذا اس کی تمنا کرنے سے منع فرمایا۔

نیز اس لئے بھی منع فرمایا کہ اس تمنا میں عجب، کبر، خود پسندی، بڑائی کا مفسدہ پایا جاتا ہے، نیز دشمن سے لڑائی کے دوران اس بات کا بھی کوئی اطمینان نہیں ہے کہ ہم ثابت قدم رہیں گے، یا نہیں؟ کامیابی ہوگی، یا نہیں ہوگی؟، انجام کا کچھ پتہ نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے ”لقاء العدو“ کی تمنا سے منع فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

اور شہادت کی تمنا آخرت کی چیز ہے، جو آخرت کے بلند درجات میں سے ایک درجہ ہے، جو کہ نہ صرف مطلوب ہے، بلکہ محمود ہے، اور اس میں کوئی مفسدہ نہیں، اس لئے اس کی تمنا درست اور جائز

(۱) ہے۔

نیز حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے،<sup>(۲)</sup> اس کا مطلب و مقصد مجاہدین کو لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب دینا ہے، جب دشمن سے تمہاری جنگ اور لڑائی شروع ہو جائے، تو اب سمجھ لو کہ تمہاری جنت ان تلواروں کے سائے میں ہے، یعنی تمہارے لئے دشمن سے لڑنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہونے کا باعث، اور گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا سامان ہے۔

(۷)

### باب استحباب الدعاء بالنصر عند لقاء العدو

(دشمن سے جنگ کے وقت نصرت کی دعا کرنے کے استحباب کا بیان)

حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ يَوْمَ أُحُدٍ: اللَّهُمَّ، إِنَّكَ إِن تَشَأْ لَا تُعْبِدُ فِي الْأَرْضِ. (ص ۸۴ سطر ۱۰، ۱۱)

### تشریح

قوله : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول يوم أحد: اللهم،

إِنَّكَ إِن تَشَأْ لَا تُعْبِدُ فِي الْأَرْضِ. (ص ۸۴ سطر ۱۰، ۱۱)

اے اللہ! اگر آپ چاہیں، تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے۔

آپ ﷺ نے یہ جملہ ”غزوہ“<sup>(۳)</sup> بدر، غزوہ احد اور غزوہ حنین<sup>(۴)</sup>، تینوں مواقع پر ارشاد فرمایا، اور اس جملہ کو فرمانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لانا تھا وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی اور نبی قیامت تک نہیں آئے گا، لہذا اگر میں اور وہ مسلمان، جو مجھ پر ایمان لائے ہیں، شہید کر دیے گئے، اور کفار کے

(۱) خود نصرت ہی بڑی چیز ہے۔ در کئی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شہادت کی تمنا ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ صحیح البخاری کتاب الجہاد باب ۱۰

مسئ ۵۸۹۱۔ کتاب الجہاد باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء رقم الحدیث ۲۵۸۰۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الحجة تحت بارقة السيف رقم الحدیث ۲۶۰۷

(۳) صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ النصر باب قوله مسہم الجمع یولون الدبر، رقم الحدیث ۳۴۹۷

(۴) مسند احمد مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم الحدیث ۱۲۲۰



مقابلے میں ان کی مدد نہ ہوئی، تو پھر کوئی اور نبی آ کر اسلام کی دعوت نہیں دے گا، اور یہ کفار و مشرکین بدستور غیر اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں گے،<sup>(۱)</sup> اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یا اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس دین پر اور آپ کی شریعت پر عمل نہ کیا جائے، تو پھر جیسے آپ کی منشاء، ورنہ آپ اپنے فضل سے ہماری مدد فرمائیے، تاکہ کفر مٹ جائے، اور اسلام پھیل جائے۔

(۸)

## باب تحریم قتل النساء و الصبیان فی الحرب

(جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ امْرَأَةً وَجَدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصَّبْيَانِ... (ص ۸۴ سطر ۱۱، ۱۲)

## تشریح

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ کسی غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی، تو سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔

یہ بات اس زمین پر سب سے پہلے اسلام نے سکھائی ہے، اور یہ چیز اسلام کی خصوصیات اور امتیازی امور میں سے ہے، اس سے پہلے کسی اور مذہب نے ایسا حکم نہیں دیا، جبکہ کافروں کا پہلے اور آج بھی یہ دطیرہ رہا ہے کہ وہ جنگ کے دوران بلا امتیاز اپنے دشمنوں کی عورتوں، بچوں، کمزوروں اور ضعیفوں کو قتل کرتے ہیں، اور نہ صرف قتل کرتے ہیں، بلکہ نہایت ہی بے دردی اور سفاکی سے قتل کرتے ہیں، یہ بات سراسر انسانی شرافت کے خلاف ہے، اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے سب سے پہلے انسان کو انسانیت اور شرافت کا یہ حکم دیا کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے، اسی لئے تمام علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ جنگ کے دوران دشمن کی عورتیں، بچے اور بوڑھے، جبکہ وہ لڑنے والے نہ ہوں، یا لڑنے والوں کی مدد کرنے والے نہ ہوں، ان کو قتل کرنا حرام ہے، اور اگر وہ

لڑنے والے ہوں، جیسا کہ قریب البلوغ لڑکا بھی لڑنے کے قابل ہوتا ہے، اور آج کل تو عورتوں کی بھی فوج ہوتی ہے، اور بعض بوڑھے بھی جوانوں سے زیادہ لڑاکو ہوتے ہیں، اور اگر جسمانی طور پر لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو بعض مرتبہ ان کا تجربہ بہت وسیع ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں جمہور علماء کے نزدیک ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے،<sup>(۱)</sup> گویا اُن کو قتل کرنے کی اصل علت ان کا لڑائی میں حصہ لینا ہے۔ جس کی دلیل ایک دوسری حدیث ہے کہ:

کسی غزوہ میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہیں، آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ ایک مقتول عورت پر جمع تھے، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو لڑنے والی نہیں تھی۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ”قتل نہ“ کرنے کی وجہ ”نہ لڑنا“ ہے، اور ”لڑنا“، ”قتل“ کی وجہ ہے، اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کا نہ لڑنا پایا جائے گا، وہاں قتل کرنا ناجائز ہوگا، اور جہاں یہ خود لڑنے والے ہوں، یا لڑنے والوں کی مدد کرنے والے ہوں، تو وہاں ان کو بھی دیگر کفار کی طرح قتل کیا جائے گا۔

(۹)

باب جواز قتل النساء والصبيان في البيات من غير عمد

(شب خون میں بلا ارادہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو مارنا جائز ہے)

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ اصلاً تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں، ضمناً و تبعاً قتل کرنا جائز ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (المرسل عنه) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَامَةَ،

قَالَ: سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ؟

يُبَيِّتُونَ فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ، فَقَالَ: هُمْ مِنْهُمْ. (ص ۸۴ سطر ۱۴ تا

(۱۶)

(۱) شرح صحیح مسلم بروی ۸۴/۲۔

(۲) سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی قتل النساء، رقم الحدیث ۲۲۹۵۔

## تشریح

قوله: سئل رسول الله ﷺ عن الذراري من المشركين (ص ۸۴ سطر ۱۵)  
 ”بیت بیت تبیت“ جبکہ اس کا مفعول بہ عدویا قوم ہو تو اس کے معنی آتے ہیں: رات میں حملہ کرنا<sup>(۱)</sup>، اگر کفار و مشرکین پر رات کو حملہ کیا جائے، تو ظاہر ہے کہ عورتوں اور بچوں کو ان سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے، اور یہی حکم بمباری کا بھی ہے، خواہ بمباری دن میں کی جائیہا رات میں اس میں اگر کفار کی عورتیں اور بچے بھی مر جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ اس میں بھی عورتوں اور بچوں کو لڑنے والوں سے الگ کرنا ممکن نہیں، ایسی صورت میں اصل نشانہ تو کفار و مشرکین ہیں، اور چونکہ رات میں حملہ کرنے کی وجہ سے، یا دن یا رات میں بمباری کرنے کی وجہ سے ان کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کو الگ کرنا ممکن نہیں، لہذا ضمناً ان کا قتل کرنا بھی درست ہے، اس باب کی احادیث سے یہ ثابت اور جائز ہے۔

قوله: فقال: ”هم منهم“ (ص ۸۴ سطر ۱۶)

دنیا میں کفار کی عورتیں، بچے انہی کفار کے حکم میں ہیں، اور ان کا حکم یہ ہے کہ جب وہ لڑنے والے نہ ہوں، تو ان کو اصلاً اور قصداً مارنا جائز نہیں، لیکن اگر ضمناً اور مجباً ان کو مارنا پڑے، تو درست ہے، یہ اولاد و کفار و مشرکین کا دنیوی حکم ہے، ان کا اخروی حکم کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ مشرکین و کفار کی نابالغ اولاد آخرت میں جنت میں جائے گی۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جہنم میں جائے گی۔

(۳) ... اور تیسرا قول یہ ہے کہ توقف کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ کیا عمل کرتے

ہیں؟ جیسا کہ بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: ”اللہ اعلم بما کانوا عاملین“<sup>(۲)</sup>

ان میں پہلا قول صحیح اور رائج ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) لسان العرب مادة ”بیت“ ۱۳/۲۔

(۲) صحیح البخاری کتاب الجائز باب ما قبل فی أولاد المشرکین رقم الحدیث: ۱۲۹۵ و صحیح مسلم کتاب الفکر باب معنی کل مودود

بوند علی الفطرہ الحج رقم الحدیث: ۳۸۰۵۔

(۳) شرح صحیح مسلم للوئی ۸۵/۲

(۱۰)

## باب جواز قطع أشجار الكفار و تحريقها

(کافروں کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز ہے)

اس باب میں امام مسلمؒ وہ احادیث طیبہ بیان فرما رہے ہیں جن میں بنو نضیر کے درختوں کو جلانے اور کاٹنے کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے ان کے باغات کیوں کٹوائے، اور کیوں جلوائے؟ اس کا پورا پس منظر سمجھنا ضروری ہے، اس کو سمجھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ مذکورہ باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

## بنو قینقاع کی عہد شکنی

اس پس منظر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو وہاں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبیلے آباد تھے:

(۱) ... بنو قریظہ (۲) ... بنو نضیر

(۳) ... بنو قینقاع

آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد یہودیوں کے ان تینوں قبیلوں نے آنحضرت ﷺ سے باقاعدہ معاہدہ اور عہد و پیمان کیا کہ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے، اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، اس عہد و پیمان اور معاہدے کے بعد سب سے پہلے بنو قینقاع نے معاہدے کی خلاف ورزی کی، آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے بعد ۲ھ ماہِ شوال میں ان کا محاصرہ کیا، اور کئی روز کے محاصرے کے بعد یہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ حضور ﷺ جو بھی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں، انہیں منظور ہوگا، آپ ﷺ نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا، عبد اللہ بن ابی نے آکر درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں میری یہ درخواست منظور فرمائیں کہ ان کو معاف کر کے جلاوطن کر دیں، آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کی درخواست قبول فرما کر ان کا خون معاف کیا، اور ان کو ”اذرعات“ (۱) کی طرف جلاوطن کر دیا۔ (۲)

(۱) اذرعات طرف شام میں ”بثنا“ اور ”عمان“ کے قریب ایک شہر کا نام ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے معجم البلدان، ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵،

### بنو نضیر کی عہد شکنی کا واقعہ

اس کے تقریباً چھ ماہ بعد یعنی ربیع الاول ۲ھ میں بنو نضیر نے آپ ﷺ سے عہد شکنی کی، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا، اور ان کے باغات اور درختوں کو کٹوایا، اور جلوایا، یہ بھی جلا وطنی پر آمادہ ہوئے۔

اصحاب سیر نے ان کی عہد شکنی کا واقعہ بھی بیان فرمایا ہے، اس سلسلے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، زیادہ تر اصحاب سیر و مغازی نے جو روایت لی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری نے بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیے، اور بنو عامر کا حضور ﷺ سے معاہدہ اور عہد و پیمان تھا کہ آپ ﷺ ان کی مدد کریں گے، اور وہ آپ ﷺ کی مدد کریں گے، اور بنو عامر، بنو نضیر کے حلیف بھی تھے، یعنی ان کا بھی آپس میں ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ تھا، جب عمرو بن امیہ ضمری نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو قتل کیا، تو آنحضرت ﷺ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کے یہاں تشریف لے گئے، اور ان سے جا کر فرمایا کہ بنو عامر ہمارے بھی حلیف ہیں، اور ان کے ساتھ تمہارا معاہدہ بھی ہے، لہذا ان کے دو آدمیوں کے قتل کی دیت دلوانے کا انتظام کرو،... یہودی آپ ﷺ کو ”ابوقاسم“ کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے،... چنانچہ بنو نضیر نے کہا کہ اے ابوقاسم! ہم آپ ﷺ کی ضرورت مدد کریں گے، اور آپ ﷺ جیسا چاہیں گے، ویسا ہی ہوگا، جس وقت آپ ﷺ ان سے بات چیت فرما رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ ایک یہودی کے مکان کے سائے میں تشریف فرما تھے، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ سمیت بہت سے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ہمراہ موجود تھے، اس موقع پر یہودیوں نے اندر ہی اندر آپ ﷺ کے خلاف ایک ناپاک منصوبہ تیار کیا، اور آپس میں کہا کہ اس وقت آپ ﷺ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہیں، اس حالت میں بیٹھے ہوئے پھر کبھی نہیں ملیں گے، آپ کو قتل کرنے کا بہت اچھا موقع ہے، لہذا کوئی شخص اوپر جائے، اور ایک بڑا سا پتھر آپ ﷺ کے اوپر لڑھکا دے، تاکہ العیاذ باللہ! آپ ﷺ کا خاتمہ ہو جائے، اور اس کو ایک حادثہ قرار دے کر اپنی جان بھی چھوٹ جائے۔

عمرو بن جحاش بن کعب نامی ایک شقیق القلب شخص اس کام کے لئے تیار ہوا کہ، میں یہ کام کروں گا، ابھی وہ منصوبہ بنا رہا ہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے اس منصوبے

سے آگاہ فرمادیا، خبر ہوتے ہی آپ ﷺ وہاں سے اٹھے، اور فوراً چل دیے، اور ان کا منصوبہ دھرے کا دھرارہ گیا، صحابہ کرام کچھ دیر آپ ﷺ کے انتظار میں رہے کہ شاید آپ ﷺ واپس تشریف لائیں، لیکن جب کافی دیر گزر گئی، اور آپ ﷺ واپس تشریف نہ لائے، تو وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

راستے میں مدینہ منورہ کی طرف سے ایک آدمی کو آتے ہوئے دیکھا، اس آدمی سے پوچھا کہ کیا تم نے حضور ﷺ کو دیکھا؟ اس نے کہا کہ ہاں! حضور ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں، میں نے وہاں آپ ﷺ کو دیکھا ہے، صحابہ کرام کو یہ سن کر اطمینان ہوا، اور پھر سب جلدی سے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس اس طرح انہوں نے مجھے مارنے کا منصوبہ بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مجھے اطلاع دے دی، میں وہاں سے اٹھ کر یہاں آ گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حرکت کر کے بنو نضیر نے میرے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، لہذا آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ساتھ لیکر ان کا محاصرہ کر لیا، تھوڑے دن انہوں نے انتظار کیا کہ شاید عبد اللہ بن ابی ان کی مدد کو بھی آئے، لیکن وہ نہیں آیا۔

ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ”بوریہ“ میں ان کے باغات کو کٹوا دیا اور جلوا دیا، ”بوریہ“ ایک جگہ کا نام ہے، جو مدینہ منورہ اور تیماء کے درمیان واقع ہے، باغات کے جلنے کی وجہ سے ان کے اوپر رعب بیٹھ گیا، اور مرعوب ہو کر انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ حضور! آپ ﷺ ہمارا خون معاف فرمادیں، اور ہمیں یہاں سے جلا وطن ہونے کی اجازت مرحمت فرمادیں، اور ساتھ ہی ساتھ ہتھیاروں کے علاوہ دیگر اشیاء منقولہ، جو بھی ہم اپنے ساتھ لے جاسکیں اس کی بھی اجازت مرحمت فرمادیں، آپ ﷺ اس کی بھی اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے خود ہی اپنے مکان کی کھڑکیاں، دروازے توڑ توڑ کر نکالے، اور دیگر قیمتی سامان اونٹوں پر لادوا، اور پھر یہ خیبر اور شام کی طرف جلا وطن ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَحَرَّقَ، وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ:



وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ  
خَرِيقٌ بِالْبُؤَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ

وفی ذلک نزلت: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا﴾ الآية (ص ۸۵ سطر ۴ تا ۶)

### تشریح

قوله: و لها يقول حسان (ص ۸۵ سطر ۵)

حضرت حسان بن ثابتؓ آنحضرت ﷺ کے شاعر صحابی ہیں، آپ ﷺ کی طرف سے کفار کی جھوٹے جواب دینے کیساتھ ساتھ آپ ﷺ کا دفاع فرمایا کرتے تھے،<sup>(۱)</sup> انہوں نے بنو نضیر کے بارے میں بطور تعریف کے یہ شعر کہا ہے۔

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ  
خَرِيقٌ بِالْبُؤَيْرَةِ مُسْتَطِيرٌ

هَانَ يَهُونُ هَوْنًا، کے معنی ہیں: آسان ہونا۔<sup>(۲)</sup> سَرَاة، سری کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: سردار۔<sup>(۳)</sup> بنی لؤی سے مراد قریش ہیں۔ شعر میں اس سے مراد آنحضرت ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ہیں، جو قریشی تھے، حریق کا معنی ہیں: جلانا، مستطیر کا معنی ہیں: پھیلنا، منتشر ہونا۔<sup>(۴)</sup> اب پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوا:

”قریش کے سرداروں پر آسان ہو گیا، مقام بوریہ میں (باغات کا) جلانا“

اور اسی سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا (الحشر: ۵)

بنو نضیر کے سردار کا نام ”حیی بن اخطب“ تھا<sup>(۵)</sup>۔ لَيْنَةٍ: عجوہ کھجور کے سوا کھجور کی باقی اقسام کو

(۱) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی میں تبرک رکھوایا تھا جس پر کھڑے ہو کر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف سے کفار کا جواب دیا کرتے تھے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ایک سو بیس سال تھی، ساتھ ساتھ زمانہ جاہلیت میں کھڑے درمیان میں حالت سلام میں گزارے، آپ کا انتقال ۳۰ھ میں ہوا، معنوی خزائن مسند النبی ص ۲۵۵ و ۲۵۶۔

(۲) لسان العرب ص ۲۲۸/۳ ”هوان“

(۳) لسان العرب مادة ”هوان“ ص ۲۷۷/۱۲

(۴) عربیہ محدث لابی قتیبة ۱۹/۱

(۵) مکملہ فتح المہم ۳/۱

کہتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تقریباً (۱۲۰) اقسام کی کھجوریں ہوتی تھیں، ان میں سے سب سے اعلیٰ قسم کی کھجور عجوہ ہے، عجوہ کے علاوہ باقی تمام اقسام کی کھجور کو ”لینہ“ کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ”لینہ“ ہر قسم کے پھل کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱۱)

### باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة خاصة

امت محمدیہ ﷺ کے لئے غنیمت کا مال حلال ہونا

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قولہ) عَنْ هَمَامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَزَا نَبِيُّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ: لَا يَتَّبِعُنِي رَجُلٌ قَدْ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا، وَلَمَّا يَبْنِ، وَلَا آخِرُ قَدْ بَنَى بُنْيَانًا، وَلَمَّا يَرْفَعُ سُقْفَهَا، وَلَا آخِرُ قَدْ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خِلْفَاتٍ وَهُوَ مُنْتَظَرٌ وَلَا ذَهَابَ قَالَ: فَغَزَا فَأَذْنَى لِلْقَرْيَةِ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ: أَنْتِ مَأْمُورَةٌ، وَأَنَا مَأْمُورٌ، اللَّهُمَّ، احْبِسْهَا عَلَى شَيْئًا، فَحَبَسَتْ عَلَيْهِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ، قَالَ: فَجَمَعُوا مَا غَنِمُوا، فَأَقْبَلَتِ النَّارُ لِتَأْكُلَهُ، فَأَبَتْ أَنْ تَطْعَمَهُ، فَقَالَ: فِيكُمْ غُلُولٌ، فَلْيَبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَبَايَعُوهُ، فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمْ الْغُلُولُ، فَلْيَبَايِعْنِي قَبِيلَتَكَ، فَبَايَعْتُهُ، قَالَ: " فَلَصِقَتْ بِيَدِ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ، فَقَالَ: فِيكُمْ الْغُلُولُ، أَنْتُمْ غَلَلْتُمْ، قَالَ: فَأَخْرَجُوا لَهُ مِثْلَ رَأْسِ بَقْرَةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: فَوَضَعُوهُ فِي الْمَالِ وَهُوَ بِالصَّعِيدِ، فَأَقْبَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهُ، فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا، ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا، فَطَيَّبَهَا لَنَا. (ص ۸۵ سطر ۷ تا ۱۴)

## تشریح

امت محمدیہ کے لئے مالِ غنیمت حلال ہے

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ جو حدیث لائے ہیں، اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پچھلی آیتوں میں مجاہدین کے لئے مالِ غنیمت کا استعمال حرام تھا، یہ دین اسلام کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال فرمایا، اور قرآن شریف میں اس کی حلت کا اظہار فرمایا:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (الأنفال ۶۹)

یہ مالِ غنیمت کے حلال ہونے کی دلیل ہے، پچھلی آیتوں میں مالِ غنیمت حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کو میدان میں رکھ دیا جاتا تھا، آسمان سے ایک آگ آتی تھی، وہ اس کو جلا کر ختم کر دیتی تھی، چنانچہ اس بارے میں ایک واقعہ بیان فرمایا۔

قولہ: وقال رسول الله ﷺ: غزانی من الأنبياء.... الخ (ص ۸۵ سطر ۹)  
پہلے زمانے کے انبیاء میں سے کسی نبی نے جہاد فرمایا (اس سے مراد حضرت یوشع بن نون<sup>(۱)</sup> علیہ السلام ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب خلیفہ اور اللہ کے نبی تھے) انہوں نے ایک ہستی ”اریحا“ پر حملہ کیا، حملہ کرنے سے پہلے انہوں نے اعلان کیا کہ جس شخص کی بیوی کی عنقریب رخصتی ہونے والی ہو، یا جس شخص کے مکان کی چھت پڑنے والی ہو، یا جسکی اونٹنیاں عنقریب بچے جننے والی ہوں، وہ جہاد میں شریک نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد ایک اہم عمل اور ایک اہم فریضہ ہے، جس کی ادائیگی میں پوری توجہ درکار ہے، اور جس آدمی کو اپنی بیوی کی رخصتی کا انتظار ہو، یا چھت پڑنے کا انتظار ہو، یا اس بات کے انتظار میں ہو کہ اس کی بکریاں اور اونٹنیاں کب بچے دینے والی ہیں تو اس کا دل انہی چیزوں میں انکار ہے گا، اور اس اہم فریضے کی طرف اس کی پوری توجہ اور محنت نہیں ہوگی، جو کہ مطلوب ہے، اس لئے ایسے افراد کو جہاد میں جانے سے منع کیا گیا ہے۔

حضرات شارحینؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ جہاد فرض کفایہ ہو، اور اگر فرض عین ہو، تو پھر چاہے دل کہیں انکا ہو، یا نہ ہو، اس کو جہاد میں شریک ہونا ضروری ہے، الا یہ کہ حاکم کسی مصلحت

(۱) صحیح البخاری لایب حجر کتاب فرض الخمس باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ”لحنت لکم العائم“ ۲۸۲/۹ وغیرہ، اللہ تعالیٰ عسی

سے اس کو کسی اور کام میں لگا دے، تو یہ الگ بات ہے۔<sup>(۱)</sup>

### حبسِ شمس کا واقعہ

جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے اس بستی پر حملہ کیا، تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا، اور اس بات کا خطرہ ہونے لگا کہ نماز قضاء ہو جائے گی، انہوں نے دعا فرمائی:

”اللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا، فَحُبِسَتْ عَلَيْهِ، حَتَّىٰ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ“

یا اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر کے لئے روک لیجئے، تاکہ میں جہاد مکمل کر لوں، اور نماز عصر بھی اپنے وقت میں پڑھ لوں، اللہ پاک نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سورج ٹھہر گیا، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز وقتِ عصر میں ہی ادا فرمائی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی طرح حبسِ شمس کا معجزہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ظاہر ہوا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور سرکارِ دو عالم ﷺ۔ آنحضرت ﷺ سے تین موقعوں پر حبسِ شمس اور سورج کا دوبارہ نکلنا منقول ہے:

(۱) ... ایک واقعہ وہ ہے جس میں آپ ﷺ حضرت علیؓ کے گھٹنے یا ران پر سر مبارک رکھ کر سو گئے، جیسی کہ سورج ڈوب گیا، حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا، آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! سورج کو دوبارہ نکال دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے سورج دوبارہ نکل آیا، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر سورج دوبارہ غروب ہو گیا۔<sup>(۲)</sup>

(۲) ... دوسرا واقعہ غزوہٴ خندق کا ہے جس میں کفار نے آپ ﷺ کو عصر کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اس موقع پر بھی آپ ﷺ کی دعا سے سورج دوبارہ نکل آیا، اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مکملہ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۶۲

(۲) اس واقعہ کی پوری تفصیل یہاں دیکھیں۔ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی، عرض کیا نہیں، حضور اسی وقت دست بدعا ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی حالت میں تھا آفتاب کو وہاں بھیج دے تاکہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے، اس وقت غمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا، اور اس کی شعاں میں رہیں وہ پہاڑوں پر پڑیں (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۴۳۳، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی)

(۳) شرح صحیح مسلم، سورۃ النور، ص ۸۵/۲

(۳) ... تیسرا واقعہ شب معراج سے واپسی کا ہے، معراج سے واپس ہونے کے بعد جہاں آپ ﷺ نے اور بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، وہیں یہ بھی فرمایا کہ میں نے فلاں قافلہ فلاں جگہ پر دیکھا تھا، اور وہ سورج نکلنے تک مکہ مکرمہ پہنچ جائے گا، جب قافلے کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی، تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! ابھی سورج نہ نکلے، جب قافلہ پہنچ جائے، تب طلوع ہو، اللہ پاک نے آپ ﷺ دعا قبول فرمائی، اور پھر ایسا ہی ہوا، ان تین مواقع پر آپ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا۔<sup>(۱)</sup>

### حبسِ شمس کی حقیقت

سورج کے ٹھہرنے یا رُک جانے کی اصل حقیقت کیا ہے؟ شارحین فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ یہ اپنی منزلوں میں واپس چلا گیا، جیسے چاند کی منزلیں ہیں، سورج کی بھی منزلیں ہیں، وہ صبح سے شام تک اپنی منزلیں طے کرتا ہوا آگے جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ سورج ٹھہر جائے، تو وہ اپنی منزلوں پر واپس آ گیا۔

(۲) ... حبسِ شمس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ سورج اپنی منزلوں میں واپس نہیں آیا، بلکہ جس منزل پر تھا، حکم آنے کے بعد اُسی منزل پر ٹھہر گیا، نہ آگے کی منزل کی طرف بڑھا، اور نہ ہی پیچھے کی منزل کی طرف واپس آیا۔

(۳) ... حبسِ شمس کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہونے کے بعد سورج نے اپنی رفتار آہستہ کر لی، یعنی اپنی معمول کی رفتار سے کم رفتار میں چلنے لگا۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: فقال: فيكم الغلول..... الخ (ص ۸۵ سطر ۱۲)

اس باب میں ایک بات یہ بیان فرمائی کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے، پھپھلی آفتوں کے لئے بھی یہ بات حرام تھی، اور اس آخری آیت کے لئے بھی حرام ہے، البتہ مالِ غنیمت میں سے خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے الگ کر کے باقی چار حصے مجاہدین کیلئے حلال کئے گئے ہیں، لیکن مال

(۱) شرح صحیح مسلم سرور ۲/۸۵۔

(۲) شرح صحیح مسلم للورثی۔ بحوالہ بالاد الیاح علی صحیح مسلم للبیوطی ۳/۲۲۸ تحت حدیث الباب

غنیمت میں سے حاکم کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لیکر اپنے لئے خاص کر لینا، یہ مال غنیمت میں خیانت ہے، جو کہ حرام و ناجائز ہے، البتہ دوران جہاد کھانے پینے کی چیزیں استعمال کرنا جائز ہے، جسکی تفصیل آگے آرہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۲)

## باب الأنفال

(مال غنیمت کے احکام)

خَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ سِمَاكِ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَخَذَ أَبِي مِنَ الْخُمْسِ سَيْفًا، فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَبْ لِي هَذَا، فَأَبَى، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ". (ص ۸۵ سطر ۱۲ تا ۱۶)

## تشریح

اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے "خمس" میں سے ایک تلواریں لی، یہاں "خمس" سے مراد مطلق مال غنیمت ہے، ان کے والد نے سعید بن عاص نامی شخص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی، اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: "ہب لی ہذا" حضور! یہ تلوار مجھے عطا فرمادیجئے،

قولہ: "فأبى" (ص ۸۵ سطر ۱۵)

آپ ﷺ نے عطا فرمانے سے انکار فرمادیا، آپ ﷺ کے منع فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک آپ ﷺ کو مال غنیمت کے بارے میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا، پھر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ. (الأنفال: ۱)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کو مال غنیمت میں تصرف کرنے کا اختیار مل گیا، چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے مصعب بن سعد کے والد حضرت سعد کو بلایا، اور ان سے فرمایا: جب تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی، وہ نہ میری تھی، اور نہ تمہاری تھی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب وہ تلوار میری ہوگئی، لہذا میں تم



کو دیتا ہوں۔<sup>(۱)</sup>

خَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى (الی قوله) مُصْعَبُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ نَزَلَتْ فِي أَرْبَعِ آيَاتٍ أَصَبْتُ سَيْفًا، فَأَتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَقِّلْنِيهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَقِّلْنِيهِ فَقَالَ: ضَعُهُ، فَقَامَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نَقِّلْنِيهِ، أَوْ جَعَلُ كَمَنْ لَا غَنَاءَ لَهُ؟ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ضَعُهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ، قَالَ: فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ". (ص ۸۵ سطر ۱۶ ص ۸۶ سطر ۱)

### تشریح

#### حضرت سعدؓ کی سعادت

یہ اس باب کی دوسری حدیث ہے، اس میں حضرت مصعب بن سعد کے والد حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں قرآن مجید میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، یعنی میں چار آیتوں کے نازل ہونے کا ذریعہ بنا ہوں، ان میں سے ایک آیت کا ذکر اس حدیث میں ہے، باقی تین آیات اسکے علاوہ ہیں:

جن میں سے ایک آیت وہ ہے، جس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا<sup>(۲)</sup>

دوسری آیت وہ ہے، جس میں حرمِ خمر کا ذکر ہے: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ

وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ<sup>(۳)</sup>

تیسری آیت: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ

وَجْهَهُ،<sup>(۴)</sup>

یہ چار آیات ہیں، جن کے نزول کا ذریعہ حضرت مصعب بن سعد کے والد بنے ہیں، جو ان

کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔

(۱) شرح صحیح مسلم سورۃ ۸۵/۲ و سریابی دلائل و کتاب الجہاد باب فی النعل رقم الحدیث ۲۳۶۱۔

(۲) سورۃ العنکبوت ۸

(۳) سورۃ المائدہ ۹۰

(۴) سورۃ الاحقاف ۵۴

قوله: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ.... الخ (ص ۸۶ سطر ۱)

یہاں پر دو باتیں سمجھنے کی ہیں: ایک تو یہ کہ اس آیت میں ”انفال“ سے کیا مراد ہے؟ اور دوسری

یہ کہ ”انفال“ کہاں سے ادا کیا جائے گا؟

### ”انفال“ کے معنی، اور پانچ اقوال

”انفال“، نفل کی جمع ہے، بعض حضرات نفل (بفتح الفاء) فرماتے ہیں، اور بعض نفل (بسکون

الفاء) فرماتے ہیں،<sup>(۱)</sup> ”انفال“ کی تفسیر کے سلسلے میں حضرات مفسرین کے پانچ<sup>(۲)</sup> اقوال ہیں:

#### (۱) ... پہلا قول

پہلا قول یہ ہے کہ ”انفال“ سے مراد مطلق مال غنیمت ہے، اس صورت میں آیت:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ<sup>(۳)</sup> (الایۃ)

کی رو سے سارا مال غنیمت حضور ﷺ کے لئے ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر تعظیماً و تکریماً ہے،

اصل ملکیت حضور ﷺ کی ہونا مقصود ہے، اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہوگی، اور اس کے لئے

دوسری آیت

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ<sup>(۴)</sup>

ناسخ ہوگی، کہ مال غنیمت کا خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہے، باقی چار حصے مجاہدین کے

لئے ہیں۔

#### (۲) ... دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ ”انفال“ سے مراد مال غنیمت کا خمس ہے، اس صورت میں یہ آیت محکم

ہوگی، کیونکہ پھر ”انفال“ کے معنی وہی ہونگے جو ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ....“ (الایۃ) میں بیان

کئے گئے ہیں، گویا ”انفال“ اور ”خمس“ دونوں ایک ہی ہوں گے۔

(۱) البہار فی عربیۃ القرآن ج ۲ ص ۲۰۹

(۲) کتبہ فتح المہم ۳ ص ۴۵

(۳) سورہ انفال ۱

(۴) سورہ انفال ۲۱

## (۳) ... تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ ”انفال“ سے مراد ”مالِ فِی“ ہے، اور ”مالِ فِی“ اس مال کو کہتے ہیں، جو جہاد میں دشمن سے لڑے بغیر حاصل ہو۔

## ”مالِ غنیمت“ اور ”مالِ فِی“ میں فرق

جہاد میں دشمن سے لڑنے کے بعد جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ مالِ غنیمت ہے، اور جو مال بغیر لڑے حاصل ہو جائے، جیسا کہ وہ مال جو بطور صلح کے مل جائے، یا کا فر لڑائی کے بغیر چھوڑ کر بھاگ جائیں، اسے ”مالِ فِی“ کہتے ہیں، ”مالِ فِی“ میں حضور ﷺ کو تصرف پورا اختیار حاصل ہے، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نائبین کو یہ اختیار حاصل ہے، اس میں مجاہدین کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں ان کی محنت شامل نہیں ہوئی، اور نہ ہی ان کو لڑائی کی نوبت آئی، لہذا وہ مال حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے نائبین کے تصرف و اختیار میں ہوگا، عام طور پر ”مالِ فِی“ بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے، اور وہاں سے علمائے المسلمین کے مفید کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## (۴) ... چوتھا قول

چوتھا قول یہ ہے کہ ”انفال“ سے وہ مال مراد ہے، جس کو لشکر کا امیر بطور انعام کسی مجاہد کو دے، جیسے امیر یہ اعلان کر دے کہ ”من قتل قتیلا فله سلبہ“ جو آدمی جس کو قتل کرے گا، اس مقتول کا سامان اسی مجاہد کو ملے گا، یعنی اس مقتول کا گھوڑا، اس کی سواری، سواری پر موجود ساز و سامان، ہتھیار، اسی طرح مقتول کے جسم پر موجود ساز و سامان اور کپڑے وغیرہ۔

## ”من قتل قتیلا فله سلبہ“ کے بارے میں حنفیہ کا مسلک

اگر امیر لشکر نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے پہلے مذکورہ بالا اعلان کیا، تو مالِ غنیمت جمع کرنے کے بعد سب سے پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے گا، اس کے بعد باقی چار حصوں کی مجاہدین میں تقسیم سے پہلے اس اعلان پر عمل کیا جائے گا، اور پھر باقی بچ جانے والا مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر امیر نے مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد اس کا اعلان کیا، تو پھر یہ ”نفل“ خمس میں سے ادا کیا جائے گا، باقی چار حصوں میں سے نہیں، کیونکہ مالِ غنیمت جمع ہونے کے بعد ان چار حصوں میں

مجاہدین کا حق ثابت اور وابستہ ہو چکا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### (۵) ... پانچواں قول

پانچواں قول یہ ہے کہ ”انفال“ سے مراد ”انفال السرایا“ ہے، ”سرایا“ ”سریۃ“ کی جمع ہے، اس تشریح پہلے گزر چکی ہے کہ ”سریۃ“ اس چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم چار سو فوجی ہوں۔<sup>(۲)</sup>

### ”انفال السرایا“ کی تشریح

اس کی تشریح یہ ہے کہ لشکر کے امیر نے کسی چھوٹے فوجی دستے کو دشمن پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا، اور ان کا ایک امیر بھی مقرر کر دیا، اس ”سریۃ“ کو فتح ہو گئی، اور مال غنیمت حاصل ہوا، امیر لشکر نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم کو فتح حاصل ہو گئی، اور مال غنیمت مل گیا، تو خمس نکالنے کے بعد ایک چوتھائی حصہ تمہیں دیا جائے گا، اور باقی عام مال غنیمت میں شامل کیا جائے گا۔

یا یہ اعلان کیا کہ تمہیں حاصل ہونے والے کل مال میں سے پہلے ایک چوتھائی تمہیں دیا جائے گا، اور پھر باقی مال میں سے خمس نکال کر بقیہ مال عام مال غنیمت میں جمع کر دیا جائے گا، اس کو کہتے ہیں ”انفال السرایا“ اس کی تفصیل آگے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آرہی ہے۔

### ”نفل“ کہاں سے دیا جائے گا؟

دوسری بات یہ کہ ”نفل“ کہاں سے دیا جائے گا؟ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کے اس بارے میں تین قول ہیں:

- (۱) ... پہلا قول یہ ہے کہ مطلق مال غنیمت سے ادا کیا جائے گا۔
- (۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ چار حصہ پانچ میں سے ادا کیا جائے گا، یعنی خمس نکالنے کے بعد جو چار حصے باقی بچیں گے، ان میں سے دیا جائے گا۔

- (۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ خمس کے خمس سے ادا کیا جائے گا، یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے، اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، پھر ان میں سے

(۱) فتح البدر کتبہ المیر فصل فی النفل ۲۸/۱۳۔

(۲) شرح سنن ابی داؤد ۸۲۲۔

ایک حصے سے ”نفل“ ادا کیا جائے گا، یہ تیسرا قول ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور رائج ہے۔<sup>(۱)</sup>  
حنفیہ کے نزدیک تفصیل وہی ہے، جو ابھی گزری کہ اگر امیر لشکر نے مال غنیمت جمع کرنے سے پہلے ”نفل“ دینے کا اعلان کیا، تو مال غنیمت جمع کرنے کے بعد سب سے پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے گا، اس کے بعد باقی چار حصوں کی مجاہدین میں تقسیم سے پہلے اس اعلان پر عمل کیا جائے گا، اور پھر باقی بچ جانے والا مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

اور اگر امیر نے مال غنیمت جمع ہونے کے بعد اس کا اعلان کیا، تو پھر یہ ”نفل“ خمس میں سے ہی دیا جائے گا، باقی چار حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا، کیونکہ مال غنیمت جمع ہونے کے بعد ان چار حصوں میں مجاہدین کا حق ثابت اور وابستہ ہو چکا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَأَنَا فِيهِمْ قَبْلَ نَجْدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سُهُمَانُهُمْ اثْنَا عَشَرَ بَعِيرًا، أَوْ أَحَدُ عَشَرَ بَعِيرًا، وَنَقَلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا. (ص ۸۶ مطر ۱۳۱)

### تشریح

اس باب میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بار بار آئی ہے، اس میں مال غنیمت میں سے ان کو گیارہ گیارہ، یا بارہ بارہ اونٹ ملے، اور بطور ”نفل“ کے ایک ایک اونٹ ملا، اور یہ ”نفل السریۃ“ تھا، یعنی ایک ایک اونٹ بطور ”نفل“ ملا، ان کے ”سریۃ“ میں شرکت کرنے کی وجہ سے تھا، یعنی بڑے لشکر سے چند افراد کو ایک چھوٹے سے دستے کی شکل میں ”مقام نجد“ کی طرف روانہ کیا، وہاں ان کو فتح نصیب ہوئی، اور اس کے نتیجے میں بہت سے اونٹ مال غنیمت میں آئے، امیر لشکر کے اعلان کے مطابق ایک ایک اونٹ ان کو بطور ”نفل“ کے دیا، اور پھر باقی اونٹ اجتماعی مال غنیمت میں شامل کئے گئے، پھر وہاں سے ہر ایک مجاہد کو گیارہ گیارہ، یا بارہ بارہ اونٹ ملے، اس طرح سے ان کے پاس اگر بارہ تھے، تو تیرہ ہو گئے، اور اگر گیارہ تھے، تو بارہ ہو گئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ (الِی قَوْلِهِ) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى نَجْدٍ، فَخَرَجْتُ فِيهَا، فَأَصْبْنَا

إِبِلًا وَغَنَمًا، فَبَلَغْتُ سُهْمَانًا اثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا، اثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا، وَنَقَلْنَا  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا بَعِيرًا. (ص ۸۶ سطر ۵ تا ۷)

### تشریح

قوله: نقلنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعيرا بعيرا (ص ۸۶ سطر ۶، ۷)

### اشکال

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ پہلی حدیث میں ”نقلوا“ کا لفظ آیا، جس سے ظاہری طور پر پتہ چلتا ہے کہ امیر لشکر نے ان کے لئے بطور ”نفل“ ایک ایک اونٹ مقرر کیا، اور آگے حدیث میں ”نقلنا رسول اللہ ﷺ“ کا لفظ آیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو بطور ”نفل“ ایک ایک اونٹ عطا فرمایا تھا، ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ جب امیر لشکر نے مجاہدین کے لئے ایک ایک اونٹ بطور ”نفل“ مقرر کر دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو باقی رکھا، اور اس کو تبدیل نہیں فرمایا، چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ ”فلم يغيره رسول الله ﷺ“ جب آپ ﷺ نے امیر لشکر کے فعل کی تصدیق کر دی، تو گویا یہ آپ ﷺ ہی کا حکم ہو گیا، لہذا ”نفل“ کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہو گیا۔ (۱) اور مذکورہ اشکال باقی نہ رہا۔

حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: نَقَلْنَا رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقْلًا سِوَى نَصِييْنَا مِنَ الْخُمْسِ، فَأَصَابَنِي  
شَارِفٌ، وَالشَّارِفُ: الْمُسْنُ الْكَبِيرُ. (ص ۸۶ سطر ۱۰ تا ۱۱)

### تشریح

قوله: والشارف: المسن الكبير (ص ۸۶ سطر ۱۱)

شارف، بڑی عمر کی بوڑھی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ بْنُ اللَّيْثِ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ يُنْقَلُ بَعْضُ مَنْ يَبْعَثُ مِنْ



السَّرَايَا، لِأَنفُسِهِمْ خَاصَّةً، سِوَى قَسَمِ عَامَّةِ الْجَيْشِ، وَالْخُمْسُ فِي ذَلِكَ وَاجِبٌ كُلُّهُ. (ص ۸۶ سطر ۱۳ تا ۱۵)

### تشریح

قوله: والخمس في ذلك واجب كله. (ص ۸۶ سطر ۱۳، ۱۵)

اس میں ”كله“ تاکید ہے، ”في ذلك“ کی، اس لئے مجرور ہے<sup>(۱)</sup>، مطلب اس کا یہ ہے کہ خمس، پورے مال غنیمت میں واجب ہوتا ہے، (جبکہ امیر لشکر نے مال غنیمت جمع ہونے سے پہلے ”نفل“ کا اعلان نہ کیا ہو، اگر مال غنیمت کے جمع ہونے سے پہلے امیر لشکر نے ”نفل“ کا اعلان کیا تھا، تو پھر پہلے ”نفل“ کی ادائیگی ہوگی، اس کے بعد بچ جانے والے مال سے خمس نکالا جائے گا۔)

(۱۳)

### باب استحقاق القاتل سلب القتل

(قاتل کا مقتول کے سامان کے مستحق ہونے کے احکام)

من قتل قتيلًا... الخ کا ارشاد بطور حق شرع ہے، یا بطور انعام؟

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ جو احادیث طیبہ بیان فرما رہے ہیں، ان سے یہ ثابت فرمائیں گے کہ ”من قتل قتيلًا فله سلبه“ کا حقدار کون ہے؟ یعنی اگر کسی امیر لشکر نے ”من قتل قتيلًا فله سلبه“ کا اعلان کر دیا، تو اتنی بات تو طے ہے کہ مقتول کا ساز و سامان قاتل کو ملے گا، لیکن اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقتول کا ساز و سامان قاتل کو ملنا، بطور انعام کے ہے، یا بطور استحقاق شرع کے ہے، اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام ثور اور حضرت امام ابواسحاق وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بطور استحقاق شرع کے ملے گا، یعنی قاتل، مقتول کے ساز و سامان (سلب) کا شرعاً حقدار ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اس کا حقدار ہوگا، خواہ امیر لشکر نے اس کا اعلان بھی نہ کیا ہو۔

اور ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ قاتل کو مقتول کا سلب بطور انعام کے ملے گا، بطور حق شرع کے نہیں ملے گا، لہذا اس کا

اعلان ہوگا تو ملے گا، اور اعلان نہ ہونے کی صورت میں نہ ملے گا۔

### اختلاف کی وجہ

ان دونوں جماعت اکابرین کا اختلاف حضور ﷺ کی مختلف شانوں کی وجہ سے ہے، آپ ﷺ کی ذات اقدس میں تین شانیں جمع ہیں:

(۱) ... آپ ﷺ اللہ کے رسول بھی ہیں۔

(۲) ... آپ ﷺ مسلمانوں کے مفتی بھی ہیں۔

(۳) ... آپ ﷺ امام المسلمین، امیر لشکر اور امیر مملکت بھی ہیں۔

اس کے بعد سمجھیں کہ بعض باتیں آپ ﷺ بطور امام المسلمین ہونے کے بیان فرماتے ہیں۔ اور بعض باتیں بطور مفتی ہونے کے بیان فرماتے ہیں۔ اور بعض باتیں بطور رسول اور پیغمبر ہونے کے بیان فرماتے ہیں، اب ”من قتل قتیلاً فله سلبہ“ کا جملہ ان تین شانوں میں سے کس میں داخل ہے؟

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بحیثیت رسول کے ہے، اور بحیثیت رسول کے جو کچھ بھی آپ ﷺ فرمائیں گے، وہ شریعت ہوگی، لہذا مقتول کے سلب کا قاتل کے لئے ہونا قاتل کا حق شرعی ہوگا، لہذا قیامت تک یہی حکم رہے گا۔

اور ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ”من قتل قتیلاً فله سلبہ“ فرمانا بحیثیت امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیت رسول اور پیغمبر کے، لہذا قاتل کے لئے مقتول کا سلب بطور انعام کے ہوگا، قاتل کا اس پر کوئی شرعی حق نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

### حنفیہ کے تین دلائل

حنفیہ اس سلسلے میں تین دلیلیں دیتے ہیں:

#### پہلی دلیل

آپ ﷺ کا ”من قتل قتیلاً فله سلبہ“ فرمانا، بحیثیت امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیت رسول اور پیغمبر ہونے کے۔ جس میں سے پہلی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن شقیقؒ سے

مروی ہے، جو ”عن رجل من بلقین“ کہہ کر روایت فرماتے ہیں کہ میں وادی قرئی میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ حضور! ”لمن المغنم؟“ مالِ غنیمت کس کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس میں کسی اور کا بھی کوئی حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، چاہے تم اپنے برابر سے تیر بھی اٹھاؤ، تب بھی اس میں تمہارے دوسرے بھائیوں کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کہ تمہارا حق ہے۔<sup>(۱)</sup>

اگر آپ ﷺ کا قول ”من قتل قتيلا فله سلبہ“ کے تحت مقتول کا سلب شرعی حق ہوتا، تو آپ ﷺ وضاحت فرما دیتے کہ جس طرح چار حصے مجاہدین کا حق ہیں، اسی طرح سلب بھی مجاہدین کا حق ہے، لیکن آپ ﷺ نے سوال کرنے کے باوجود اس کو بیان نہیں فرمایا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ”من قتل قتيلا فله سلبہ“ کے تحت ملنے والا سلب شرعی حق نہیں ہے۔

### دوسری دلیل

دوسری دلیل حضرت عوف بن مالک کی حدیث ہے، جو آگے آرہی ہے، اس حدیث میں ہے کہ ایک مجاہد نے قوم حمیر کے ایک کافر کو قتل کیا، اس کافر کا سامان نہایت قیمتی اور بہت زیادہ تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ امیر لشکر تھے، انہوں نے مقتول کا ”سلب“ قاتل کو دینے سے انکار کیا، حضرت مالک بن عوفؓ نے جب اعتراض کیا کہ آپ کیوں نہیں دے رہے؟ جبکہ ”من قتل قتيلا فله سلبہ“ کے تحت مجھے اس کے لینے کا حق ہے، تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا کہ یہ بہت زیادہ ہے، اس لئے غنیمت میں شامل ہوگا۔

آخر کار معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے صورتحال معلوم کرنے کے بعد وہ سلب حضرت خالد بن ولیدؓ سے لیکر اس حمیری مجاہد کو دلوادیا، جب ان مجاہد کو اتنا سارا مال مل گیا، اور وہ اسے لیکر حضرت خالد بن ولیدؓ کے قریب سے گزرے، تو انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیے، جن کا حضور ﷺ کو علم ہو گیا، آپ ﷺ نے حضرت خالد بن

(۱) مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۳۳، رقم الحديث ۱۳۳، مسند ابی یعلیٰ الموصلی، حلیہ رجل من بلقین، رقم الحديث ۱۳۳۔

ولید کو حکم دیا کہ اس سے ”سلب“ واپس لے لو، کہ اچھا اچھا ان کا اور خراب خراب ہمارا۔  
دیکھئے! اگر یہ حق شرع ہوتا، تو آپ ﷺ نہ واپس لیتے، اور نہ واپس دلواتے، معلوم ہوا کہ یہ بطور انعام کے تھا، اور بطور انعام کے دی ہوئی چیز واپس لی جاسکتی ہے۔

### تیسری دلیل

تیسری دلیل بھی وہ حدیث ہے جو عنقریب اسی باب میں آرہی ہے کہ غزوہ بدر میں ابو جہل کو حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں نے قتل کیا، ایک روایت کے مطابق دونوں کا نام معاذ تھا، اور دوسری روایت کے مطابق ایک کا نام معوذ، اور دوسرے کا نام معاذ تھا، لیکن آپ ﷺ نے ابو جہل کا ”سلب“ معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا، دوسرے بھائی کو نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود جنگ ختم ہونے کے بعد حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب ابو جہل کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، تو دیکھا کہ وہ زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے، اور مرنے کے قریب ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا، تو آپ ﷺ نے ابو جہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے فرمائی، حالانکہ وہ تو قتل میں شریک ہی نہیں تھے، معلوم ہوا کہ مقتول کے ”سلب“ کا قاتل کو ملنا بطور انعام کے ہے، حاکم اپنی صوابدید سے قاتل کے علاوہ کسی اور کو بھی دے سکتا ہے۔

اور ایک دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ (۱)

اگر ان احادیث سے یہ ثابت ہو کہ ”من قتل قتيلا فله سلبه“ کے تحت مقتول کے ”سلب“ کا قاتل کو ملنا، بطور حق شرع کے ہے، تو اس طرح اخباراً آحاد سے آیت مذکورہ بالا میں کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی لازم آئے گی، جو کہ جائز نہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ”من قتل قتيلا فله سلبه“ یہ بحیثیت امام المسلمین کے ہے، نہ کہ بحیثیت شارع کے، لہذا جب امیر کی طرف سے اعلان ہوگا، تو قاتل کو مقتول کا ”سلب“ ملے گا، اعلان نہیں ہوگا، تو نہیں ملے گا۔

خَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ، فَلَمَّا التَّقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَاسْتَدْرْتُ إِلَيْهِ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ، فَضَرَبْتُهُ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ، وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَنِي ضِمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ، ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، فَأُرْسَلَنِي، فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَقُلْتُ: أَمْرُ اللَّهِ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلْبُهُ، قَالَ: فَقُمْتُ، فَقُلْتُ: مَنْ يَشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ، ثُمَّ قَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، فَقَالَ: فَقُمْتُ، فَقُلْتُ: مَنْ يَشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ، ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ الثَّالِثَةَ، فَقُمْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكُمْ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، سَلَبُ ذَلِكَ الْقَتِيلِ عِنْدِي، فَأَرْضِيهِ مِنْ حَقِّهِ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: لَا هَا لِلَّهِ، إِذَا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أَسَدِ اللَّهِ، يُقَاتِلُ عَنِ اللَّهِ وَعَنْ رَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَلْبَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ، فَأَعْطِيهِ إِيَّاهُ، فَأَعْطَانِي، قَالَ: فَبِعْتُ الدَّرْعَ، فَأَبْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا لِي بَنِي سَلِمْةَ، فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأْتَلَّتُهُ فِي الْإِسْلَامِ، وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: كَثَلًا لَا يُعْطِيهِ، أَصْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدْعُ أَسَدًا مِنْ أَسَدِ اللَّهِ. (ص ۸۶ سطر ۱ تا ص ۸۷ سطر ۶)

### تشریح

قولہ: کانت للمسلمین جولة. (ص ۸۶ سطر ۱۹)

”جولة“ چلنے کی اس حالت کو کہتے ہیں کہ جس میں آدمی کبھی دائیں کبھی بائیں ہو کر چلے، اس سے مراد شکست و ہزیمت ہے، لیکن یاد رکھیے! غزوہ حنین میں شکست و ہزیمت پورے لشکر اسلام کو نہیں ہوئی تھی (۱)، مکہ مکرمہ سے دو ہزار کے قریب نو مسلم بھی اس جنگ میں شریک تھے، جنہوں نے ابھی تک کسی اسلامی

جہاد میں شرکت نہیں کی تھی، اور لڑائی کے فن اور حضور ﷺ کی جہاد کے بارے میں بیشتر تعلیمات سے بے خبر تھے، جبکہ مسلمانوں کے مقابلے میں ”قوم ہوازن“ بڑی جنگجو اور مستحکم قوم تھی، جس کو تیر اندازی اور دیگر فنون حرب میں خاصی مہارت تھی، لہذا جب دشمن نے تیروں کی بارش کی، تو انکے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرام اپنی جگہ سے نہیں ہلے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس جزوی شکست کو فتح میں تبدیل فرمادیا۔

### حضرت ابوقنادہؓ کا واقعہ

قولہ: فرأيت رجلا من المشركين قد علا رجلا من المسلمين الخ

(ص ۸۶ سطر ۱۹)

حضرت ابوقنادہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مشرک کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے لئے اس پر چڑھا ہوا ہے، تو میں پیچھے سے اس کے طرف گھوما، اور اس کے کندھے کے پٹھے پر تلوار ماری ”جبل“ رسی کو کہتے ہیں، اور ”عائق“ کندھے کو کہتے ہیں ”جبل عائقہ“ سے مراد کندھے کا پٹھا ہے۔ (۱)

قولہ: ”واقبل على فضمنى ضمة وجدت منها ریح الموت“

(ص ۸۷ سطر ۱)

فرماتے ہیں کہ وہ مشرک اس مسلمان کو چھوڑ کر میری طرف آیا، اور اس نے مجھے اتنی زور سے بھینچا کہ جس سے مجھے موت اپنے سامنے محسوس ہوئی، لیکن اتنے میں وہ مر گیا، اور میری جان چھوٹ گئی، حضرت ابوقنادہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کہ لوگوں کو کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ اللہ کا حکم ایسے ہی تھا۔

قولہ: وجلس رسول الله ﷺ، فقال: من قتل قتيلا، له عليه بيّنة، فله

سلبه. (ص ۸۷ سطر ۲)

حضرت ابوقنادہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کافر کو قتل کیا، اور اس کے پاس اس قتل کے گواہ بھی ہیں، تو مقتول کا ”سلب“ اس کے لئے ہے، چونکہ حضرت ابوقنادہؓ نے اس کافر کو قتل کیا تھا، لہذا آپ نے تین مرتبہ لوگوں سے پوچھا: من يشهد لي؟ میں نے فلاں کو قتل کیا، اس



پر میرا گواہ کون ہے؟ لیکن لوگوں کی طرف سے کوئی بھی ان کی گواہی کے لئے نہیں آیا، یہ صورتحال دیکھ کر آپ ﷺ نے حضرت ابوقنادہؓ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوقنادہ! تمہارا کیا معاملہ ہے؟ جس پر ابوقنادہؓ نے سارا معاملہ حضور ﷺ سے بیان فرمادیا۔

قوله: فقال رجل من القوم (ص ۸۷ سطر ۴)

”رجل من القوم“ سے مراد ”عبد اللہ بن انیس“ ہیں، یا ”اسود بن خزاعی“ ہیں، بہر حال دونوں قول ہیں<sup>(۱)</sup>، ان دونوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابوقنادہؓ سچ کہتے ہیں، انہوں نے فلاں مشرک کو قتل کیا، اور اس مشرک کا ”سلب“ میرے پاس ہے، لیکن آپ ﷺ ان کو ان کے حق سے راضی فرمادیتے، اور یہ ”سلب“ میرے پاس رہنے دیتے۔

قوله: وقال ابو بكر الصديق: لا ما الله إذا. (ص ۸۷ سطر ۴)

ان کی یہ بات سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ ﷺ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت میں لڑنے والے بہادروں میں سے کسی بہادر کا ”انعام“ کسی اور کو دینے کا ارادہ نہیں فرمائینگے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر نے سچا کہا، اور پھر آپ نے وہ ”سلب“ ابوقنادہؓ کو دے دیا۔

قوله: فبعت الدرع الخ (ص ۸۷ سطر ۵)

حضرت ابوقنادہؓ کی برادری بنو سلمہ تھی<sup>(۲)</sup> ”سلب“ میں ملنے والی ایک ذرع بیچ کر انہوں نے اپنی برادری میں ایک باغ خریدا، مخروف (بفتح الميم والراء) باغ کو کہتے ہیں،<sup>(۳)</sup> اندازہ لگائیے کہ وہ ذرع کس قدر قیمتی تھی! فرماتے ہیں: ”فانه لأول مال تائلته في الاسلام“ کہ اسلام لانے کے بعد وہ میرا سب سے پہلا باغ تھا۔

(۱) بحسنہ فتح السهم ج ۳ ص ۵۹

(۲) حضرت ابوقنادہؓ بنو سلمہ تھے اور عمر بن خطابؓ رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ آپ کا نام حارث تھا اور کئی حضرات نے فرمایا کہ آپ کا نام نعمان تھا۔ اس سے مدد وہ بھی آپ کے کئی نام ذکر کئے گئے ہیں، آپ کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ”خود“ (بہتریں شہسور) کا لقب عطا فرمایا، آپ کی وفات ملازمہ و القدری کے مطابق (۷۲) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حرید حارث نے اسے مدح خط فرمایا لا صبرہ فی معرفة الصحابة، حرف العطف، القسم الاول ۲/۳۸۵، ۳۸۶۔

(۳) مدیح علی صحیح مسند البیہقی ۴/۳۵۳ تحت حدیث ثیاب۔ والفاظ فی عریب الحدیث والترمذی ”الانعام مع طرائف“ ۱/۱۶۱

قوله: وفي حديث الليث: فقال ابوبكر: كلا لا يعطيه أصيبغ من قریش

(ص ۸۷ سطر ۵)

”اصیبغ“ یہ ”ضبع“ کی خلاف قیاس تصغیر ہے<sup>(۱)</sup>، اور ”ضبع“ کا معنی ہے: لومڑی، حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مقتول کا ”سلب“ قریش کی ایک چھوٹی سی لومڑی کو دیں، اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم کر دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ”اصیبغ“ سے ہے، یہ ”صبغة“ کی تصغیر ہے، اور ”صبغة“ کے دو معنی آتے ہیں: ایک معنی پرندہ، اور دوسرے معنی کمزور گھاس<sup>(۲)</sup>، مطلب یہ ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سلب مقتول ایک پرندے کی طرح کمزور، اور خشک گھاس کی طرح ضعیف آدمی کو دے دیا جائے، اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم رکھا جائے، لہذا جس نے بہادری کے ساتھ اس مشرک کو قتل کیا ہے، اس کا سلب اسی کو ملنا چاہئے۔

حضرت معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما کا ابو جہل کو قتل کرنے کا واقعہ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ، نَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي، فَإِذَا أَنَا بَيْنَ غُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثَةِ أَسنَانُهُمَا، (الی قوله) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا، قَالَ: فَتَعَجَّبْتُ لِذَلِكَ، فَعَمَزَنِي الْآخَرُ، فَقَالَ: مِثْلَهَا، قَالَ: فَلَمْ أَتَسَبَّ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَزُولُ فِي النَّاسِ، فَقُلْتُ: أَلَا تَرَيَانِ؟ هَذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي تَسْأَلَانِ عَنْهُ، قَالَ: فَأَبْتَدَرَاهُ فَضَرْبَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا حَتَّى قَتَلَاهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَاهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا: أَنَا قَتَلْتُ، فَقَالَ: هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟ قَالَا: لَا، فَنَظَرُ فِي السَّيْفَيْنِ، فَقَالَ: كِلَاكُمَا قَتَلَهُ، وَقَضَى بِسَلْبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْجُمُوحِ، وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ الْجُمُوحِ، وَمُعَاذُ بْنُ

(۱) ترمذی صحیح مسلم ص ۳۵۴/۳ تحت حدیث الباب .

(۲) اسبابہ فی غریبہ لاثر مادة ”صبغ“ باب الصاد مع الباء ۱۰/۳۰

عَفْرَاءَ. (ص ۸۷ سطر ۶ الی ص ۸۸ سطر ۳)

### تشریح

قوله: لا يفارق سوادى سواده الخ (ص ۸۷ سطر ۱۰)

”سوادى سواده“ کے معنی ہیں: شخصی شخصہ<sup>(۱)</sup>، ان دونوں لڑکوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے ابو جہل کو ایک جگہ دیکھ کر ان دونوں کو بتایا۔

قوله: فابتدراہ (ص ۸۸ سطر ۱)

یہ دونوں اسکی طرف لپکے، اور جاتے ہی اپنی تلواروں سے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کس نے ابو جہل کو قتل کیا؟ ہر ایک نے کہا کہ اس نے قتل کیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”هل مسحتما سيفكما“ کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لیں؟، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: ”كلاكما قتله“ تم دونوں نے قتل کیا، آپ ﷺ کا یہ فرمانا ان کی دلجوئی کے لئے تھا، ورنہ ان دونوں میں سے اصل قاتل حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے ابو جہل کا ”سلب“ ان کو دلویا۔<sup>(۲)</sup>

قوله: والرجلان معاذ بن عمرو بن الجموح، ومعاذ بن عفرأ.

(ص ۸۸ سطر ۲، ۳)

غزوہ بدر میں ابو جہل کو قتل کرنے والے دو لڑکوں میں سے ایک کا نام ”معاذ بن عمرو بن جموح<sup>(۳)</sup>“ اور دوسرے کا نام ”معاذ بن عفرأ<sup>(۴)</sup>“ تھا، دراصل حضرت عفرأ رضی اللہ تعالیٰ

(۱) شرح البیہقی عمی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸

(۲) شرح البیہقی عمی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸

(۳) حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں، بیعت عقبہ میں شامل تھے اور غزوہ بدر اور غزوہ احد میں بھی شریک تھے، ان کے دو بھائی تھے، ایک عفرأ بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی غزوہ احد میں شریک تھے اور اسی غزوہ میں ان کی شہادت ہوئی، البتہ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا (مأخذہ الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ۱/۳۳۲)

(۴) حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انصاری صحابی ہیں یہ حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، ان دونوں کی مدد کا نام عفرأ بنت حمید بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا، علامہ واقدی نے فرمایا کہ معاذ بن حارث ان حضرات انصار میں سے تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ چاہر سب سے پہلے مدینہ میں مقیم رہے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ (مأخذہ الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ۱/۳۳۲)

عنها<sup>(۱)</sup> نے دو نکاح کیے تھے، ایک نکاح ”حارث“ سے ہوا تھا، ان سے ایک بیٹا معاذ ہے، اور ایک نکاح ”عمرو بن جموح“ سے ہوا، ان سے بھی ان کے ہاں بیٹا ہوا، اس کے نام کے بارے میں دو قول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام بھی ”معاذ“ تھا، بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ اس کا نام ”معوذ“ تھا، تو ابو جہل کے اصل قاتل یہ دوسرے صاحبزادے یعنی ”معاذ بن عمرو بن جموح“ تھے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ سَرِّحٍ، (الِی قولہ) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ جَمِيرِ رَجُلَا مِنَ الْعَدُوِّ، فَأَرَادَ سَلْبَهُ، فَمَنَعَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَكَانَ وَالِيًا عَلَيْهِمْ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ لِيَخَالِدٍ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تُعْطِيَهُ سَلْبَهُ؟ قَالَ: اسْتَكْثَرْتُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: اذْفَعُهُ إِلَيْهِ، فَمَرَّ خَالِدٌ بِعَوْفٍ، فَجَرَّ بِرِدَائِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ أَنْجَزْتُ لَكَ مَا ذَكَرْتُ لَكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْصَبَ، فَقَالَ: لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ. لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ، هَلْ أَنْتُمْ قَارِئُونَ لِي أَمْرًا؟ إِنَّمَا مِثْلُكُمْ وَمِثْلُهُمْ كَمِثْلِ رَجُلٍ اسْتُرِعِيَ إِبِلًا، أَوْ غَنَمًا، فَرَعَاهَا، ثُمَّ تَحَنَّنَ سَقِيَهَا، فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا، فَشَرَعَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَةً، وَتَرَكَتْ كَذْرَةً، فَصَفْوَةٌ لَكُمْ، وَكَذْرَةٌ عَلَيْهِمْ. (ص ۸۸ سطر ۳ تا ۷)

### تشریح

قولہ: فَصَفْوَةٌ لَكُمْ، وَكَذْرَةٌ عَلَيْهِمْ. (ص ۸۸ سطر ۷)

”صفو“ کے معنی ہیں: خالص<sup>(۳)</sup> اور صاف، اور ”کذر“ کے معنی ہیں: خراب اور گدلا،<sup>(۴)</sup>

ما قبل میں حنفیہ کی دلیل کے طور پر اس حدیث کا ذکر ہو گیا ہے۔

(۱) حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ صحابیہ ہیں۔ ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے سات حضرات نے غزوہ بدر میں شہادت کی سعادت حاصل کی، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۱۳ھ میں ہوا۔ (مأخذہ الاصابہ ۵: ۳۰ و المنتظم ۱/۳۸۳)

(۲) عمدہ بخاری کتاب الجہاد باب من لم یجسس لأعداء ۱۶۰، ۳۱۸ و ۳۱۹ و مرقاۃ المفاتیح کتاب الجہاد باب منہ معانہ و معون فہما ۲۲۲، ۱۲

(۳) شرح البوہی عنی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸

(۴) شرح معرۃ مدہ ”کذر“ ج ۱ ص ۳۳۶

## غزوہ موتہ کا واقعہ

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ خَرَجْتُ مَعَ مَنْ خَرَجَ مَعَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِي غَزْوَةِ مُوتَةَ، وَرَافَقَنِي مَذْدِيُّ مِنَ الْيَمَنِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْحَدِيثِ: قَالَ عَوْفٌ: فَقُلْتُ: يَا خَالِدُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالسَّلْبِ لِلْقَاتِلِ، قَالَ: بَلَى، وَلَكِنِّي اسْتَكْثَرْتُهُ. (ص ۸۸ سطر ۷ تا ۱۰)

## تشریح

قولہ: قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ مَنْ خَرَجَ مَعَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِي غَزْوَةِ مُوتَةَ، الخ

(ص ۸۸ سطر ۸ تا ۹)

غزوہ موتہ ۸ھ میں ہوا، اور آپ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو تین ہزار کے لشکر پر امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا، جبکہ مقابلے میں ایک لاکھ دشمن تھے، اس غزوہ میں یکے بعد دیگرے کئی امراء مقرر کیے گئے، حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہو گئے، آخر میں حضرت خالد بن ولیدؓ امیر لشکر مقرر ہوئے، اس غزوہ میں ان کی آٹھ تلواریں ٹوٹیں، اور دشمن کی صفوں کی صفیں آپؐ نے لپیٹ کر رکھ دیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

اردن میں ”موتہ“ کا مقام آج بھی موجود ہے، جہاں الحمد للہ! ایک ”جامعۃ موتہ“ بھی قائم ہے، اور ”غزوہ موتہ“ میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کے مزارت بھی وہاں پر ہیں۔ (۱)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) حَدَّثَنِي أَبِي سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ، فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرٍ، فَأَنَاحَهُ، ثُمَّ انْتَرَعَ طَلْقًا مِنْ حَقَبِهِ، فَقَيَّدَ بِهِ الْجَمَلَ، ثُمَّ تَقَدَّمَ يَتَغَدَّى مَعَ الْقَوْمِ،

وَجَعَلَ يُنْظَرُ وَفِينَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ فِي الظَّهْرِ، وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ، إِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ،  
فَأَتَى جَمَلَهُ، فَأَطْلَقَ قَيْدَهُ ثُمَّ أَنَاخَهُ، وَقَعَدَ عَلَيْهِ، فَأَثَارَهُ فَأَشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ،  
فَاتَّعَهُ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ وَرُقَاءٍ، قَالَ سَلَمَةُ: وَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ فَكُنْتُ عِنْدَ  
وَرَكِبِ النَّاقَةِ، ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ وَرَكِبِ الْجَمَلِ، ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى  
أَحْدَثْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ، فَلَمَّا وَضَعَ رُكْبَتَهُ فِي الْأَرْضِ اخْتَرَطْتُ  
سَيْفِي، فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ، فَنَدَرَ، ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقْوَدُهُ عَلَيْهِ رَحْلُهُ  
وَسِلَاحُهُ، فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ، فَقَالَ:  
مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟ قَالُوا: ابْنُ الْأَكْوَعِ، قَالَ: لَهُ سَلْبُهُ أَجْمَعُ- (ص ۸۸ سطر ۱۰)

تا ص ۸۹ سطر ۲)

## تشریح

قوله: حدثني أبي سلمة بن الأكوع، الخ (ص ۸۸ سطر ۱۱)

حضرت سلمة بن اکوعؓ صحابہ کرامؓ میں سے وہ صحابی ہیں، جو ”دوڑنے کے امام“ تھے، ان کے برابر کوئی دوڑنے والا نہیں تھا، دوڑ کر گھوڑوں سے آگے نکل جاتے تھے<sup>(۱)</sup>، اس حدیث میں ”قبیلہ ہوازن“ سے جنگ کے دوران ان کا ایک قصہ ذکر ہوا ہے، جس سے کئی طرح احکام ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آجائے گی، پہلے اس حدیث اور اس کے مشکل الفاظ کی تشریح سمجھ لیں۔

## حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح

”نتضحی“ یہ ضحاء سے ہے، جس کے معنی چاشت کے وقت کے ہیں، اور ”نتضحی“ کے معنی ہیں: ہم ناشتہ کر رہے تھے<sup>(۲)</sup>۔ ”طلقاً“ چڑے کی رسی کو کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup> ”حقب“ اس رسی

۱۔ تہذیب بن زکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ کے استقامت و بہادری کی تعریف کی اور ان کی قیادت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔  
۲۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔  
۳۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔



کو کہتے ہیں، جو اونٹ کے پیٹ پر باندھی جاتی ہے<sup>(۱)</sup>، ایک آدمی سرخ اونٹ پر آیا، اور اس نے اونٹ کو بٹھا کر اس کے پیٹ پر سی باندھی۔ ”وَلَمَّا ضَغَفَتِ رِقَّةٌ فِي الظَّهْرِ“ اور ہمارے پاس سوار یوں کی کچھ کمی تھی، اور خود ہماری حالت بھی کمزور تھی۔ ”يَشْتَدُّ“ ”يَعْدُو“ کے معنی میں ہے، اچانک وہ آدمی دوڑنے لگا، اور دوڑ کر اپنے اونٹ کے پاس گیا۔ ”فَانْثَرَهُ، فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ“، اونٹ کو بٹھا کر اس پر بیٹھ گیا، اور پھر وہ اونٹ اس کو لیکر دوڑنے لگا۔ ”نَاقَةٌ وَرَقَاءُ“ خاکی رنگ کی اونٹنی، اصل میں ”وَرَقَاءُ“ اس اونٹنی کو کہتے ہیں، جس میں سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہوں، اور سیاہ و سفید مل کر لگ بھگ خاکی رنگ ہی بن جاتا ہے،<sup>(۲)</sup> ایک صاحب خاکی رنگ کی اونٹنی پر اس سرخ اونٹ والے کے پیچھے نکلے۔

حضرت سلمۃ بن اکوعؓ فرماتے ہیں: میں نے دوڑنا شروع کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے پہلے تو میں نے اپنے خاکی رنگ کی اونٹنی والے ساتھی کو پیچھے چھوڑا، پھر آن کی آن میں اس سرخ اونٹ والے آدمی کو جا پکڑا، یہاں تک کہ میں نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو نیچے بٹھایا۔

”اِخْتَرَطْتُ سَيْفِي“ میں نے اپنی تلوار کھینچی<sup>(۳)</sup>، اور اس آدمی کے سر پر دے ماری۔

”فَنَدَرَ“ تلوار کے وار سے وہ نیچے گر گیا، اور مر گیا، میں اس اونٹ کو لیکر اس مقتول کے ہتھیار اور ساز و سامان کے ساتھ واپس آ گیا، لوگوں نے حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس کو ابن الاکوع نے قتل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَهُ مَلَبُهُ اَجْمَعُ“ اس مقتول کا سارا سلب ابن الاکوع کے لئے ہے۔

### جاسوس کا حکم اور جاسوس کی تین قسمیں

در اصل یہ شخص جاسوس بن کر آیا تھا، اس حدیث سے جاسوس کا حکم معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا

جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے۔

جاسوس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... حربی جاسوس

(۲) ... ذمی جاسوس

(۱) مسند العرب مج ۱ ”حب“ ۳۲۲/۱

(۲) مسند العرب مج ۱۰ ”ورق“ ۳۷۳/۱۰

(۳) شرح سووی عنی صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹

(۳) ... مسلمان جاسوس

اگر جاسوس حربی ہے، تو ایسی صورت میں بالاجماع اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

اور اگر جاسوس ذمی ہے، تو اس میں اختلاف ہے، حضرت امام مالک اور حضرت امام اوزاعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا عقد ذمہ ختم ہو جائے گا، اور حاکم کو اختیار ہوگا، چاہے اسے قتل کر دے، چاہے اسے غلام بنالے، جبکہ دیگر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس کا عقد ذمہ ختم نہیں ہوگا، البتہ اسکو سزا دی جائیگی۔

اور اگر جاسوس مسلمان ہے، تو پھر حضرات جمہور یہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے تعزیراً جو سزا مناسب ہو، وہ دی جائے گی، اور آج کل عقد ذمہ میں صراحتاً تو یہ بات مذکور نہیں ہوتی کہ تم جاسوسی وغیرہ نہیں کرو گے، لیکن دلالتاً یہ بات سمجھی جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱۴)

### باب التنفیل، وفداء المسلمین بالأسارى

(انعام دے کر مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے احکام)

#### غزوة بنی فزارة

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کافر قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے چھڑانے کے فدیہ میں دینا جائز ہے، یہاں غزوة بنی فزارة کا واقعہ بیان کیا ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ اپنے احباب کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام تشریف لے جا رہے تھے، جب وہ ”وادی قری“ پہنچے، تو وہاں بنو فزارة کے کچھ لوگوں نے ان کو مارا، اور اتنا مارا کہ دشمنوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مر گئے ہیں، چنانچہ وہ انہیں مردہ سمجھ کر ان کا سارا مال و اسباب لیکر بھاگ گئے، لیکن یہ زندہ تھے، اور شدید زخمی حالت میں تھے، چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ واپس مدینہ منورہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا، آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کا امیر مقرر کیا، اور بنو فزارة پر حملہ کرنے کے لئے ان کو روانہ کیا، حضرت زید بن حارثہؓ بھی ان کیساتھ تھے، رمضان ۶ھ میں یہ واقعہ پیش آیا، بعض حضرات

اس کو غزوہ زید بن حارثہ کا نام بھی دیتے ہیں، کیونکہ حضرت زید بن حارثہ کی وجہ سے ہی یہ غزوہ ہوا، اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے امیر بھی حضرت زید بن حارثہ ہی تھے، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ امیر لشکر حضرت ابوبکر صدیق ہی تھے، اور حضرت زید بن حارثہ ان کو راستہ بتانے والے تھے۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) حَدَّثَنِي إِيَّاسُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: غَزَوْنَا فِزَارَةَ وَعَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ، أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا كَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمَاءِ سَاعَةً، أَمَرَنَا أَبُو بَكْرٍ فَعَرَّسْنَا، ثُمَّ شَنَّ الْغَارَةَ، فَوَرَدَ الْمَاءَ، فَقَتَلَ مَنْ قَتَلَ عَلَيْهِ، وَسَبَى، وَأَنْظَرُ إِلَى عُقْبٍ مِنَ النَّاسِ فِيهِمُ الدَّرَارِيُّ، فَخَشِيتُ أَنْ يَسْبِقُونِي إِلَى الْجَبَلِ، فَرَمَيْتُ بِسَهْمٍ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْجَبَلِ، فَلَمَّا رَأَوْا السَّهْمَ وَقَفُوا، فَجِئْتُ بِهِمْ أَسْوَقَهُمْ وَفِيهِمْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي فِزَارَةَ عَلَيْهَا قَشْعٌ مِنْ أَدَمٍ - قَالَ: الْقَشْعُ: النَّطْعُ سَمِعَهَا ابْنَةً لَهَا مِنْ أَحْسَنِ الْعَرَبِ، فَسَقَّتُهُمْ حَتَّى أَتَيْتُ بِهِمْ أَبَا بَكْرٍ، فَنَفَّلَنِي أَبُو بَكْرٍ ابْنَتَهَا، فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، فَلَقِينِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ، فَقَالَ: يَا سَلَمَةُ، هَبْ لِي الْمَرْأَةَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَاللَّهِ لَقَدْ أُعْجِبْتَنِي وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، ثُمَّ لَقِينِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَدِ فِي السُّوقِ، فَقَالَ لِي: يَا سَلَمَةُ، هَبْ لِي الْمَرْأَةَ لِلَّهِ أَبُوكَ، فَقُلْتُ: هِيَ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَوَاللَّهِ مَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا، فَبَعَثَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ، فَقَدَى بِهَا نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا أُسْرُوا بِمَكَّةَ. (ص ۸۹ سطر ۹۵۲)

## تشریح

### حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح

قوله: فلما كان بيننا وبين الماء ساعة (ص ۸۹ سطر ۴)

”ماء“ کے ایک معنی ہیں: پانی، اس وقت اس سے مراد وہ پانی ہوگا، جہاں بنو فزارہ

آباد تھے۔ اور ”ماء“ کے دوسرے معنی چھوٹی بستی اور چھوٹی آبادی کے آتے ہیں، اس صورت میں اس

سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں بنو فزارہ آباد تھے۔<sup>(۱)</sup> ”ثم شن الغارة“، شن یشن شنّا کے معنی ہیں: بہانا، اس سے مراد حملہ کرنا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: عنق من الناس (ص ۸۹ سطر ۷)  
”عنق“ کے معنی جماعت کے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

قوله: ”وفیہم امرأة من بنی فزارہ“ (ص ۸۹ سطر ۵)  
ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی، جس پر چڑے کی پوسٹین تھی۔ ”القشع“ پوسٹین، چڑے کی واسکٹ۔

اور اس کے ساتھ اس کی ایک خوبصورت لڑکی تھی، میں ان سب کو لیکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں لے آیا، انہوں نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی، اس کے بعد ہم مدینہ آ گئے۔

قوله: ”وما کشفتم لها ثوبا“ (ص ۸۹ سطر ۷)  
میں نے اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا۔

حضور ﷺ کی مجھ سے بازار میں ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے سلمہ! یہ عورت مجھ کو دے دو، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو مجھے پسند ہے، اگرچہ ابھی تک میں نے اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا، دوسرے دن پھر بازار میں آپ ﷺ سے ملاقات ہو گئی، آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

قوله: ”یا سلمة هب لی المرأة لله ابوک“ (ص ۸۹ سطر ۷)

”اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے دے دو، اللہ ہی کے لئے تیرا باپ ہے“

پھر میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! وہ آپ ﷺ کیلئے ہے، اللہ کی قسم! میں نے اس سے کچھ نفع نہیں اٹھایا۔

قوله: فقدی بها ناسا من المسلمین (ص ۸۹ سطر ۷)

آپ ﷺ نے اس لڑکی کو مکہ مکرمہ بھیج کر اس کے بدلے میں مسلمان قیدیوں کو آزاد کروالیا۔

(۱) کنز العم لمناصب غیاث ۲/۳۵

(۲) کنز العم ۶/۳۵ و عربیہ تہذیب لغویہ ۲/۸۷۲

(۳) مسلم شرح صحیح مسلم تحت حدیث الحدیث ۱۱، ۷۹

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امیر لشکر مال غنیمت کو تقسیم بھی کر دے، اور اسی طرح ”نفل“ کی تقسیم بھی ہو جائے، پھر مسلمانوں کے مفادِ عامہ میں ان کی ضرورت پڑے، تو مال غنیمت یا ”نفل“ کے طور پر دی ہوئی چیز واپس بھی لے سکتا ہے، اور واپس لیکر بطورِ فدیہ بھی استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے دیگر مصالح میں بھی خرچ کر سکتا ہے۔ (۱)

(۱۵)

### باب حکم الفیء

(فی کے احکام کا بیان)

اس باب میں امام مسلمؒ وہ احادیث بیان فرما رہے ہیں، جن سے ”مالِ فیء“ کا حکم معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے پہلے ”فیء“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی سمجھ لیں۔

### ”فیء“ کے لفظی اور اصطلاحی معنی

”فیء“ کے لفظی معنی ہیں: الرجوع، لوٹنا۔ اور ”مالِ فیء“ کو ”مالِ فیء“ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ واپس اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں لوٹ جاتا ہے، اور پھر من جانب اللہ دوسروں کو ملتا ہے۔ اور اصطلاح میں ”مالِ فیء“ اس مال کو کہتے ہیں، جو جہاد میں کافروں سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو جائے، (۲) جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اموال بنی نضیر اسی طرح حاصل ہوئے تھے، کہ انہوں نے عہد شکنی کی، آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، اور پھر انہوں نے مرعوب ہو کر جان کی امان کے ساتھ جلا وطنی کی درخواست کی، جسکو آپ ﷺ نے منظور فرمایا، تو وہ اپنے ساتھ اپنا منقولہ مال لے گئے، لیکن ان کی عمارتیں، جائیدادیں، باغات اور دیگر ساز و سامان وغیرہ وہیں پر رہا، یہ سب ”مالِ فیء“ تھا۔

بنو نضیر جو مال و اسباب چھوڑ گئے تھے، ان میں سے ایک تو مال غیر منقولہ تھا، مثلاً ان کے مکانات، قلعے اور باغات وغیرہ، یہ آپ ﷺ کی ملکیت میں آ گیا، اور جو کچھ مال و دولت وہ ساتھ لے جاسکے، وہ ان کا ہو گیا، اس کے بعد وہ ہتھیار جن کو لے جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی، یا جو منقولہ اشیاء وہ

(۱) کنز الدین معاصی عیاض ۳۶/۶۰

(۲) مسند بن عمر ب تحت مادہ ”فیء“ ۱۲۳/۱

نہ لے جاسکے، وہ آپ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرمادیں۔

### ”مالِ فیء“ کا حکم

”مالِ فیء“ کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے، ائمہ مثلاً شافعی اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زندگی میں ”مالِ فیء“ حضور ﷺ کی ملکیت شمار ہوتا تھا، جس میں سے آپ ﷺ ایک سال کا گھر کا خرچ اپنے گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے، اور باقی مال عام مسلمانوں کی ضرورتوں اور ان کے دیگر رفاہی کاموں میں خرچ فرمایا کرتے تھے، مثلاً مجاہدین کی جہاد کی تیاری میں، مجاہدین کے لئے وظیفہ وغیرہ دینے میں، ”مالِ فیء“، مالِ غنیمت کی طرح مجاہدین کا حق نہیں ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کے بعد ”مالِ فیء“ بیت المال میں جمع ہوتا ہے، اور پوری مملکت میں عام مسلمانوں کی ضرورتوں میں اس کو خرچ کیا جاتا ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا حکم مالِ غنیمت کی طرح ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”مالِ فیء“ میں سے خمس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہوگا، اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے، اور ان سے بچ رہنے والا مال عام مسلمانوں کی حوائج و ضروریات میں خرچ کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، (الی قولہ) عَنْ هَمَامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا قَرْيَةٍ أُتِيَتْ مُوْهًا، وَأَقْمُتُمْ فِيهَا، فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ. (۸۹ سطر ۹ تا ۱۲)

### تشریح

قوله: أَيُّمَا قَرْيَةٍ أُتِيَتْ مُوْهًا (۸۹ سطر ۱۱)

جمہور کا مسلک راجح ہے، اس باب کی پہلی حدیث سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ فرمایا کہ جس بستی میں تم آؤ، اور تم وہاں قیام کرو، (اور لڑائی کی نوبت نہ آئے)، تو تمہارا حصہ اس میں ہے، اور یہ حصہ بطور مالِ غنیمت کے نہیں، بلکہ بطور عطاء کے ہے، یہ مال، ”مالِ فیء“ ہوگا، اور ”مالِ فیء“ سے سارے



مسلمانوں کو بطور عطاء کے، یا بطور عطیہ کے دیا جاتا ہے، اسی طرح تمہارا حصہ بھی بطور عطیہ کے ہوگا۔

قوله: ایما قریۃ عصت اللہ ورسولہ الخ (ص ۸۹ سطر ۱۲)

اور جس بستی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، جس کے بعد ظاہر ہے کہ اس سے لڑائی کی نوبت بھی آئے گی، اس کا ٹکس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہوگا "ثم ہی لکم" باقی حصہ تمہارے لئے ہوگا۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ أَسْمَاءَ الضُّبَيْعِيُّ، (الی قولہ) أَنَّ مَالِكَ بْنَ أَوْسٍ، حَدَّثَهُ، قَالَ: أُرْسِلَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَبِجْتُهُ جِئْتُ تَعَالَى النَّهَارُ، قَالَ: فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلَى سَرِيرٍ مُفَضِّيًا إِلَى رُمَالِهِ، مُتَكِنًا عَلَى وَسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ، فَقَالَ لِي: يَا مَالُ، إِنَّهُ قَدْ دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ قَوْمِكَ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ، فَخُذْهُ فَأَقْسِمُهُ بَيْنَهُمْ، قَالَ: قُلْتُ: لَوْ أَمَرْتُ بِهَذَا غَيْرِي، قَالَ: خُذْهُ يَا مَالُ، قَالَ: فَجَاءَ يَرْفَأُ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي عُثْمَانَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَالزُّبَيْرِ، وَسَعْدٍ؟ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ، وَعَلِيٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْآئِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ، فَقَالَ الْقَوْمُ: أَجَلُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَأَقْضِ بَيْنَهُمْ وَأَرْحُهُمْ، فَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ: يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا قَدُمُوهُمْ لِذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ: اتَّشَدَّ، أَنَشِدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي يَأْذِنُهُ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نُورُثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً، قَالُوا: نَعَمْ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ، وَعَلِيٍّ، فَقَالَ: أَنَشِدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي يَأْذِنُهُ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا نُورُثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةً، قَالَا: نَعَمْ، فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ اللَّهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِخَاصَّةٍ، لَمْ يُخَصَّصْ بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ، قَالَ : ”مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ“ مَا أَدرى هَلْ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي قَبْلَهَا أَمْ لَا - قَالَ : فَقَسَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ أَمْوَالَ بَنِي النَّضِيرِ، فَوَاللَّهِ، مَا اسْتَأْثَرَ عَلَيْكُمْ، وَلَا أَخَذَهَا ذَوْنُكُمْ، حَتَّى بَقِيَ هَذَا الْمَالُ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَةً سَنِيَّةً، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ أُسْوَةً الْمَالِ، ثُمَّ قَالَ : أَنْشَدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي يَأْذِنُهُ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ ذَلِكَ؟ قَالُوا : نَعَمْ، ثُمَّ نَشَدَ عَبَّاسًا، وَعَلِيًّا، بِمِثْلِ مَا نَشَدَ بِهِ الْقَوْمَ، أَتَعْلَمَانِ ذَلِكَ؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ : فَلَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ، وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا تَوَرَّثَ مَا تَرَكَنَاهُ صَدَقَةٌ، فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللَّهِ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، ثُمَّ تَوَفَّى أَبُو بَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ، فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا، وَاللَّهِ يَعْلَمُ إِنِّي لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، فَوَلَّيْتُهَا ثُمَّ جِئْتَنِي أَنْتَ وَهَذَا وَأَنْتُمَا جَمِيعٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ، فَقُلْتُمَا : ادْفَعُهَا إِلَيْنَا، فَقُلْتُ : إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلَى أَنْ عَلَيْكُمَا عَهْدُ اللَّهِ أَنْ تَعْمَلَا فِيهَا بِالَّذِي كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذْتُمَاهَا بِذَلِكَ، قَالَ : أَكْذَلِك؟ قَالَا : نَعَمْ، قَالَ : ثُمَّ جِئْتُمَانِي لِأَقْضِيَ بَيْنَكُمَا، وَلَا وَاللَّهِ لَا أَقْضِي بَيْنَكُمَا بغير ذَلِكَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَرُدَّاهَا إِلَيَّ. (ص ۹۰ سطر ۱

## تشریح

## حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح

”تعالیٰ النهار“ دن چڑھے (۱)۔ ”سویرو:“ چار پائی، مسہری، تخت، یہاں مراد چار پائی ہے۔ ”مفضیا الی دمالہ“ عام طور پر چار پائی پر بیٹھنے سے پہلے کوئی چادر وغیرہ بچھاتے ہیں، لیکن اس وقت حضرت عمرؓ اس چار پائی پر بغیر کسی چادر وغیرہ کے تشریف فرما تھے (۲)۔ ”دمالہ“ بھور کے پتوں سے بنی ہوئی چار پائی۔ ”متکنا علی ومادة من آدم“ چڑے کے ایک تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ”یامال“ اصل میں ”یامالک“ تھا، ترخیم کر کے ”یامال“ کہا۔ (۳) ”دف یدف دفا“ کے معنی ہیں: جدی چلنا (۴)۔ ”اهل ابیات من قومک“ آپ کی قوم کے کچھ لوگ۔ ”رضخ“ تھوڑا مال، جس کی مقدار بیان نہ کی گئی ہو۔ (۵) ”فجاء یرفا“ یرفا حضرت عمرؓ کے غلام کا نام ہے۔ (۶)

”باغ فدک“ کے بارے میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا واقعہ

قوله: اقض بینی و بین هذا الکاذب (ص ۹۰ سطر ۵)

حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ کو جھوٹا، گنہگار، دھوکا باز اور خائن کہنا حقیقتہً مراد نہیں، بلکہ انہوں نے بطور ڈانٹ ڈپٹ کے حضرت علیؓ کو یہ الفاظ کہے تھے، جیسا کہ کبھی کبھار باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹتے ڈپٹتے وقت کچھ ایسے کلمات کہہ دیا کرتا ہے، جن کی حقیقت مراد نہیں ہوتی، جیسے باپ کہہ دیتا ہے: او! نالائق، گدھے، اس سے حقیقت میں نالائق یا گدھا مراد نہیں ہوتا، بلکہ ڈانٹنا مقصود ہوتا ہے، حضرت عباسؓ مثل باپ کے ہیں، اور حضرت علیؓ مثل بیٹے کے ہیں، اور حضرت عباسؓ کا یہ فرمانا بطور ڈانٹ ڈپٹ کے ہے، اس کی حقیقت مراد نہیں ہے، اور یہ پوری حدیث اس کا قرینہ ہے، کیونکہ اگر حقیقت مراد ہوتی، تو اس طرح کہنا ناجائز ہوتا، جبکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے بزرگ صحابہ وہاں موجود تھے، جو کسی منکر پر نکیر کرنے کے سلسلے میں کسی کی

(۱) معجم شرح صحیح مسلم ۸۴/۱۱ تحت حدیث الباب۔

(۲) شرح سووی علی صحیح مسلم تحت هذا الحديث ج ۲ ص ۹۰

(۳) بخورہار

(۴) بخورہار

(۵) معجم سمرطی ۴۸/۱۱

(۶) معجم سمرطی ۸۶/۱۱۔ شرح الووی ج ۲ ص ۹۰

پروا نہیں کرتے تھے، ان حضرات کا اپنی موجودگی میں ان کلمات کو حقیقی معنی میں مراد لیکر کہنے والے کو منع نہ کرنا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

آگے خود حضرت عمر فاروقؓ ان دونوں کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تم نے حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں ان سے مطالبہ کرنے، اور ان کے تمہاری منشاء کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھا تھا، پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد تم میرے پاس آئے ہو، اور مجھے بھی ایسا ہی جھوٹا، گنہگار، دھوکہ باز اور خائن سمجھا، ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ ان الفاظ سے حقیقی معنی مراد نہیں تھے، بلکہ بطور ڈانٹ ڈپٹ اور اظہارِ ناراضگی کے تھے۔ (۱)

### ”اموالِ صفایا“ کی تشریح اور اس کی تین اقسام

اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تین قسم کے اموال آپ علیہ السلام کی ملکیت تھے، ان کو ”صفایا“ کہتے تھے، ”صفایا“ جمع ہے ”صفیۃ“ کی، جس کے معنی ہیں: خالص، یہ تین قسم کے اموال خالصتاً آپ ﷺ کی ملکیت سمجھے جاتے تھے، اس لئے ان کو ”صفایا“ کہا جاتا تھا۔

(۱) ... ان میں سے ایک ”اموالِ بنی نضیر“ تھے۔

(۲) ... دوسرے ”اموالِ خبیر“۔

(۳) ... اور تیسرے ”اموالِ فدک“۔

### ”اموالِ بنی نضیر“

اموالِ بنی نضیر کی تفصیل آچکی ہے کہ ان کے منقولہ اور غیر منقولہ جتنا بھی ساز و سامان تھا، وہ سب آپ علیہ السلام کی ملکیت تھا، بنو نضیر کا ایک یہودی، جس کا نام منخیریق تھا، وہ غزوہ احد میں مسلمان ہو گیا تھا، اس کے بنو نضیر میں سات باغ تھے، اس نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد وہ سب حضور ﷺ کو دے دینا، تو یہ سات باغات بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھے۔

### ”اموالِ خیبر“

”خیبر“ میں بعض قلعے صلح کی وجہ سے فتح ہوئے تھے، جیسے ”وطیع“ اور ”سلاطہ“ دو قلعے ایسے تھے، جو صلح کے طور پر فتح ہوئے تھے، یہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھے، اور باقی حصہ چونکہ لڑائی کی وجہ سے فتح ہوا تھا، اس لئے اس کا خمس بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھا، وہاں کی آمدنی آپ ﷺ کے پاس آتی تھی، جو آپ ﷺ اپنی اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے عزیز واقارب کی حوائج اور ضروریات میں خرچ فرمایا کرتے تھے، اور اسی طرح عام مسلمانوں میں بھی تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

### ”اموالِ فدک“

”خیبر“ کے بعد ایک علاقہ ہے، جس کا نام ”فدک“ ہے، ”خیبر“ فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اس کی طرف پیش قدمی کی، جس کے بعد آدھا حصہ صلح سے، اور باقی آدھا حصہ لڑائی سے فتح ہوا، تو ”فدک“ کا نصف حصہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت تھا۔

یہ تین اموال تھے، جو خالصتاً آپ ﷺ کی ملکیت میں تھے، اور اسی وجہ سے ”صفایا“ کہلاتے تھے، جب تک آپ ﷺ حیات تھے، اس وقت تک یہ اموال آپ ﷺ کے زیر انتظام تھے، ان کی آمدنی کو آپ ﷺ اپنی صوابدید سے اپنی اور اپنے گھر والوں، اور دیگر عام مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

### حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی ایک دلیل

قولہ: لانورث، ما ترکناہ صدقۃ، الخ (ص ۹۰ سطر ۷، ۸)

”لانورث“ کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ معروف پڑھنے کی صورت میں معنی

ہوگا:

”ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے“

مجہول پڑھنے کی صورت میں معنی ہوگا:

”ہمیں مورث نہیں بنایا جاتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوگا“

لہذا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی میراث نہ تو تقسیم ہوئی، اور نہ ہی تقسیم ہو سکتی تھی، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام وفات پانے کے بعد زندہ ہوتے ہیں، اور زندوں کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، یہ حیات انبیاء علیہم السلام کی ایک مستقل دلیل ہے۔

### ”حضور ﷺ کے صدقات“ کی انتظامی تقسیم

آپ ﷺ کے انتقال کے بعد ان تمام اموال کو ”حضور ﷺ کے صدقات“ کہا جاتا ہے، آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ ان اموال کے متولی ہوئے، اس کے بعد حضرت عمرؓ متولی مقرر ہوئے، اور جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ اموال کی آمدنی خرچ فرماتے تھے، ان کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسی طرح خرچ فرماتے رہے، حضرت عمرؓ کی زندگی میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ آپ ان اموال کا انتظام ہمارے سپرد کر دیں، اور جس طرح حضور ﷺ ان کی آمدنی خرچ فرمایا کرتے تھے، ہم بھی اسی طرح خرچ کریں گے، یہ حضرات اہل بیت میں سے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر سے بوجہ ہلکا کرنے کے لئے ان اموال کے انتظام کو ان حضرات کے درمیان تقسیم فرما دیا۔

لیکن حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان موافقت نہ ہوئی، اور اس کے انتظام میں باہم اختلاف ہوا، چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! آپ ان صدقات کو دو حصوں میں تقسیم فرمادیں، اور ایک ایک حصہ کا انتظام دونوں کو الگ الگ دے دیں، تاکہ ہر ایک اپنے اپنے حصے کا انتظام اپنی مرضی اور غشاء کے مطابق کر سکے، اس گفتگو کا اصل مقصد تو یہی تھا، یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ آپ ہمیں ان حصوں کا مالک بنادیں، بلکہ انتظاماً دو حصوں میں تقسیم فرمانا چاہتے تھے، مالک بننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ”لانورث، ما ترکناہ صدقۃ“ سب کو معلوم تھا۔

لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار فرما دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ اندیشہ اور خطرہ لاحق ہوا کہ آج تو یہ تقسیم انتظامی بنیاد پر کی جا رہی ہے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس تقسیم کو تملیک کا سمجھا جانے لگے گا، اور یہ بات سمجھی جانے لگی گی کہ گویا حضرت عمرؓ نے آدھے صدقات کا مالک حضرت عباس کو بنادیا، اور آدھے صدقات کا مالک حضرت علی کو بنادیا، حالانکہ ان صدقات میں تملیک جائز ہی



نہیں ہے، اس لئے آپ نے صاف صاف انکار فرمادیا، اور فرمایا کہ اگر تم دونوں مل جل کر ان صدقات کا انتظام و انصرام سنبھال سکتے ہو، تو کرو، ورنہ یہ مجھے واپس کر دو، میں خود ہی سنبھال لوں گا۔<sup>(۱)</sup>

(۱۶)

باب قول النبی ﷺ: لا نورث، ماتر کنا فهو صدقة

(نبی ﷺ کا فرمان: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے، اور اس کا حکم) بعض نسخوں میں اس جگہ یہ باب نہیں ہے، بہر حال! اس باب کے شروع میں امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

از وایح مطہراتؓ کی طرف سے مطالبہ میراث کا ارادہ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَدْنَ أَنْ يَتَّعْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَيَسْأَلَنَّهُ مِيرَاثَهُنَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ عَائِشَةُ لَهُنَّ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا نَوْرَثُ مَا تَرَكَنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ. (ص ۹۱ سطر ۹ تا ۱۱)

تشریح

قوله: عن عائشة أنها قالت: إن أزواج النبي ﷺ حين توفي رسول الله ﷺ

(ص ۹۱ سطر ۹، ۱۰)

یہ اس باب کی پہلی روایت ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد از وایح مطہراتؓ نے ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کی میراث کے بارے میں بات چیت کرنے کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجیں۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرْسِلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصَّدِيقِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِمَّا أَقَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ

بِالْمَدِينَةِ، وَفَدَكَ، وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمْسِ خَيْبَرَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تُوْرَثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ  
 مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَالِ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ  
 صَدَقَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي  
 عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَذْفَعَ إِلَيَّ فَاطِمَةَ شَيْئًا،  
 فَوَجَدْتُ فَاطِمَةَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي ذَلِكَ، قَالَ: فَهَجَرْتُهُ، فَلَمْ تُكَلِّمُهُ حَتَّى  
 تُوَفِّيَتْ، وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا  
 تُوَفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ،  
 وَصَلَّى عَلَيْهَا عَلِيُّ، وَكَانَ لِعَلِيِّ مِنَ النَّاسِ وَجْهَةٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ، فَلَمَّا تُوَفِّيَتْ  
 اسْتَنَكَّرَ عَلِيُّ وَجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ  
 بَايَعَ تِلْكَ الْأَشْهُرَ، فَأُرْسِلَ إِلَيَّ أَبِي بَكْرٍ أَنْ آتِنَا وَلَا يَأْتِنَا مَعَكَ أَحَدٌ،  
 كَرَاهِيَةَ مُحَضَّرِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: وَاللَّهِ، لَا تَدْخُلْ  
 عَلَيْهِمْ وَحْدَكَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَمَا عَسَاهُمْ أَنْ يَفْعَلُوا بِي؟ إِنِّي وَاللَّهِ  
 لَأَتَيْنَهُمْ، فَدَخَلَ عَلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ، فَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّا  
 قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ، وَمَا أَعْطَاكَ اللَّهُ، وَلَمْ نَنْفُسْ عَلَيْكَ  
 خَيْرًا سِوَاكَ اللَّهُ إِلَيْكَ، وَلَكِنَّكَ اسْتَبَدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ، وَكُنَّا نَحْنُ نَرَى  
 لَنَا حَقًّا لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُ أَبَا  
 بَكْرٍ حَتَّى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِي بَكْرٍ، فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي  
 بِيَدِهِ، لِقَرَابَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ  
 قَرَابَتِي، وَأَمَّا الَّذِي شَجَرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَمْوَالِ، فَإِنِّي لَمْ أَلْ فِيهَا  
 عَنِ الْحَقِّ، وَلَمْ أَتْرُكْ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ

فِيهَا إِلَّا صَنَعْتُهُ، فَقَالَ عَلِيُّ لِأَبِي بَكْرٍ: مَوْعِدُكَ الْعَشِيَّةَ لِلْبَيْعَةِ، فَلَمَّا صَلَّى أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الظُّهْرِ، رَفِيَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَتَشَهَّدَ وَذَكَرَ شَأْنَ عَلِيٍّ وَتَخَلَّفَهُ عَنِ الْبَيْعَةِ، وَعُذِرَهُ بِالَّذِي اعْتَذَرَ إِلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَعَظَّمَ حَقَّ أَبِي بَكْرٍ، وَأَنَّهُ لَمْ يَحْمِلْهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ نَفَاسَةً عَلَى أَبِي بَكْرٍ، وَلَا إِنكَارًا لِلَّذِي فَضَّلَهُ اللَّهُ بِهِ، وَلَكِنَّا كُنَّا نَرَى لَنَا فِي الْأَمْرِ نَصِيبًا، فَاسْتَبَدَّ عَلَيْنَا بِهِ، فَوَجَدْنَا فِي أَنْفُسِنَا، فُسْرًا بِذَلِكَ الْمُسْلِمُونَ، وَقَالُوا: أَصَبْتُ، فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ إِلَى عَلِيٍّ قَرِيبًا حِينَ رَاجَعَ الْأَمْرَ الْمَعْرُوفَ. (ص ۹۱ سطر ۱۱ تا ص ۹۲ سطر ۳)

### تشریح

قوله: أن فاطمة بنت رسول الله ﷺ (ص ۹۱ سطر ۱۱)

یہ اس باب کی دوسری روایت ہے، جس میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا واقعہ ذکر کیا ہے، انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر سے آنحضرت ﷺ کی میراث کے بارے میں سوال کیا۔

ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے آپ ﷺ

کا قول:

”لأنورث، ماترکنا، فهو صدقة“ مذکور ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں حضرت صدیق اکبرؓ کا بھی یہی جواب ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا: ”لأنورث، ماترکنا صدقة، انما یاکل آل محمد ﷺ فی هذا المال“ بہر حال! حضرت صدیق اکبرؓ نے میراث بطور تملیک ان کو نہیں دی۔

ان احادیث سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ ازواج مطہراتؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کی

میراث کے حوالے سے حضرت عثمان بن عفانؓ کو حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا، جس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے انہیں یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

”لانورث، ماتر کنا فہو صدقہ“

”ہمیں (انبیاء کرام) کو مورث نہیں بنایا جاتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے“  
اس روایت میں تو اتنی بات ہے، لیکن ابوداؤد شریف کی روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ  
حضرت عائشہؓ نے ازواج مطہرات کے اس ارادے پر فرمایا:

”الا تتقین اللہ؟ ألم تسمعن رسول اللہ ﷺ یقول: ”لانورث ماتر کنا فہو صدقہ، و انما هذا المال لآل محمد لنائبہم ولضیفہم فاذا مت فہو الی ولی الامر من بعدی“۔ (۱)

”کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (انبیاء کرام) مورث نہیں بنائے جاتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، اور وہ مال اہل بیت کی ضرورتوں اور ان کے مہانوں کے لئے ہے، پھر جب میں انتقال کر جاؤں، تو وہ میرے خلیفہ کے زیر انتظام ہوگا“

اس پر حضرات ازواج مطہرات نے اپنا ارادہ ترک کر دیا، اور ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور ﷺ نے واقعی یہ فرمایا تھا، اور واقعی بحیثیت وارث ہونے، یا بالطور میراث اس کے لینے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد ”لانورث، ماتر کنا فہو صدقہ“ کے مطابق آپ ﷺ کا چھوڑا ہوا مال ”مال میراث“ نہیں تھا، بلکہ وہ صدقہ تھا، جس میں آپ ﷺ کے قرابت داروں کا بھی حق تھا، اور عام مسلمانوں کا بھی حق تھا۔

آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی یہی خصوصیت ہے، کیونکہ  
آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

”انا معشر الانبیاء، لانورث، ماتر کنا فہو صدقہ“۔ (۲)

”ہم انبیاء کرام کی جماعت ہیں، ہم کسی کے مورث نہیں بنائے جاتے، جو کچھ ہم  
چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہے“

اسی لئے انبیاء کرامؑ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کا مال ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا۔

### ایک اشکال اور اس کا جواب

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث کا حکم مطلق ذکر فرمایا ہے، اس میں نبی و غیر نبی کی کوئی تفریق نہیں ہے، تو پھر یہ تفریق کیوں کی گئی؟

شارحینؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ انبیاء کرامؑ اور حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ خصوصیت ہے کہ ان کی وراثت تقسیم نہیں ہوگی، اور وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ خصوصیت کی بناء پر وہ اس حکم میں داخل ہی نہیں ہیں، جیسا کہ چار سے زیادہ نکاح کی اجازت آپ ﷺ کے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے، امتیازوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے، اسی طرح تقسیم میراث کا حکم امت کیلئے ہے، انبیاء کرام کیلئے نہیں ہے۔ (۱)

### اس خصوصیت کی دو حکمتیں

شارحینؒ نے اس خصوصیت کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں: ایک حکمت یہ ہے کہ کوئی وارث مال کی وجہ سے اپنے مورث کی موت کی تمنا نہ کرے۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور اُسف میں ایسا ہوتا ہے، جیسا کہ باپ اپنی اولاد میں، باپ کا انتقال ہو جائے، تو اس کی ساری اولاد کو اس کی میراث میں سے حصہ ملتا ہے، ایسے ہی نبی کے انتقال کے بعد اس کے مال سے ساری اُسف کو نفع اٹھانے کی اجازت ہے۔ (۲)

### حضرت بی بی فاطمہؑ کا مطالبہ میراث اور حضرت صدیق اکبرؑ کا جواب

قوله: مما أفاء الله عليه بالمدينة و فذک و ما بقى من خمس خیبر.

(ص ۹۱ سطر ۱۳)

حضور ﷺ کے ان تین اموال کے بارے میں حضرت فاطمہؑ نے حضرت صدیق اکبرؑ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ان اموال میں سے جو میراث حصہ بنتا ہے، وہ دے دیں، ان میں سے مدینہ منورہ

(۱) روح المعانی تفسیر سورہ النساء ۲۰/۴۲۸

(۲) فتح ساری شرح صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقہ ج ۱۲/۹ و شرح البیہقی صحیح مسلم تحت حدیث الحدیث

کے اموال سے مراد وہی بنو نضیر کے اموال غیر منقولہ ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور مقام فدک، مدینہ منورہ سے تین مراحل کے فاصلے پر، خیبر سے آگے دودن کی مسافت پر واقع ہے، یہاں بھی یہودی آباد تھے، خیبر کے بعد جب آپ ﷺ نے مقام فدک کا رخ فرمایا، تو اہل فدک نے آپ ﷺ سے آدھا فدک دینے پر صلح کر لی (۱)، اور خیبر کے دو قلعے ”وطیح“ اور ”سلام“ یہ صلحاً فتح ہوئے تھے، لہذا یہ بھی آپ ﷺ کی ملکیت میں تھے، باقی خیبر عنوة یعنی لڑائی سے فتح ہوا تھا، اس میں خمس آپ ﷺ کے لئے تھا، اس لئے حضرت بی بی فاطمہؓ نے ان تین اموال کا ذکر فرمایا۔ (۲) حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو یہی جواب دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ”لأنورث، ماترکنا صدقة“ البتہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مزید فرمایا کہ:

قوله: ”إنما یا کل آل محمد ﷺ فی هذا المال“ (ص ۹۱ سطر ۱۴)

”آپ ﷺ کے گھر والے اس میں سے کھائیں گے“

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے بطور مالک بنا کر دینے سے انکار کیا، ورنہ آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے مال کی آمدنی تو پہلے بھی آپ ﷺ کے اہل و عیال اور آپ ﷺ کے قرابت داروں پر خرچ ہوتی تھی، خود حضور ﷺ بھی ایسے ہی خرچ فرماتے تھے، اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا، اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا ہوا تھا، البتہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کہنے پر ان اموال رسول اللہ ﷺ کا کچھ حصہ مشترک طور پر ان دونوں حضرات کی تولیت میں دے دیا تھا، جس کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے اہل بیت کو تملیکاً دینے سے انکار کیا، ان اموال سے نفع اٹھانے سے انکار نہیں کیا، حضرت صدیق اکبرؓ کا قول: ”إنما یا کل آل محمد فی هذا المال“ اس کی واضح دلیل ہے۔

قوله: فابی ابوبکر أن يدفع إلى فاطمة شيئا (ص ۹۱ سطر ۱۴)

”حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو کچھ بھی دینے سے انکار کیا“، اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) ... ایک یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کو بطور میراث کچھ بھی دینے سے



انکار کر دیا تھا۔

(۲) ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہؓ کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی میراث تو تقسیم نہیں ہو سکتی، تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بطور تولیت کچھ حصہ دینے کی درخواست کی، اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی فرمایا، جو پیچھے حضرت عائشہؓ کی ابو داؤد شریف کی روایت میں گزر چکا ہے یعنی:

”فاذا مت فهو الى ولي الامر من بعدى“

”آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں انتقال کر جاؤں، تو میرے بعد میرے خلفاء

اس کے متولی ہوں گے“

اس لئے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی تولیت کسی کو منتقل کریں، یا نہ کریں، اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے انکار پر حضرت بی بی فاطمہؓ خاموش ہو گئیں۔

قولہ: فوجدت فاطمة على ابي بكر في ذلك (۹۱ سطر ۱۵، ۱۶)

”اس سئلے میں حضرت بی بی فاطمہؓ نے اپنے دل میں حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف سے کچھ بات محسوس کی“

اس کے بعد حدیث میں یہ ہے کہ پھر آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے قطع تعلق کر لیا، اور مرتے دم تک ان سے کوئی بات نہ کی۔ یہ امام زہریؒ کا ادراج ہے جو معتبر نہیں اور بخاری شریف میں یہ ہے فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم اس کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ”لامع الدرادی“ میں فرماتے ہیں کہ: یہ جملہ راوی کا اپنا گمان ہے، اس حدیث کی راویہ حضرت عائشہؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے بارے میں یہ جملہ نہیں کہا بلکہ کسی اور راوی کا اپنا گمان اور خیال ہے کہ جب حضرت بی بی فاطمہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے انکار کے بعد خاموش ہو گئیں، تو وہ سمجھے کہ شاید ناراض ہو گئیں۔

حضرت بی بی فاطمہؓ کے حضرت صدیق اکبرؓ سے ناراض ہونے کی تحقیق

قولہ: قال: فهجرته، فلم تكلمه حتى توفيت، وعاشت بعد رسول الله ﷺ ستة

اشہر (ص ۹۱ سطور ۱۶)

”پھر حضرت بی بی فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو چھوڑ دیا، اور مرتے دم تک ان سے کوئی بات نہیں کی، اور وہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں“

شراحین فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی حضرت عائشہؓ کی روایت میں نہیں ہے، بلکہ یہ بھی راوی کا ادراج ہے، اور یہ تمام جملے مدرج ہیں، اور یہ سارا ادراج حضرت امام زہریؒ کا ہے، اور حضرت امام زہریؒ مدرج ہونے میں مشہور ہیں، ادراج ان کی عادت ہے، چنانچہ دوران کلام اگر کوئی آیت آجائے، تو بغیر لفظ ”امی“ کے اس کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، کہیں کوئی جملہ قابل تشریح نظر آتا ہے، تو اس کے تشریح والے جملہ کو حدیث سے الگ کیے بغیر درمیان ہی میں اس کی تشریح شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے پڑھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بھی حدیث ہے، حالانکہ وہ ان کا اپنا کلام ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ متعدد روایتوں میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت موجود ہے، ان میں سے کسی بھی روایت میں حضرت بی بی فاطمہؓ کے ناراض ہونے کا، یا حضرت صدیق اکبرؓ سے ترک تعلق کا، اور ان سے بات چیت نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، جب تمام روایات جمع کی جاتی ہیں، تو اس وقت پتہ چلتا ہے کہ کہاں راوی کا اضافہ ہے، اور کہاں نہیں ہے؟

### واقعہ کی تحقیق

حضرت مولانا شیخ محمد نافعؒ نے اپنی اردو کتاب ”رحماء بینہم“ میں اس مسئلے کی پوری تحقیق فرمائی ہے، اور اس میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث چھتیس (۳۶) طرق سے مروی ہے، جن میں گیارہ سندیں مستحکم ہیں، جن میں امام زہریؒ کا واسطہ نہیں ہے، اور وہ سب روایات ان تمام باتوں سے خالی ہیں، درپندرہ سندیں حضرت امام زہریؒ سے منقول ہیں، یعنی ان کا واسطہ درمیان میں ہے، پھر ان پندرہ میں سے نو سندوں میں بھی امام زہریؒ کے موجود ہوتے ہوئے اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور باقی سولہ روایتوں میں ان باتوں کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ امام زہریؒ کا ادراج ہے۔<sup>(۱)</sup>

البتہ ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر جو خلاصہ اور نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی

فاطمہؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے آنحضرت ﷺ کی میراث کے بارے میں سوال کیا، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی جواب دیا، جو یہاں مذکور ہے، پھر انہوں نے تولیت کے سلسلے میں عرض کیا، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ فرما گئے ہیں کہ میرے بعد میرے ان اموال کا متولی میرا خلیفہ ہوگا، لہذا میں اس کام کو انجام دے ہی رہا ہوں، اس پر حضرت فاطمہؓ خاموش ہو گئیں۔

اس جواب کو سن کر ان کی طبیعت میں کچھ نہ کچھ کدورت پیدا ہو گئی، جو کہ ایک فطری اور طبعی بات ہے، وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے، جس کو حضرت صدیق اکبرؓ بھی سمجھ گئے، اور وہ اس موقع کی تلاش میں رہے کہ کوئی موقع ملے، تو میں حضرت بی بی فاطمہؓ کے دل سے اس کدورت کو بھی دور کر لوں، جب حضرت بی بی فاطمہؓ بیمار ہوئیں، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے دو کام کیے، ایک تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے مقرر فرمایا، وہ ان کی خدمت کرتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت بی بی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد غسل بھی انہوں نے ہی دیا، اگر حضرت بی بی فاطمہؓ واقعی ناراض ہوتیں، تو حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ سے کیسے خدمت لیتیں؟

دوسرا کام یہ کیا کہ خود حضرت بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گھر کے دروازے پر پہنچ کر حضرت علیؓ سے اجازت چاہی، حضرت علیؓ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کے پاس جا کر کہا کہ حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے ہیں، اور آپ سے بات چیت کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، انہوں نے اجازت دے دی، حضرت صدیق اکبرؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے اپنا مال بھی، اپنی اولاد بھی، اپنا گھر بھی، اپنا خاندان بھی، اپنی برادری بھی، سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل بیت کی خوشنودی کے لئے چھوڑ دیا، میرے نزدیک آپ کی رضامندی قابل ترجیح ہے، میں آپ کو ناراض دیکھنا نہیں چاہتا، اس وقت حضرت بی بی فاطمہؓ کے دل سے وہ کدورت بھی ختم ہو گئی، جو مجتہدین کے آپس کے اختلاف رائے سے طبعی طور پر پیدا ہو جاتی ہے، اور حضرت بی بی فاطمہؓ ان سے راضی ہو گئیں۔

لہذا اس روایت میں ان حضرات کے بارے میں جو جملے مذکور ہیں، وہ امام زہریؒ کا ادراج

ہے، جو قابل اعتبار نہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: فلما توفیت دفنها زوجها علی بن ابی طالب لیلاً (۹۱ سطر ۱۶، ۱۷)  
 جہاں تک ان کورات میں دفن کرنے کی بات ہے، تو حضرت بی بی فاطمہؓ کی وصیت تھی کہ مجھے  
 رات میں دفن کیا جائے، تاکہ اندھیرے میں پردہ رہے، آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے جنازے کے لئے  
 مسہری بھی پروے والی بنوائی تھی، اس مسہری کو حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے بطور نمونہ بنایا تھا، جس  
 کو آپؐ نے پسند فرمایا، اور پھر یہ بھی وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ رات میں اٹھانا، تاکہ مجھ پر پردہ پوری  
 طرح قائم رہے۔

قولہ: ولم یؤذن بها أبابکر (ص ۹۱ سطر ۱۷)

اور حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو خبر بھی نہیں دی، اور حضرت علیؓ نے خود ہی نماز جنازہ  
 پڑھ لی، یہ بھی راوی یعنی امام زہریؒ کا ادراج ہے، کیونکہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب حضرت بی بی  
 فاطمہؓ کا وصال ہو گیا، تو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف  
 لائے، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ جنازہ پڑھائیے، کیونکہ یہ آپ کی اہلیہ  
 تھیں، لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں آپ ہی پڑھائیے، کیونکہ آپ حضور ﷺ کے خلیفہ ہیں،  
 چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ آگے بڑھے، اور آپ نے حضرت بی بی فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی، اس لئے یہ  
 جملے مدرج ہیں۔

قولہ: ولم یکن بائع تلک الأشہر (ص ۹۱ سطر ۱۸)

ان مہینوں میں حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت نہیں کی، اس روایت میں ”  
 الاشہر“ کا لفظ ہے، جبکہ دوسری روایتوں میں ”ستۃ اشہر“ کا لفظ ہے، کہ چھ مہینے تک حضرت علیؓ  
 نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت نہیں کی، یہ کلام بھی مدرج ہے، کیونکہ دیگر روایات میں صاف صاف  
 موجود ہے کہ ثقیفۃ بنو ساعدۃ میں، جہاں حضور ﷺ کے وصال کے بعد صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ  
 اور دیگر بڑے بڑے صحابہ کرامؓ موجود تھے، اور اس بات کا مشورہ کر رہے تھے کہ حضور ﷺ کے  
 بعد کون خلیفہ ہوگا؟ آپس میں مشورہ ہو رہا تھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ اٹھے اور انہوں نے حضرت  
 صدیق اکبرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو، چنانچہ جتنے حضرات وہاں پر موجود تھے،  
 انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور آپؐ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔

اس مجلس میں حضرت علیؑ موجود نہیں تھے، اس کے بعد آپؑ منبر پر بیٹھے، خطبہ دیا، اور فرمایا کہ بھئی! علی کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ کو بلایا گیا، حضرت صدیق اکبرؑ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی، اور فرمایا کہ اگر آپؑ بیعت نہیں کریں گے، تو مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے گا، حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، اس کے بعد حضرت علیؑ نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؑ کے فرمانے کے کچھ دیر بعد ہی حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تھی، چھ مہینے کا ذکر راوی کا ادراج ہے۔

قوله: فأرسل إلى أبي بكر أن اتنا ولا ياتنا معك أحد، كراهية محضر عمر بن الخطابؓ (ص ۹۱ مطر ۱۸)

حضرت علیؑ نے حضرت صدیق اکبرؑ کو پیغام بھیجا کہ آپ اکیلے ہی ہمارے پاس آئیں، آپ کے ساتھ اور کوئی نہ ہو، یہ اس لئے کہا کہ وہ حضرت عمرؓ کی حاضری کو ناپسند فرما رہے تھے، مسلم شریف کے ایک شارح ہیں، علامہ ابی رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی راوی کا اپنا خیال ہے، کہ حضرت علیؑ نے یہ جو کہا کہ اکیلے آنا، کوئی اور ساتھ نہ آئے، شاید اس لئے کہا تھا کہ کہیں حضرت عمرؓ بھی ساتھ نہ آجائیں، وہ ذرا سخت مزاج ہیں۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا ابْنُ لُمَيْرٍ، (الی قوله) أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ غَابِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يَفْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا، مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نُورِثُ مَا تَرَكَْنَا صَدَقَةً، قَالَ: وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرٍ، وَقَذِيبٍ، وَصَدَقَتِهِ بِالْمَدِينَةِ، فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذَلِكَ، وَقَالَ: لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ، إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ، إِنِّي أَخْشَى أَنْ تَرَكَتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ

(۱) شرح التوروثی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ و اکمال العلم ج ۸ ص ۷۸ تحف هذا الحديث۔

أَنْ أَزِيغَ، فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ، فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ، وَعَبَّاسٍ، فَعَلَبَهُ  
عَلِيُّهَا عَلِيٌّ، وَأَمَّا خَيْرٌ وَفَدَكُ، فَأَمْسَكَهُمَا عُمَرُ، وَقَالَ: هُمَا صَدَقَةٌ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتَا لِحَقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ، وَنَوَائِبِهِ،  
وَأَمْرُهُمَا إِلَى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ، قَالَ: فَهُمَا عَلَى ذَلِكَ إِلَى الْيَوْمِ. (ص ۹۲  
سطر ۷ تا ۱۴)

### تشریح

قولہ: فدفعها عمر إلى عليّ، وعباس، فغلبه عليها عليّ (ص ۹۲ سطر ۱۲، ۱۳)  
مدینہ منورہ میں جو اموال بنی نضیر حضور ﷺ کی ملکیت تھے، ان کو حضرت عمرؓ نے حضرت  
علیؓ اور حضرت عباسؓ کے زیر انتظام دے دیا تھا، اور ان دونوں کو ان اموال کا متولی بنا دیا تھا، جس کی  
تفصیل گزر چکی ہے، ان اموال کے بارے میں حضرت علیؓ حضرت عباسؓ پر غالب آ گئے، غالب آنے  
کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں دستبرداری کر لی تھی، اور پھر حضرت علیؓ اکیلے  
ان اموال کے متولی ہو گئے<sup>(۱)</sup>، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور آپ کی اولاد میں  
نسلاً بعد نسل ان اموال کی تولیت منتقل ہوتی رہی، یہ بطور وراثت نہیں تھی، البتہ عیبر اور فدک کے  
اموال حضرت عمرؓ نے اپنی تولیت میں رکھے، اور آپ ہی ان کا انتظام کرتے رہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا، مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي  
وَمَثُونَةِ عَامِلِي، فَهُوَ صَدَقَةٌ. (ص ۹۲ سطر ۱۳، ۱۵)

### تشریح

قولہ: عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: لا يقتسم ورثتي ديناراً  
(ص ۹۲ سطر ۱۳، ۱۵)  
آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ورثاء میرے مال کو تقسیم نہ کریں، میری ازواج کے نفقہ کے  
بعد اور میرے عاملوں کے خرچے کے بعد میں جو کچھ چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔  
ازواج مطہرات آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں، اور آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ کرنے کے



بعد بھی آپ ﷺ کا ان سے نکاح ختم نہیں ہوا، اس لئے ان کا خرچہ جس طرح آپ ﷺ اپنی زندگی میں دیتے تھے، آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اموال سے ان کا خرچہ حضراتِ خلفاء راشدین دیا کرتے تھے۔

”مؤنۃ عاملی“ سے مراد آپ ﷺ کے خلیفہ کا وظیفہ ہے۔ یہی قول قابلِ اعتماد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے صدقات کا خادم مراد ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱۷)

### باب کیفیۃ قسمة الغنیمۃ بین الحاضریین (حاضرین) (مجاہدین) کے درمیان مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کے طریقہ کا بیان

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ فِي النَّفْلِ، لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّجُلِ سَهْمًا.  
(ص ۹۲ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قولہ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَسَمَ فِي النَّفْلِ. (ص ۹۲ سطر ۱۸)  
جمہور کے نزدیک یہاں ”نفل“ سے مراد مالِ غنیمت ہے، کیونکہ ”نفل“ کے لغوی معنی زیادتی اور عطیہ کے ہیں، مالِ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجاہدین کے لئے عطیہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہاں مالِ غنیمت کو ”نفل“ کہا گیا ہے۔

### مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ

اس باب میں امام مسلمؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مجاہدین میں مالِ غنیمت کس طرح تقسیم ہوگا؟ گذشتہ اوراق میں یہ بات تو واضح ہو گئی کہ کافروں سے لڑائی کے بعد جو مال ہاتھ میں آتا ہے، اسے مالِ غنیمت کہتے ہیں، اور مالِ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہوتا ہے، باقی چار حصے مجاہدین کے لئے ہوتے ہیں، جو مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، اب مجاہدین میں مال

غنیمت کس طریقے سے تقسیم کیا جائے، کیونکہ مجاہدین میں دو قسم کے مجاہد ہوتے ہیں، کچھ پیدل ہوتے ہیں، کچھ سوار ہوتے ہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

### جمہور علماء، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک

جمہور علماء، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملے گا، اور گھڑ سوار مجاہد کو تین حصے ملیں گے، ایک حصہ مجاہد کا، دو حصے اس کے گھوڑے کے، ان کی دلیل یہ حدیث الباب ہے، اس میں فرمایا گیا ”للفرس سہمین، وللرجل سہما“ دو حصے گھوڑے کے، اور ایک حصہ پیدل کا، یہاں پر فارس یعنی گھڑ سوار کا حصہ بیان نہیں ہوا، وہ دوسری روایتوں میں بیان ہوا ہے، لہذا گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے، ایک اس کا اپنا حصہ، اور دو گھوڑے کے حصے۔

### حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک

حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ ”للفرس سہمان وللراجل سہم“ گھوڑے سوار کے لئے دو حصے ہیں، ایک اس کا اپنا حصہ، اور ایک اس کے گھوڑے کا حصہ، اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے، حضرت امام صاحب کی دلیل ”دار فطنی“ کی وہ روایت ہے، جو دو سندوں سے مروی ہے، اور صحیح ہے، اس میں ہے کہ:

عن ابن عمر ”أن رسول الله ﷺ جعل للفارس سہمین و للراجل سہما“<sup>(۱)</sup>

”حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سوار کے

لئے دو حصے اور پیدل کے ایک حصہ مقرر فرمایا“

نیز آپ ﷺ نے اہل حدیبیہ پر خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرمایا تھا، اور اہل حدیبیہ پندرہ سو تھے، اس میں تین سو گھڑ سوار تھے، اور بارہ سو پیدل تھے، اور آپ ﷺ نے ان کے لئے اٹھارہ حصے مقرر فرمائے، جس میں چھ حصے تین سو گھڑ سواروں کے لئے ہوئے، یہ اٹھارہ میں چھ حصے تقسیم ہو گئے، اور بارہ سو پیدل مجاہدین کے لئے ایک ایک حصہ مقرر فرمایا، تو کل حصے اٹھارہ ہوئے، اور سند کے

اعتبار سے یہ واقعہ بھی درست ہے، اگر گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوتے، تو آپ ﷺ بجائے اٹھارہ حصوں کے اکیس (۲۱) حصے بناتے، کیونکہ پھر ان تین سو گھڑ سواروں کو مجموعی طور پر نو (۹) حصے ملتے۔

امام صاحبؒ کی طرف سے حضرات ائمہؒ مٹاؤ اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ”نفل“ اپنے حقیقی معنی میں ہے، اس سے مالی غنیمت مراد نہیں ہے، چنانچہ یہاں پر آپ علیہ السلام نے فرس کو دو حصے بطور نفل کے دیے ہیں، مالی غنیمت میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے نہیں دیئے۔<sup>(۱)</sup>

(۱۸)

## باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر، وإباحة الغنائم

(غزوة بدر میں فرشتوں کے ذریعہ امداد اور غنیمت کے مال کے مباح

ہونے کے احکام)

### مقام بدر

”بدر“ دراصل ایک جگہ کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان پرانے راستے پر واقع ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ چار مراعل ہے، جو تقریباً چونسٹھ (۶۴) میل بنتا ہے، یہاں بنو خلفار کا ایک شخص رہتا تھا، اس کا نام ”بدر“ تھا، اس کا ایک کنواں اس کے نام سے موسوم تھا، جس کو ”بشر بدر“ کہتے تھے، اور پھر یہ اس بستی کا نام ہو گیا، جو وہاں پر موجود تھی، اور اس میدان کو بھی بدر کہتے ہیں، جہاں غزوة بدر ہوا تھا، وہ میدان آج بھی موجود ہے، اور وہ مقام بھی موجود ہے، جہاں شہدائے بدر آرام فرما ہیں، اور وہ کنواں بھی موجود ہے، جس میں قریش کے وہ ستر سردار ڈالے گئے تھے، جو اس جنگ میں مارے گئے تھے، اور آپ ﷺ نے ان کو اس کنواں میں ڈلوایا تھا، آج کل یہ سعودی عرب کا ایک بہت بڑا صنعتی شہر ہے۔

یہاں اسلام کا سب سے پہلا اور مشہور غزوة ”غزوة بدر“ ہوا ہے، جو سترہ رمضان المبارک بروز

(۱) مرید دلائل اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: البحر الرائق کتاب السير فصل كعبة القسمة: ۵/۹۵ و بدائع الصنائع کتاب سير فضل فی بدر

جمعة المبارک ۲؎ کو ہوا، اس غزوہ میں کتنے صحابہ شریک ہوئے؟ اس میں بہت سے اقوال ہیں، تین سو پانچ سے لیکر، تین سو تریسٹھ صحابہ کرامؓ کے شریک ہونے تک کے اقوال ہیں، لیکن ان میں تین سو تیرہ (۳۱۳) کا قول مشہور ہے، اور حدیث الباب میں تین سو انیس (۳۱۹) کا ذکر ہے۔

### غزوہ بدر کیوں ہوا؟

شارح مسلم، علامہ ابی قریبہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کفار مکہ نے حضور ﷺ، مہاجرین اور انصار مدینہ کو مٹانے کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں، وہ چاہتے تھے کہ مسلمان مزید نہ پھیلیں، اور جلد از جلد ان کا خاتمہ ہو جائے، لہذا انہوں نے اس کے لئے جنگی تیاریاں شروع کیں، اس کے لئے مال کی ضرورت تھی، انہوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے)، ان کی سربراہی میں ایک تجارتی قافلہ ملک شام بھیجا جائے، وہاں سے مال لا کر بیچا جائے، اصل رقم تو مالکوں میں واپس کر دی جائے، اور نفع مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں استعمال کیا جائے، یہ تجویز کفار مکہ کو پسند آئی، اور ہر ایک نے اس میں اپنا اپنا پیسہ دیا، شاید ہی کوئی کافر، امیر و غریب ایسا ہو کہ اُس نے اس جنگ میں حصہ نہ لیا ہو، چنانچہ ابوسفیان یہ مال لیکر ملک شام گئے، اور وہاں سے بہت سا مال تجارت لیکر واپس ہوئے، واپسی میں جب وہ حجاز کے پاس پہنچے، تو انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں چھان بین کی کہ وہ کس حال میں ہیں؟ اور ان کے کیا ارادے ہیں؟ کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ شاید ان کی طرف سے ان کے قافلے پر حملہ کیا جائے۔

دوسری طرف واقعہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ اس قافلے پر حملہ کر کے اس کا مال اپنے قبضے میں لینا چاہئے، ورنہ یہ مال مکہ مکرمہ جا کر ہمارے ہی خلاف استعمال ہوگا، آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کو لیکر اس قافلے پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے، ابوسفیان کو جب اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے ضمضم نامی شخص کو اجرت دیکر مکہ مکرمہ روانہ کیا، چنانچہ اس شخص نے مکہ مکرمہ پہنچ کر باواز بلند اہل مکہ کو یہ اطلاع دی کہ محمد اور ان کے ساتھی ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو، تو فوراً مدد کو پہنچو، ورنہ تمہاری جمع پونجی سب ختم ہو جائے گی، جب اس نے باواز بلند ”الغوث، الغوث“ کہہ کر پکارا، تو تمام کافر صورت حال معلوم ہونے کے بعد قافلے کی مدد کو تیار

ہو گئے، اس موقع پر ابولہب اگرچہ خود نہیں جاسکا، لیکن اس نے اپنا نمائندہ بھیجا، چنانچہ کفار کے کم و بیش ایک ہزار جنگجو مع ان کے بڑے بڑے سرداروں کے ابوسفیان کے قافلے کی مدد کیلئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، ادھر ابوسفیان نے ہوشیاری کی کہ اس نے اپنے قافلے کو حملے سے بچانے کے لئے راستہ بدل دیا، اور بجائے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرنے کے جدہ والا راستہ اختیار کیا، جو سمندر کے ساتھ ہے، مسلمانوں کو اس کا علم نہیں ہو سکا، اس طرح ابوسفیان اپنے قافلے کو بچا کر لے گیا، اور ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں اطلاع بھجوا دی کہ میں اپنے قافلے کو بچانے میں کامیاب ہو چکا ہوں، لہذا اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن ابو جہل نے قسم کھائی کہ میں اب واپس نہیں جاؤں گا، ”بدر“ میں ہر سال ہزار لگتا تھا، اور عرب کے لوگ جوق در جوق اس میں شریک ہوتے تھے، وہاں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے تھے، شراب نوشی کرتے، گانے بجانے کا شغل کرتے تھے، اس طرح سے ان کا ایک میلہ وہاں لگتا تھا، اور تین دن تک یہ ہنگامہ رہتا تھا، ابو جہل نے قسم کھائی کہ اب تو میدان بدر میں جا کر ہمیں تین دن گزارنے ہیں، دراصل اس کی موت نے اس کو وہاں کھینچا تھا، اور مسلمانوں کو جہاد کی دولت نصیب ہوتی تھی۔

چنانچہ ۶ رمضان المبارک کو سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بدر کے مقام پر پہنچ گئے، اس کے بعد جنگ ہوئی، جس میں ستر سردارانِ قریش مقتول ہوئے، ستر کو قیدی بنایا گیا، اور مسلمانوں کو اللہ پاک نے فتح عطا فرمائی۔ (۱)

حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قولہ) قَالَ: سَمِعْتُ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَهُمْ أَلْفٌ، وَأَصْحَابُهُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَتِسْعَةٌ عَشَرَ رَجُلًا، فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ: اللَّهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللَّهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَنِي، اللَّهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدْ فِي الْأَرْضِ، فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهِ، مَاذَا يَدِيهِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، حَتَّى سَقَطَ رِذَاؤُهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ

فَأَخَذَ رِذَاءَهُ، فَأَلْقَاهُ عَلَى مَنْكِبِيهِ، ثُمَّ التَزَمَهُ مِنْ وَرَائِهِ، وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ، كَمَا كُنَّا مُنَاشِدُوكَ رَبَّكَ، فَإِنَّهُ سَيُنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ "إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ" فَأَمَدَهُ اللَّهُ بِالْمَلَائِكَةِ، (الى قوله) قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَلَمَّا أُسْرُوا الْأَسَارَى، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ: مَا تَرَوْنَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَارَى؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، هُمْ بَنُو الْعَمِّ وَالْعَشِيرَةِ، أَرَى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً فَتَكُونُ لَنَا قُوَّةٌ عَلَى الْكُفَّارِ، فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُمْ لِلْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَرَى يَا ابْنَ الْخَطَابِ؟ قُلْتُ: لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَرَى إِلَّا الَّذِي رَأَى أَبُو بَكْرٍ، وَلَكِنِّي أَرَى أَنْ تُمْكِنَّا فَضَرْبَ أَغْنَاقِهِمْ، فَتُمْكِنَ عَلِيًّا مِنْ عَقِيلٍ فَيَضْرِبَ عُنُقَهُ، وَتُمْكِنِي مِنْ فُلَانٍ نَسِيبًا لِعُمَرَ، فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَإِنَّ هَؤُلَاءِ أَيْمَةُ الْكُفْرِ وَصَنَادِيدُهَا، فَهَوِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ، وَلَمْ يَهْوِ مَا قُلْتُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ جِئْتُ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ قَاعِدَيْنِ يَبْكِيَانِ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي مِنْ أَى شَيْءٍ تَبْكِي أَنْتَ وَصَاحِبُكَ؟ فَإِنْ وَجَدْتُ بُكَاءَ بَكَيْتُ، وَإِنْ لَمْ أَجِدْ بُكَاءَ تَبَاكَيْتُ لِبُكَائِكُمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أُبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَى أَصْحَابِكَ مِنْ أَخَذِهِمُ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَى عَدَائِهِمْ أَذْنَى مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ شَجَرَةٍ قَرِيبَةٍ مِنْ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أُسْرَى حَتَّى يُشْخِنَ فِي الْأَرْضِ" إِلَى قَوْلِهِ "فَكُلُّوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا" فَأَحَلَّ اللَّهُ الْعَنِيمَةَ لَهُمْ. (ص ۹۳ سطر ۱ تا ۱۵)



## تشریح

قوله: اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في

الأرض. (ص ۹۳ سطر ۴)

میدان بدر میں آپ ﷺ نے مذکورہ بالا دعا فرمائی۔

لفظ ”تہلک“ مجرد سے بھی ہو سکتا ہے، اس وقت ”ہذه العصابة“ اس کا فاعل ہوگا۔

اور باب افعال سے بھی ہو سکتا ہے، اس وقت ”ہذه العصابة“ اس کا مفعول ہوگا، (۱) یہ

دعا آپ ﷺ نے اس لئے مانگی کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں، اگر اللہ پاک کی مدد نہ آئی، اور میں اور یہ مسلمان شہید ہو گئے، تو کفار و مشرکین بدستور بتوں اور غیر اللہ کی پرستش میں مشغول رہیں گے، کوئی دوسرا نبی بھی آکر اسلام کی دعوت نہیں دے گا، پھر اسلام ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا، اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی جائے (۲)، اس لئے اس کا واسطہ دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے، اور اس کی مدد شامل حال ہو جائے۔

قوله: فما زال يهتف بربه (ص ۹۳ سطر ۴)

”هتف يهتف هتفا“ کے معنی آتے ہیں: چلانا، آواز بلند کرنا (۳)، جسے کہتے ہیں: گڑ گڑا کر

دعا کرنا، یعنی آپ ﷺ نے گڑ گڑا کر اور مچل مچل کر دعا شروع فرمادی، اور نہایت ہی والہانہ انداز میں دعا فرمائی۔

## گڑ گڑا کر دعا مانگنے کی وجہ

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر اس قدر گڑ گڑا کر اور مچل کر دعا کیوں فرمائی؟ شارحین نے اس کی تین وجوہات ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک تو اس لئے تاکہ صحابہ کرام کے دل میں دعا کی قبولیت کی امید راسخ ہو جائے، اور ان کا دل مضبوط اور قوی ہو جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ مستجاب الدعوات ہیں، اور پھر اس قدر گڑ گڑا کر آپ ﷺ دعا فرما رہے ہیں، یقیناً آپ ﷺ کی دعا مقبول ہے، اور ہماری

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸۔

(۲) ”الحق بفرصتي تحت هذا الحديث ۹۳/۱۱۔“

(۳) ”عرب حرف الهماء، مادة هتف ۳۳۳/۹۔“

فتح یقینی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے اس گڑگڑا کر دعا فرمانے کی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ کو اطمینان ہوا کہ دعا قبول ہوگئی، اسی لئے انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ”یا نبی اللہ! کفاک مناشدک رہک“ حضور! آپ ﷺ کا اپنے رب سے مانگنا کافی ہو گیا، ”مناشدہ“ کہتے ہیں: مانگنے کو۔<sup>(۱)</sup>

(۲) ... دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ صحابہ کرامؓ اور ان کے واسطے سے امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب کوئی اہم موقع آئے، تو بہت ہی گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئے، گویا تعلیماً للامة آپ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا۔<sup>(۲)</sup>

(۳) ... تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ... جہاد بالسيف (۲) ... جہاد بالدعاء

آپ ﷺ نے دونوں کو جمع فرمایا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسے مواقع پر صرف جہاد بالسيف ہی کافی نہیں ہے، بلکہ دعا بھی ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے الدعاء سلاح المؤمن،<sup>(۳)</sup> اور اسی طرح صرف دعا بھی کافی نہیں، جہاد بھی ضروری ہے۔

قولہ: فإله سينجز لك ما وعدك. (ص ۹۳ سطر ۵، ۶)

یہ حضرت صدیق اکبرؓ کا قول ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو آ کر تسلی دی اور عرض کیا کہ حضور! آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے دو وعدے فرمائے تھے یا تو آپ ﷺ کو قافلہ مل جائے گا، یا جنگ میں فتح ہو جائے گی۔

شارحینؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا دعا فرمانا اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائیں گے، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت مقام خوف پر فائز تھے، اس لئے گڑگڑا کر دعا فرما رہے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ مقام رجاء پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی امید کے

۱۔ ح۔ بی۔ علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰ ولسان العرب باب الدال مادة "نشد" ۳/۳۲۱۔

۲۔ حنفیہ مصر ص ۹۵/۔

۳۔ مسند بنی شاکم کتاب الدعاء رقم الحديث ۱۷۶۶۔

مقام پر قائم تھے، اور دونوں مقام اپنی جگہ برحق ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ! حضرت صدیق اکبرؓ کا درجہ حضور ﷺ سے بڑھ گیا۔

### مشکل الفاظ کے معانی

”مُرْدِفِینَ“ کے معنی ہیں: متابعین، یکے بعد دیگرے<sup>(۱)</sup>۔ ”فَامَدَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْمَلٰئِكَةِ“ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد فرمائی۔ ”حِیْزُومَ“ یہ فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے۔ ”خَطْمُ اَنْفِهِ“ اس کی ناک زخمی ہو گئی، ”ذَلْکَ مِنْ مَلٰئِکَ السَّمٰوٰتِ الثَّلَاثَةِ“ مدد کے معنی ہیں: ملائکہ، اور یہ تیسرے آسمان کے فرشتوں میں سے تھے، ”صَنَادِیدُ“ جمع ہے ”صنید“ کی، سردار۔<sup>(۲)</sup>

### کافر قیدیوں کا معاملہ

مسلمانوں کو فتح ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے کفار کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ حضور! یہ آپ ﷺ کے قبیلے کے آدمی ہیں، اور سردار بھی ہیں، آپ ﷺ ان سے فدیہ لے لیں، اور ان کو چھوڑ دیں، ہو سکتا ہے یہ مسلمان ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ بڑے بکے کافر ہیں، ان کی گردنیں اڑانی چاہئیں، تاکہ کفر کی طاقت اچھی طرح ٹوٹ جائے، حضرت عمرؓ طبیعت کے سخت اور جری تھے، انہوں نے اس کے مطابق رائے دی، حضرت صدیق اکبرؓ نرم دل اور نرم طبیعت کے حامل تھے، لہذا انہوں نے اسی کے مطابق رائے دی، دونوں کی نیت خیر کی تھی، کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ یہ چاہتے تھے کہ یہ مسلمان ہو جائیں، اور حضرت عمرؓ چاہ رہے تھے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے، اور یہ دونوں کام خیر کے ہیں۔

### ڈانٹ کی وجہ

آپ ﷺ کا رجحان حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کی طرف ہوا، لہذا آپ ﷺ نے اسے اختیار فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کچھ ڈانٹ ہوئی، یہاں یہ اشکال ہے کہ ڈانٹ کیوں پڑی؟ کیونکہ دونوں آراء اپنی جگہ درست تھیں، اور اس سے پہلے قرآن کریم میں فدیہ لینے کی ممانعت

(۱) شرح النورانی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ ولسان العرب حرف الفاء مادة ”ردف“ ۱۱۳/۹

(۲) لدیناح عنی مسلم تحت هذا الحديث ج ۲ ص ۱۵۴ ولسان العرب حرف التاء مادة ”صد“ ۲۶۰/۳

نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ فدیہ لینے کا جواز آچکا تھا، کیوں کہ غزوہ بدر سے ایک سال پہلے ایک سریہ ہو چکا تھا، اور اس میں فدیہ لینے کا واقعہ پیش آچکا تھا، اگر کافروں سے فدیہ لینا ممنوع ہوتا، تو اس موقع پر ممانعت ہو چکی ہوتی، لیکن ممانعت نہیں ہوئی، اس کے باوجود غزوہ بدر کے بعد قیدیوں سے فدیہ لینے پر یہ ڈانٹ کیوں پڑی؟ جس کے نتیجے میں اس حدیث کے مطابق حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں رونے لگے، حضرت عمرؓ شریف لائے، اور رونے کی وجہ دریافت فرمائی، فرمایا کہ ہم نے جو فدیہ لیا ہے، اور قتل نہیں کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے غصے کا اظہار فرمایا ہے۔

شارحین نے اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک وجہ یہ ہے کہ اگرچہ واقعہ کوئی ناجائز کام نہیں کیا گیا، اور دونوں پہلو جائز تھے، مگر ایک پہلو اعلیٰ تھا، اور ایک پہلو ادنیٰ تھا، اور موقع نہایت اہم اور واقعہ بہت عظیم تھا، ایسے موقع پر اعلیٰ کو اختیار کرنا چاہئے تھا، نہ کہ ادنیٰ کو، اعلیٰ وہ تھا، جو حضرت عمرؓ کی رائے تھی، کیونکہ اس پر عمل کرنے سے کفر کی طاقت کا ٹوٹنا یقینی تھا، جبکہ فدیہ لیکر چھوڑنے میں ان کے مسلمان ہو جانے کی امید موہوم تھی، تو اس موقع پر اعلیٰ کو اختیار نہ کرنے پر تنبیہ ہوئی، کیونکہ اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اختیار کرنے پر تنبیہ بڑے لوگوں کی ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲) ... دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک رائے ادنیٰ تھی، اور دوسری رائے خلاف ادنیٰ تھی، حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے خلاف ادنیٰ تھی، اور حضرت عمرؓ کی رائے ادنیٰ تھی، اور منقرّب اور معظم لوگوں کی معمولی سی باتوں پر اور خلاف ادنیٰ بات پر بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔

(۱۹)

باب ربط الأسیر و حبسہ، و جواز المنّ علیہ

(قیدیوں کو باندھنے، گرفتار کرنے اور ان پر احسان کرنے کے

جواز کے احکام)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قَبْلَ نَجْدٍ،

فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ اَثَالٍ، سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ،  
 فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟ فَقَالَ: عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ، إِنْ  
 تَقَتَّلْتُ تَقَتَّلَ ذَا دِمٍّ، وَإِنْ تَنَعَّمْتُ تَنَعَّمْ عَلَى شَاكِرٍ، (الی قولہ) فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ، فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ  
 الْمَسْجِدِ، فَاعْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ،  
 وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، يَا مُحَمَّدُ، وَاللَّهِ، مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ  
 وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهَكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ كُلِّهَا  
 إِلَيَّ، وَاللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ  
 الدِّينِ كُلِّهِ إِلَيَّ، وَاللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ  
 بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ، وَإِنْ خَيْلِكَ أَخَذْتَنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ  
 فَمَاذَا تَرَى؟ فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَغْتَمِرَ،  
 فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ: أَصَبَوْتُ، فَقَالَ: لَا، وَلَكِنِّي أَسْلَمْتُ مَعَ رَسُولِ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا وَاللَّهِ، لَا يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةٌ حِنْطَةٍ  
 حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص ۹۳ سطر ۱۵ تا

ص ۹۴ سطر ۸)

### تشریح

اس باب میں ”ثمَامَةُ بن اِثَال سید اهل الیمامہ“ کا واقعہ مذکور ہے ”یمامہ“ ایک جگہ  
 کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان واقع تھی، جہاں قبیلہ ”بنو حنیفہ“ آباد تھا، جو بڑا مشہور و  
 معروف قبیلہ ہے، اسی قبیلے سے ”مسيلمہ کذاب“ کا تعلق تھا، اس قبیلے کے سردار ”ثمَامَةُ بن اِثَال  
 تھے“ حضور ﷺ نے ”نجد“ کی طرف (جہاں ”یمامہ“ بھی پڑتا ہے) ایک لشکر روانہ فرمایا، اس لشکر نے  
 ”یمامہ“ کے رئیس ”ثمَامَةُ بن اِثَال“ کو گرفتار کر لیا، اور مسجد نبوی میں لاکر ایک ستون سے باندھ

دیا، اس کا واقعہ حدیث میں آرہا ہے، جس میں کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن یہاں دوسرے سمجھنے کے ہیں۔

(۱) ... کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یا نہیں؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یا نہیں؟

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں، اور حرم میں کافر کا داخل ہونا ناجائز ہے، باقی تمام مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، اس میں مسجد نبویؐ بھی داخل ہے، چنانچہ اسی وجہ ”لعمامة بن اثال“ کو حالت کفر میں وہاں داخل کیا گیا۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کافر کا مطلقاً مسجد میں داخل ہونا منع ہے، چاہے مسجد حرام ہو، مسجد نبویؐ ہو، اور چاہے کوئی اور مسجد ہو، اور وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ حدیث قرآن کریم کی آیت:

”إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ“ (۱)

سے پہلے کی ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب کافروں کو نجس قرار دیا گیا ہے، لہذا وہ کسی بھی مسجد میں نہیں جاسکتے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف اہل کتاب مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر کفار داخل نہیں ہو سکتے۔ (۲)

(۲) ... اسلام لانے کے لئے غسل کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

اس کے بعد حضرت لعمامة کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، چنانچہ آزاد ہونے کے بعد وہ ایک باغ میں گئے، غسل کیا، کپڑے پہنے، اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اب اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اسلام لانے کیلئے غسل کرنا واجب ہے، یا نہیں؟

حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے لئے غسل کرنا واجب ہے، کیونکہ حالت کفر میں ناپاکی کی حالت بھی رہی ہوگی، لہذا اسلام قبول کرنے

(۱) سورہ البقرة ۲۸

(۲) کتبہ العجم بعضی غلطی تحت هذا الحديث ج ۶/۵۰ والمعهوم ج ۱۱/۱۱۰ اس آیت مبارکہ اور حدیث باب کی کئی توجیہات حضرات حنفیہ نے بیان کی ہیں ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں البحر الرائق کتاب الکراهیة فصل فی البیع الخ ۱۹۰ / ۲۲ والعمدة فی شرح الہدایہ کتاب مکرمہ مسائل معارفہ ۲۹۲/۱۳۔



کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کافر جہنی ہو، تو غسل کرنا واجب ہے، جہنی نہ ہو، تو واجب نہیں۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے مطلقاً غسل کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، کیونکہ ہزاروں آدمی حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائے، اگر غسل واجب ہوتا، اور ہر ایک غسل کرتا، تو ان کا غسل کرنا تواتر کے ساتھ منقول ہوتا، جیسے ان کا مسلمان ہونا تواتر سے منقول ہے، لیکن ایسا کہیں منقول نہیں ہے، جب منقول نہیں ہے، تو معلوم ہوا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

### مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح

”ساریۃ“ ستون کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> ”ان تقتل تقتل ذاد م“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ قتل کریں گے، تو وہ مستحق قتل ہے، اس کو قتل کر کے آپ ﷺ کوئی ناحق ظلم نہیں کریں گے۔<sup>(۳)</sup> ”وان تنعم تنعم علی شاکر“ اور اگر آپ ﷺ اس پر رحم فرمائیں گے، تو وہ آپ ﷺ کا شکر گزار ہوگا۔

(۲۰)

### باب إجلاء اليهود من الحجاز

(یہود کو حجاز مقدس سے جلا وطن کر دینے کے احکام)

”کتاب الجہاد“ کے شروع میں بتلایا گیا تھا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے

آباد تھے:

(۱) ... بنونضیر

(۲) ... بنوقینقاع

(۳) ... بنوقریظہ

بنونضیر کا واقعہ آپ کے سامنے آگیا، اس باب میں بنوقینقاع کا واقعہ بیان ہوا ہے،

(۱) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۲۱

(۲) مصحح فی النسخة تحت مادة ”سری“ ۲۱۵/۱۰

(۳) شرح مسروقی علی صحیح مسلم تحت هذا الحديث ۹۳/۲ ونکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۲۰

اور اس سے اگلے باب میں بنو قریظہ کا ذکر آ رہا ہے۔

### بنو قینقاع کا واقعہ

آپ ﷺ ”حجاز“ کو یہودیوں سے پاک فرمانا چاہتے تھے، چنانچہ یہودیوں کی عہد شکنی کے نتیجے میں مکہ تک آپ ﷺ نے مدینہ سے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا۔  
مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے:

(۲) ... خزرج

(۱) ... اوس

قبیلہ ”خزرج“ کا سردار ”عبداللہ بن ابی ابن سلول“ تھا، یہ یہودیوں کے قبیلے بنو قینقاع کے حلیف تھا، اور قبیلہ اوس کے سردار حضرت ”سعد بن معاذ“ تھے، جن کا واقعہ اگلے باب میں آ رہا ہے، یہ بنو قریظہ کے حلیف تھے، غزوہ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بنو قینقاع کو اسلام کی دعوت دی، اس کے جواب میں انہوں نے دو حرکتیں کیں، ایک تو جواب نہایت ہی دلخراش دیا، اور دوسرے ایک شرمناک حرکت کی۔

جواب یہ دیا کہ ”ہمد“ میں عرب کے ان پڑھ اور جاہل لوگوں سے آپ ﷺ کا مقابلہ ہوا، جن کو لڑنا نہیں آتا تھا، اس لئے آپ ﷺ ان سے جیت کر (العیاذ باللہ) مغرور نہ ہوں، ہم سے لڑو گے، تو پتہ چل جائے گا کہ ہم کون ہیں؟ یہ جواب دیکر انہوں نے معاہدے کی صریح خلاف ورزی کی۔  
شرمناک حرکت یہ کہ محلہ بنی قینقاع میں ایک بازار تھا، جس میں ایک یہودی سنا رہا تھا، اسی کی دوکان کے سامنے ایک عرب عورت اپنا مال تجارت لے کر بیٹھ گئی، وہ پوری طرح باپردہ تھی، یہودی اپنی فطری شرارت پر اتر آیا، اور اس نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح اس عورت کے چہرے سے پردہ ہٹے، تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ عورت کیسی ہے؟

چنانچہ اس نے اس عورت کے برقعہ کا کپڑا کسی طرح سے اس کی کمر پر باندھ دیا، جس کا اس عورت کو پتہ نہ چل سکا، اب وہ اٹھنے لگی، تو اس کی شرمگاہ سے پردہ ہٹ گیا، جس پر وہ یہودی اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے کہ لو! چہرہ تو نہ کھولا، لیکن شرمگاہ کھل گئی، اور وہ اس پر اتنا ہنسے کہ ایک دوسرے پر گرنے لگے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے، یہ منظر دیکھ کر ایک مسلمان سے رہانہ گیا، اور اس نے اس سنا رہودی کو قتل کر دیا، یہودیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔

آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی، یہ ان کی جانب سے معاہدے کی صریح خلاف

ورزی تھی، جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی، یہ لوگ اپنے قلعے میں محصور ہو گئے، آپ ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا، پندرہ دن کے بعد انہوں نے اپنے حلیف انصاری قبیلہ خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی اسلول سے کہا کہ آپ جا کر حضور ﷺ سے ہمارے لئے بات کریں، جو حضور ﷺ فیصلہ فرمائیں گے، ہمیں منظور ہوگا، آپ ﷺ نے ان کے قتل کا ارادہ فرمایا، تو عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ حضور! آپ ﷺ ان کا خون معاف فرمادیں، اور ان کو جلاوطن ہونے کی اجازت دے دیں، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، اس طرح سے ان لوگوں کو مدینہ منورہ سے مقام ”اذرعات“ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الِي قَوْلِهِ) جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدْعَ إِلَّا مُسْلِمًا. (۹۳ سطر ۱۹ تا ۲۱)

### تشریح

قوله: لَا تُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ (ص ۹۳ سطر ۲۱)  
حضرت عمر بن خطابؓ کی اس روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں ضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا“  
اور پھر وقتاً فوقتاً جلاوطنی کے واقعات پیش آئے، حتیٰ کہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو مکمل طور پر یہودیوں سے پاک فرمادیا۔

(۲۱)

باب جواز قتال من نقض العهد...

(عہد شکنی کرنے والے سے جنگ کرنے کے جواز کے احکام)

اس باب میں یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ کے ہلاک کرنے کا ذکر ہے، غزوہ خندق میں

بنو قریظہ نے کفار مکہ کا ساتھ دیا، اور حضور ﷺ کے ساتھ جو ان کا معاہدہ تھا، کہ نہ حضور ﷺ سے لڑیں گے، اور نہ ہی حضور ﷺ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، اسکی صراحت خلاف ورزی کی، اس لئے غزوہ خندق سے فارغ ہوتے ہی حضرت جبریل امین آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے، اور عرض کیا کہ آپ ﷺ نے ابھی سے اپنے ہتھیار اتار دیئے، ابھی تو ایک اور مہم باقی ہے، اور وہ بنو قریظہ ہیں، چنانچہ آپ ﷺ بنو قریظہ کی طرف تشریف لے گئے، اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا، اس محاصرے کے دوران انہوں نے اپنے حلیف انصاری قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم مقرر کیا، اور کہا کہ جو فیصلہ وہ کریں گے، وہ ہمیں منظور ہوگا، ان کا خیال یہ تھا کہ جس طرح بنو نضیر کے معاملہ میں ان کے حلیف خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی نے ان کی جان بخشی کروائی تھی، اور حشی الامکان کچھ مال و اسباب بھی ساتھ لیجانے کی اجازت دلوادی تھی، حضرت سعد بھی اسی طرح کریں گے، اس لئے انہوں نے ان سے یہ امید باندھ کر ان کو حکم مقرر کیا، حضرت سعد بن معاذؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے تمام جنگجو آدمیوں کو قتل کر دیا جائے، اور باقی مردوں اور عورتوں کو غلام اور باندی بنالیا جائے، اور جو مال و اسباب ہے، اس کو مالی غنیمت کے طور پر تقسیم کر لیا جائے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: نَزَلَ أَهْلُ قَرْيَظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدٍ، فَأَتَاهُ عَلَى حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا قَرِيبًا مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ: قُومُوا إِلَيَّ سَيِّدُكُمْ أَوْ خَيْرُكُمْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ، قَالَ: تَقْتُلُ مُقَاتِلَتَهُمْ وَتَسْبِي ذُرِّيَّتَهُمْ، قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَضَيْتُ بِحُكْمِ اللَّهِ، وَرُبَّمَا قَالَ: قَضَيْتُ بِحُكْمِ الْمَلِكِ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ الْمُثَنَّى وَرُبَّمَا قَالَ: قَضَيْتُ بِحُكْمِ الْمَلِكِ. (ص ۹۵ سطر ۱ تا ۵)

### تشریح

کسی کے آنے پر اس کے لئے کھڑے ہونے کی سات صورتیں

قولہ: قُومُوا إِلَيَّ سَيِّدُكُمْ (ص ۹۵ سطر ۳، ۴)

جب حضرت سعد بن معاذ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا: ”قوموا الی سیدکم“ ”اپنے سردار کے لئے اٹھو!، یا فرمایا کہ اپنے سے بہتر شخص کے لئے اٹھو!“

کسی کے آنے پر اس کے لئے کھڑا ہونے کا کیا حکم ہے؟ اس کی شارحین نے سات صورتیں بیان فرمائی ہیں:

- (۱) ... ایک صورت یہ ہے کہ سردار بیٹھا رہے، اور باقی تمام لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں، جیسا کہ عجمی بادشاہوں کا طریقہ رہا ہے، تعظیم کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔
- (۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ سردار اپنے لئے کھڑے ہونے کو پسند کرے، یعنی اس کی چاہت یہ ہو کہ جب میں آؤں، یا بیٹھوں، تو لوگ میری تعظیم میں کھڑے ہوں، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔
- (۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کھڑے ہونے کی چاہت تو نہیں رکھتا، لیکن اس کے لئے کھڑے ہونے میں اس کے تکبر، خود پسندی اور عجب میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں اس کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔
- ان تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتیں ناجائز اور تیسری صورت مکروہ ہے، جبکہ آگے تین صورتیں بالکل جائز اور مندوب ہیں۔
- (۴) ... کسی کے لئے کھڑا ہونے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص سفر سے واپس آئے، تو اس کے لئے کھڑا ہونا مندوب ہے، یہ صورت حضور ﷺ سے ثابت بھی ہے۔
- (۵) ... پانچویں صورت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائیں، کوئی خوشی عطا فرمائیں، اور اس پر اس کو مبارکباد دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں، یہ صورت بھی مندوب ہے۔
- (۶) ... چھٹی صورت یہ ہے کہ کسی کو کوئی صدمہ یا تکلیف پہنچ جائے، تو تسلی دینے کے لئے اس کے آنے پر کھڑے ہو جائیں، یہ بھی مندوب ہے۔
- (۷) ... ساتویں صورت یہ ہے کہ کسی کے آنے پر اکراماً کھڑا ہونا، جیسے استاد درس گاہ میں آئے، تو ان کی تعظیم میں کھڑا ہونا، یا شیخ آئے، تو ان کی تعظیم میں کھڑا ہونا، یا ماں باپ آئیں، تو ان کی تعظیم

میں کھڑا ہوتا۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صحابہ کرامؓ کے پاس تشریف لاتے تھے، تو آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے اپنے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند فرماتے تھے۔

لیکن جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ کا کسی چیز کو اپنے لئے ناپسند کرنا اس کے ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ فی نفسہ جائز ہو، لیکن آپ ﷺ اپنے لئے اس کو ناپسند فرماتے ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ کسی کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے، ان کی دلیل حضور ﷺ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کا عمل ہے کہ جب حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، تو وہ حضور ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں، اور جب حضرت بی بی فاطمہؓ حضور ﷺ کے پاس تشریف لاتیں، تو حضور ﷺ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے<sup>(۱)</sup>، اسی طرح اپنے بڑے یا استاذ کے لئے بھی کھڑا ہونا چاہئے، اگر کوئی استاذ منع کر دے، تو اس کے لئے نہ کھڑے ہوں، ورنہ ہر استاذ کے لئے کھڑا ہونا چاہئے۔

قوله : فقال النبي ﷺ : قضيت بحكم الله (ص ٩٥ سطر ٣)

آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ سن کر فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح سے بنو قریظہ کا خاتمہ ہوا۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أُصِيبَ سَعْدٌ  
يَوْمَ الْخَنْدَقِ، رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْعَرِيقَةِ رَمَاهُ فِي الْأُكْحَلِ،  
فَضْرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَمَةً فِي الْمَسْجِدِ يَعُودُهُ  
مِنْ قَرِيبٍ، (الى قوله) فَرَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُكْمَ فِيهِمْ  
إِلَى سَعْدٍ، قَالَ: فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ، وَأَنْ تُسَبَى الذَّرِيَّةُ  
وَالنِّسَاءُ، وَتُقَسَمَ أَمْوَالُهُمْ. (ص ٩٥ سطر ٢، ٤)

تشریح

قوله : رماه في الأكحل (ص ٩٥ سطر ٤)



حضرت سعدؓ کو جنگ خندق میں ایک کافر نے تیر مارا، جوان کی رگوا کحل میں لگا۔

(الاکحل) هو عرق فی وسط الذراع إذا قطع لم یبق الدم، قال النووی: و

هو عرق الحیاة فی کل عضو منه شعبة لها اسم. (۱)

حدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ سَعْدًا، قَالَ وَتَحَجَّرَ كَلْمُهُ  
لِلْبُرءِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ، إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَ فِيكَ  
مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْرَجُوهُ، اللَّهُمَّ، فَإِنْ  
كَانَ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ، فَأَبْقِنِي أُجَاهِدْهُمْ فِيكَ، اللَّهُمَّ، فَإِنِّي  
أُظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، فَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ  
بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَأَفْجُرْهَا، وَاجْعَلْ مَوْتِي فِيهَا، فَأَنْفَجِرْثُ مِنْ لَبِّيهِ، فَلَمْ يَرُغْهُمْ  
وَفِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا وَالِدُمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا: يَا  
أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قَبْلِكُمْ، فَإِذَا سَعَدٌ جُرْحُهُ يَغْدُ دَمًا،  
فَمَاتَ فِيهَا. (ص ۹۵ سطر ۱۲ تا ۱۵)

### تشریح

قوله: وَتَحَجَّرَ كَلْمُهُ لِلْبُرءِ (ص ۹۵ سطر ۱۲)

”تحجر“ کا معنی ہے: سخت ہو گیا۔ ”کلم“ زخم کو کہتے ہیں۔ ”للبوء“ اچھا ہونے کے لئے۔

جب حضرت سعد کا زخم (خسک ہو کر) سخت ہو گیا، (۲) تو انہوں نے دعا کی کہ یا اللہ! اگر قریش سے دوبارہ جنگ باقی ہے، تو مجھے زندہ رکھیے، تاکہ میں اس لڑائی میں بھی شریک ہوں، اور اگر ان سے کوئی جنگ باقی نہیں ہے، تو یا اللہ! اس زخم کو جاری فرما دیجئے، تاکہ میں اس میں شہید ہو جاؤں، چنانچہ ان کے زخم سے خون جاری ہو گیا، اور پھر اسی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت سعدؓ کی طرف سے یہ موت کی تمنا نہیں تھی، بلکہ شہادت کی تمنا تھی (۳)، اور شہادت کی تمنا عین عبادت ہے، اس میں ان کی دعا کی قبولیت بھی ظاہر ہوئی کہ غزوہ خندق کے بعد فتح مکہ

(۱) شرح حواشی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵

(۲) مسروق لا نور، حرف النحاء ج ۱ ص ۳۵۲۔

(۳) شرح حواشی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵

سے پہلے کفار سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی، اور فتح مکہ میں بھی عام طور پر لڑائی نہیں ہوئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہایت رعب اور دبدبے کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخلہ نصیب فرمایا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْكُوفِيُّ، قَالَ نَا عَبْدَهُ، عَنْ هِشَامِ بِهَذَا  
الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: فَأَنْفَجَرَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَمَا زَالَ يَسِيلُ حَتَّى مَاتَ،  
وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ، قَالَ: فَذَاكَ حِينَ يَقُولُ الشَّاعِرُ

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ... فَمَا فَعَلْتَ قَرِيبَةَ وَالنَّضِيرُ  
لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ... غَدَاةَ تَحْمَلُوا لَهُوَ الصُّبُورُ  
تَرَكْتُمْ قَدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا... وَقَدَرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ  
وَقَدْ قَالَ الْكَرِيمُ أَبُو حُبَابٍ... أَقِيمُوا قَيْنِقَاعَ وَلَا تَسِيرُوا  
وَقَدْ كَانُوا يَبْلُدِيهِمْ ثِقَالًا... كَمَا ثَقُلْتُ بِمِطَانَ الصُّخُورُ

(ص ۹۵ سطر ۱۶ تا ص ۹۶ سطر ۲)

## تشریح

قوله: أَلَا يَا سَعْدُ، سعد بنی معاذ فَمَا فَعَلْتَ قَرِيبَةَ وَالنَّضِيرُ (ص ۹۵ سطر ۱)  
یہ اشعار جبل بن جوال الثعلبی نامی ایک شاعر کے ہیں، جس وقت اس نے یہ اشعار کہے،  
اس وقت وہ مسلمان نہیں تھا، ان اشعار میں اس نے سعد بن معاذ کی مذمت کی ہے، کیونکہ انہوں نے  
بنو قریظہ کی حمایت اور مدد نہیں کی، اور ان کی جان بچانے کی کوشش نہیں کی، اور عبد اللہ بن ابی جو  
قبیلہ خزرج کا رئیس تھا، اس کی تعریف کی ہے، کیونکہ اس نے بنو قینقاع کی مدد کی تھی، اور ان کی جان  
بچائی تھی۔ (۱)

(۲۲)

## باب المبادرة بالغزو

(جہاد میں جلد جانے اور دو متعارض کاموں میں سے اہم کام کو پہلے کرنے کا بیان)  
اس باب میں بنو قریظہ پر حملہ کرنے کا ذکر ہے، پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ مدینہ منورہ

میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبیلے آباد تھے:

(۲) ... بنو قینقاع

(۱) ... بنو نضیر

(۳) ... بنو قریظہ

بنو قریظہ نے غزوہ خندق کے موقع پر کفار مکہ کی مدد کی، اور انہیں حضور ﷺ کے خلاف ابھارا، اور ان کا ساتھ دیا، چنانچہ غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے، تو آپ ﷺ نے غسل فرمایا، کپڑے تبدیل فرمائے، اور خوشبو لگائی، اسنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے، اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ ﷺ نے ہتھیار بھی رکھ دیے، دیکھیں! ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے، ابھی تو ایک معرکہ باقی ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کہاں چلنا ہے؟ کہا کہ بنو قریظہ پر حملہ کرنا ہے۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ أَسْمَاءَ الضَّبْعِيُّ، (المرسل عنه) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَادَى فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ انْصَرَفَ عَنِ الْأَحْزَابِ أَنْ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُ الظُّهْرِ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ، فَتَحَوُّفَ نَاسٍ فَوُتَ الْوَقْتُ، فَصَلُّوا دُونَ بَنِي قُرَيْظَةَ، وَقَالَ آخَرُونَ: لَا نُصَلِّي إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ، قَالَ: فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِّنَ الْفَرِيقَيْنِ. (ص ۹۶ سطر ۲ تا ۴)

## تشریح

قولہ : نادى فینا رسول اللہ ﷺ یوم انصرف عن الأحزاب

(ص ۹۶ سطر ۲، ۳)

حضرت جبریل علیہ السلام کی زبانی پیغام سن کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو پکارا اور حکم دیا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ میں، اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ فوراً بنو قریظہ پہنچ جائیں، اور وہیں جا کر ظہر کی نماز پڑھیں۔

## ایک اشکال

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ میں

جا کر پڑھے، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ میں۔

### جواب

اس اشکال کو اس طرح دور کیا گیا ہے کہ جس وقت بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا گیا، اس وقت ظہر کا وقت شروع ہو چکا تھا، کچھ لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی، کچھ نے نہیں پڑھی تھی، جن لوگوں نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، ان کے لئے یہ حکم تھا کہ ظہر کی نماز یہاں نہیں پڑھنی، بلکہ بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھنی ہے، اور جن لوگوں نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ لی تھی، ان کے لئے حکم ہوا کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر پڑھیں، اس بناء پر ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس حکم کے بعد صحابہ کرامؓ جب فوراً تیاری کر کے بنو قریظہ پہنچے، راستے میں عصر کی نماز قضا ہونے کا خطرہ ہوا، اب صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا کہ ہم عصر کی نماز راستے میں ہی اپنے وقت پر پڑھ لیں، یا بنو قریظہ پہنچ کر قضا کر لیں، بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ راستے میں بالکل بھی عصر کی نماز نہیں پڑھنا، گویا انہوں نے حضور ﷺ کی نہی کو ”نہی حقیقی“ پر محمول کیا، اور کہا کہ جب حضور ﷺ نے منع فرمادیا، تو اب عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچ کر ہی پڑھیں گے، چاہے قضا ہو جائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور بنو قریظہ پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔

اور بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کا منع فرمان، ”نہی حقیقی“ نہیں ہے، بلکہ ”نہی مجازی“ ہے، آپ ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ نماز عصر قضا کر دینا، مقصد یہ تھا کہ بنو قریظہ جد سے جلد پہنچو، لہذا انہوں نے راستے میں رک کر عصر کی نماز پڑھی، اور نماز پڑھ کر پھر بنو قریظہ پہنچے۔

قوله : فما عنف واحدا من الفريقين الخ

یہ دونوں قسم کی صورت حال آپ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی، تو کسی بھی فریق پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، وجہ اس کی یہ تھی کہ دونوں طرف مجتہد تھے، اور مجتہد اگر خطا بھی کرے، تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۹۶

(۲) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۹۶

(۲۳)

باب رد المهاجرين إلى الأنصار من الشجر

والشمر حين استغنوا عنها بالفتوح

(اس باب میں انصار کے عطایا اور منائح واپس کرنے کا ذکر ہے)

”عطایا“ جمع ہے ”عطیۃ“ کی۔ ”منائح“ جمع ہے ”منیحة“ کی، اور عطیۃ اور منیحة کسی

کو ہدیہ دینے کو کہتے ہیں۔

ہدیہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ہدیہ وہ ہوتا ہے، جس میں مالکانہ حقوق بھی ”مہدی الیہ“ کو دے

دیے جاتے ہیں۔ اور ایک ہدیہ وہ ہوتا ہے، جو عاریت کے طور پر دیا جاتا ہے، حدیث میں عاریت کے طور پر دینا مراد ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت مهاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو مدینہ

منورہ میں نہ ان کی زمینیں تھیں، نہ ان کے مکانات تھے، اور نہ ان کے پاس کوئی خاص مال و دولت تھا، مالدار مهاجرین صحابہ کی تعداد بہت کم تھی، اکثر فقراء، غرباء اور مساکین تھے، اس وقت انصار مدینہ نے ایثار و قربانی کی ایسی مثال قائم کی کہ آج تک ان کا روشن مینار چمک رہا ہے، کوئی قوم آج تک اس کی نظیر پیش نہیں کر سکی، اور نہ - إن شاء اللہ تعالیٰ - کر سکے گی، انہوں نے اپنے کجیور کے باغات مهاجرین کو بطور مستعار ہدیہ کے دے دیے، اور کہا کہ یہ آپ لے لیں، جو پھل آئے، وہ آپ کا ہوگا، پھر بعض مهاجرین ایسے تھے کہ جنہوں نے ایک شرط کے ساتھ لینے پر رضامندی ظاہر کی کہ ہم اس میں محنت کریں گے، جو پھل آئے گا، اس کو آدھا آدھا تقسیم کر لیں گے، اس کو ”مساقاۃ“ کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا، - وَقَالَ  
 حَامِدًا، وَابْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَنَّ الرَّجُلَ - كَانَ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ النَّخْلَاتِ مِنْ أَرْضِهِ حَتَّى فُتِحَتْ عَلَيْهِ قُرَيْظَةُ وَالنَّصِيرُ، فَجَعَلَ بَعْدَ  
 ذَلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مَا كَانَ أُعْطَاهُ، قَالَ أَنَسٌ: وَإِنَّ أَهْلِي أَمْرُونِي أَنْ آتِيَ النَّبِيَّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْأَلَهُ مَا كَانَ أَهْلُهُ أُعْطَوْهُ أَوْ بَعْضَهُ، وَكَانَ نَبِيُّ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُعْطَاهُ أَمْ أَيْمَنَ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيهِنَّ، فَبَجَاءَتْ أُمُّ أَيْمَنَ فَبَجَعَتِ الثُّوبَ فِي عُنُقِي، وَقَالَتْ: وَاللَّهِ، لَا نُعْطِيكَاهُنَّ وَقَدْ أَعْطَانِيهِنَّ، فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أُمُّ أَيْمَنَ، اتْرُكِه وَلَكَ كَذَا وَكَذَا، وَتَقُولُ: كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَبَجَعَلَ يَقُولُ: كَذَا حَتَّى أَعْطَاهَا عَشْرَةَ أَمْثَالِهِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرَةِ أَمْثَالِهِ. (ص ۹۶ سطر ۲۱ ص ۹۷ سطر ۱)

## تشریح

### چار حضرات کا تعارف

حدیث میں حضرت ام سلیمؓ، ان کے صاحبزادے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی طلحہؓ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہم کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ مشہور صحابی ہیں، حضرت ام سلیمؓ ان کی اہلیہ ہیں، حضرت انسؓ، حضرت ام سلیمؓ کے پہلے شوہر کے بیٹے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن ابی طلحہؓ، یہ حضرت ام سلیمؓ کے دوسرے بیٹے ہیں، جو حضرت ابو طلحہ انصاریؓ سے ہیں، حضرت انسؓ حضور ﷺ کے خادم ہیں، جنہوں نے دس سال حضور ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی، ان کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے حضور ﷺ کو اپنا ایک کھجور کا درخت بطور مستعار دیا تھا، کہ پھل آپ ﷺ کا، اور درخت ہمارا، آپ ﷺ نے وہ درخت حضرت ام ایمنؓ کو عطا فرما دیا، حضرت ام ایمنؓ آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی باندی تھیں، یہ حبشہ کی رہنے والی تھیں، اور انہوں نے بچپن میں حضور ﷺ کی پرورش کی تھی، اور آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا، اس لئے یہ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ بھی ہیں، آپ ﷺ کے والد ماجد کے بعد یہ آپ ﷺ کے حصے میں آئیں، تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرما دیا، اور حضرت زید بن حارثہؓ جو آپ ﷺ کے متبنی (منہ بولے بیٹے) تھے، اُن سے ان کا نکاح کر دیا، ان سے حضرت اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے بھی حضور ﷺ کو اولاد کی طرح محبت تھی، حضور ﷺ کے وصال کے چار پانچ ماہ بعد حضرت ام ایمنؓ بھی وفات پا گئی تھیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "الإصابة في معرفة الصحابة" فصل فيمن عرفوا بكه من بني هاشم، ج ۱، ص ۷۰



جب آپ ﷺ نے حضرت اُمّ ایمنؓ کو کھجور کا درخت دیا، تو وہ یہ سمجھیں کہ آپ ﷺ نے مجھے مالکانہ طور پر عطا فرمایا ہے، حالانکہ مالکانہ طور پر نہیں دیا تھا، بلکہ مستعار دیا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب خیبر فتح کر دیا، تو خیبر چونکہ سونے کی چڑیا تھی، وہاں سے صحابہ کرامؓ کو بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا، جو آپ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرمایا، مہاجرین سارے کے سارے مالدار ہو گئے، اور چونکہ یہ سب حضرات غیرت مند تھے، اور بحالتِ مجبوری ان منافع و عطایا پر گزارہ کر رہے تھے، لہذا جیسے ہی اللہ پاک نے ان کو فراخی اور وسعت عطا فرمائی، انہوں نے اپنے انصاری بھائیوں کے باغات، جو بطور مستعار ان کے پاس تھے، یا بطور مساقاۃ ان کے پاس تھے، وہ واپس کرنے شروع کر دیے۔

اسی طرح یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں، یعنی بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے ختم ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کے پاس بھی کافی مال اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آگیا، آپ ﷺ نے بھی وہ اموال، جو انصار کی طرف سے آپ ﷺ کو ملے تھے، انصار کو لوٹانے شروع کیے، اس موقع پر حضرت اُمّ سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ ہمارا جو درخت حضور ﷺ کے پاس ہے، وہ جا کر واپس لے لو، اور واپس لینے میں اصلاً ان کی دل کی چاہت نہیں تھی، بلکہ یہ پیش نظر تھا کہ جب حضور ﷺ خود ہی واپس کر رہے ہیں، تو ہم بھی حضور ﷺ کے استعمال میں رہنے والے درخت کو واپس لے لیں۔

قوله: فجاءت ام ایمن فجعلت الثوب فی عنقی، (ص ۹۶ سطر ۱۵، ۱۶)

چنانچہ حضرت انسؓ نے حضور ﷺ سے جا کر درخواست کی، تو حضور ﷺ نے حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا کہ بھئی! وہ درخت واپس دے دو، انہوں نے انکار کر دیا، اور حضرت انسؓ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کہا کہ میں نہیں دوں گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ام ایمنؓ! اس کو چھوڑ دو، اور اتنا اتنا لے لو، انہوں نے کہا کہ "کلا" ہرگز نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو اس درخت کے دس گنایا اس کے قریب قریب درخت دیے، تب جا کر وہ دینے پر راضی ہوئیں۔

ان کا انکار اس بناء پر تھا کہ وہ یہ سمجھی تھیں کہ حضور ﷺ نے ملکیت کے طور پر دیا ہے، حالانکہ وہ

عاریت کے طور پر تھا، اور حضور ﷺ نے ان کی طرف سے جو سختی برداشت کی، وہ اس لئے کی کہ وہ ماں کی جگہ تھیں، اور آپ ﷺ نے ازراہِ تہرع و احسان ان کے ساتھ یہ سلوک فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

### مشکل الفاظ کے معانی

”العقار“ عقار ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس کی کوئی جڑ ہو، یہاں اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، کیونکہ اس کی بھی جڑ ہوتی ہے، اور اسی طرح مکان کی جڑ بھی زمین کے اندر ہوتی ہے، اس لئے مکان کو بھی ”عقار“ کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> ”منانحہم“ منائح: منیحة کی جمع ہے، منیحة اس عطیہ کو کہتے ہیں، جو کسی کو بطور عاریت کے دیا جائے۔<sup>(۳)</sup> ”عِداق“ جمع ہے ”عِداق“ کی، کھجور کا درخت۔<sup>(۴)</sup> ”وصیفة“ باندی کو کہتے ہیں۔<sup>(۵)</sup>

(۲۴)

### باب جواز الأكل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب

(دارالحرب میں مالِ غنیمت کی کھانے کی چیز کھانا جائز ہے)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ، قَالَ: أَصَبْتُ جِرَابًا مِنْ شَحْمٍ، يَوْمَ خَيْبَرَ، قَالَ: فَالْتَزَمْتُهُ، فَقُلْتُ لَا أُعْطَى الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هَذَا شَيْئًا، قَالَ: فَالْتَفْتُ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَسِّمًا.

(ص ۹۷ سطر ۳۷۱)

### تشریح

”جراب“ چمڑے کا تھیلا۔<sup>(۶)</sup> ”شحم“ چربی۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خیبر کے دن ایک چمڑے کا تھیلا ملا، جس میں کھانا اور چربی وغیرہ تھی، میں نے لپک کر اسے پکڑا اور اسے دبا لیا، اور کہا کہ میں آج کسی کو اس میں سے کوئی چیز نہیں دوں گا، فرماتے ہیں کہ میں نے مڑ کر دیکھا، تو وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ موجود تھے، اور آپ ﷺ (میری حالت) پر تبسم فرما رہے تھے۔

(۱) شرح نووی ج ۲ ص ۹۷

۲۔ العرب حروف برء ماده ”عقر“ ۵۹۱/۳

۳۔ ثانی فی عرب الحدیث ثمر محشری حروف الغیم مع النون. ۲۳۵/۱

(۴)۔ ثانی فی عرب الحدیث حروف العین مع الدال ۲۸۸/۱۰

۵۔ العرب حروف لواء ماده ”وصف“ ۳۵۶/۹

۶۔ العرب حروف صلی صلیح مسلم ج ۲ ص ۹۷

اس باب میں دو مسئلے سمجھنے کے ہیں:

(۱) ... دارالْحَرْب میں مجاہدین مالِ غنیمت کس حد تک استعمال کر سکتے ہیں؟

(۲) ... یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟

### دارالْحَرْب میں مالِ غنیمت کے استعمال کی حد

پہلے مسئلے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک لشکرِ اسلام دارالْحَرْب کے اندر ہے، وہاں مالِ غنیمت میں جو کچھ بھی ہے، اس کا استعمال مجاہدین کے لئے جائز ہے، کھانے کی چیز ہو، تو کھانا جائز ہے، پینے کی چیز ہو، تو پینا جائز ہے، پہننے کی چیز ہو، تو پہننا، اور سواری کی چیزیں ہوں، تو ان پر سواری کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر اسلحہ ہو، تو اسلحہ وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے، چاہے امام سے اجازت لیں، یا نہ لیں، تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسی صورت میں استعمال کرنے سے پہلے امام سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر پوچھے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اسلحہ استعمال کرنے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ اس میں امام سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ اسکو بیچنا جائز نہیں ہے، اور اسی طرح اُس کو اٹھا کر دارالاسلام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر اٹھالیا ہو، تو اس کو مالِ غنیمت میں واپس کرنا لازم ہے، اور اگر بیچ دیا ہو، تو اس کا بدل مالِ غنیمت میں واپس کرنا واجب ہے۔<sup>(۱)</sup>

چونکہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کو خیبر میں کھانے اور چربی سے بھرا ہوا تھیلا ملا تھا، اور انہوں نے اس کو اپنے ذاتی استعمال کیلئے اٹھایا تھا، اس لئے نہ تو انہوں نے اجازت لی، اور نہ ہی حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا جو اسکے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

### یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، یا حرام؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ یہ چربی کسی یہودی کے جانور کی تھی، جس کو ظاہر ہے، اسی یہودی نے ذبح کیا ہوگا، تو آیا یہودی کا ذبیحہ حلال ہے، یا نہیں؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ذبیحہ حلال ہے، جبکہ یہودی واقعتاً یہودی ہو، یعنی صرف نام کا یہودی نہ ہو، بلکہ مذہب کے

اعتبار سے یہودی ہو، آسمانی شریعت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک ایک شرط اور ہے کہ یہودی نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام بھی لیا ہو، جبکہ شوافع کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔

بہر حال حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہودیوں کے ذبیحہ کو بلا کراہت حلال کہتے ہیں، اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حلال ہے، لیکن مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲۵)

## باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی هرقل ملک الشام یدعوہ إلی الإسلام

(دعوتِ اسلام کے خطوط ملکِ شام کے بادشاہ ہرقل کے نام)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ، أَخْبَرَهُ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيهِ، قَالَ: انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا بِالشَّامِ إِذْ جَاءَ بِكِتَابٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَقْلَ يَعْنِي عَظِيمَ الرُّومِ، قَالَ: وَكَانَ دَحِيَّةُ الْكَلْبِيِّ جَاءَ بِهِ، فَدَفَعَهُ إِلَيَّ عَظِيمَ بَصْرَى، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بَصْرَى إِلَى هِرَقْلَ، فَقَالَ هِرَقْلُ: هَلْ هَاهُنَا أَحَدٌ مِنْ قَوْمِ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَدَعَيْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَدَخَلْنَا عَلَى هِرَقْلَ، فَأَجْلَسَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا مِنْ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَقُلْتُ: أَنَا، فَأَجْلَسُونِي بَيْنَ يَدَيْهِ، وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي، ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهِ، فَقَالَ لَهُ: قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا عَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذْبُوهُ، (الی قولہ) قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سَجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ، قَالَ: فَهَلْ

يَغْدِرُ؟ قُلْتُ: لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ فِيهَا، قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا أُمَكِّنُنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ، قَالَ: فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ لِيَرْجُمَانِي: قُلْ لَهُ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ حَسْبِهِ، فَرَعَمْتُ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو حَسَبٍ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ، فَرَعَمْتُ أَنْ لَا، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهِ، وَسَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضْعَافُورُهُمْ أَمْ أَشْرَافُهُمْ، فَقُلْتُ: بَلْ ضَعْفَاؤُهُمْ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهَمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ؟ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا، فَقَدْ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدْعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ يَذْهَبَ فَيَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَهُ سَخَطُهُ لَهُ؟ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بِشَاشَةَ الْقُلُوبِ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ؟ فَرَعَمْتُ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حَتَّى يَتِمَّ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ فَرَعَمْتُ أَنَّكُمْ قَدْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سَجَالًا يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَسْأَلُونَ مِنْهُ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَغْدِرُ؟ فَرَعَمْتُ أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ، وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ؟ فَرَعَمْتُ أَنْ لَا فَقُلْتُ: لَوْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ رَجُلٌ أَنْتُمْ بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: بِمِ يَأْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ: بِأَمْرِنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصَّلَاةِ وَالْعَقَافِ، قَالَ: إِنْ يَكُنْ مَا تَقُولُ فِيهِ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ، وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ، وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ، وَلَوْ أَنِّي أَعْلَمْتُ أَنِّي أَخْلَصُ إِلَيْهِ لَأَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَعَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، وَلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ، قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى هِرَقْلَ  
عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ  
الْإِسْلَامِ أَسْلِمُ تَسْلِمًا، وَأَسْلِمُ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ  
عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ”يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا  
وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (الى قوله) فَقُولُوا اشْهَدُوا  
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ“ فَلَمَّا قَرَعَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ عِنْدَهُ  
وَكَثُرَ اللَّغَطُ، وَأَمَرَ بِنَا فَأَخْرَجَنَا، قَالَ، فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ خَرَجْنَا: لَقَدْ  
أَمَرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ لَيَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ، قَالَ: فَمَا زِلْتُ  
مُوقِنًا بِأَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَيُظْهَرُ، حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ  
عَلَى الْإِسْلَامِ. (ص ۹۷ سطر ۵ تا ۹۸ سطر ۳)

### تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ وہ روایت لائے ہیں، جس میں حضور اکرم ﷺ کے ہرقل شاہ  
روم کے نام اپنا مکتوب مبارک روانہ فرمانے کا ذکر ہے، جس وقت آپ ﷺ نے اپنا یہ مکتوب ہرقل کے  
پاس بھیجا، اس وقت ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) روم میں موجود تھے، ہرقل نے  
مکتوب ملنے کے بعد ابوسفیان کو بلا کر روایت میں مذکور سوالات کئے، یہ سوالات مشہور و معروف ہیں، ان  
کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

### لفظی تشریح

”ہرقل“ اس کو ہکسر الہاء وفتح الراء وسکون القاف ”ہرقل“ بھی پڑھ سکتے  
ہیں، اور باسکان الراء وکسر القاف ”ہرقل“ بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ روم کے بادشاہ کالقب  
ہے، جیسے ”کسری“ ایران کے بادشاہ اور ”فرعون“ قبلی قوم کے بادشاہ کالقب ہے۔<sup>(۱)</sup>

”دحیہ کلبی“ یہ حضور ﷺ کے مشہور صحابی ہیں، آخر ان کی شکل میں حضرت جبریل امین



عبدالسلام تشریف لایا کرتے تھے<sup>(۱)</sup>، ان کے ذریعہ آپ ﷺ نے ہر قل کی طرف مکتوب مبارک روانہ فرمایا۔

قوله : تكون الحرب بيننا وبينه سجال (ص ۹۷ سطر ۱۳)

”سجال“ ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ ڈول کتوں میں کبھی اوپر آتا ہے اور کبھی نیچے جاتا ہے، اس لئے لڑائی کو اس سے تشبیہ دی کہ لڑائی میں کبھی وہ غالب اور ہم مغلوب، اور کبھی ہم غالب اور وہ مغلوب۔ اس سے غزوہ بدر اور غزوہ احد کی طرف اشارہ ہے۔

قوله : قال : فهل يغدر ؟ قلت : لا ، ونحن منه في مدة لا ندري ما هو صانع

فيها (ص ۹۷ سطر ۱۳، ۱۴)

اس کے بعد ہر قل نے پوچھا کہ کیا کبھی انہوں نے دھوکا بازی یا معاہدے کی خلاف ورزی کی؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ نہیں، البتہ ان دنوں ہمارا ان سے ایک معاہدہ (صلح حدیبیہ کا) چل رہا ہے، اور ہمیں معلوم نہیں کہ آگے چل کر وہ اس معاہدے میں کیا کریں گے۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! سوائے اس ایک جملے کے کوئی اور چیز مجھے ایسی نہیں ملی، جس کو میں محمد ﷺ کو نیچا دکھانے کے لئے استعمال کرتا۔

”ہشاشت“ کے معنی ”انشریح قلب“ کے آتے ہیں، جب کوئی خوشی کی چیز انسان دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله : إن يكن ما نقول فيه حقا فإنه لبي ..... (ص ۹۸ سطر ۶، ۷)

ہر قل نے کہا کہ اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، صحیح ہیں تو بے شک وہ نبی ہیں۔

کیا ہر قل مسلمان تھا؟

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی وجہ سے ہر قل مسلمان ہوا یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر قل ان الفاظ کو کہنے کی وجہ سے مسلمان ہو گیا، کیونکہ آگے اس کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھو کر پی لیتا۔

(۱) بحسنہ فتح المنہم ج ۳ ص ۱۳۹ بحسب هذا الحديث

(۲) سنن ابی داؤد علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۸

جبکہ بعض دیگر حضرات نے کہا کہ ہر قل ان الفاظ کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوا، دلیل اس کی یہ ہے، جیسا کہ اسی حدیث میں آگے آرہا ہے کہ جب وہ مکتوب پڑھ کر فارغ ہوا تو ”ارتفعت الأصوات عنده“ یعنی ایک دم لوگوں نے شور برپا کر دیا، جسے بھانپ کر (دوسری روایت کے مطابق) ہر قل نے اپنی قوم سے کہا کہ بس، میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا، تا کہ دیکھوں کہ تم اپنے دین میں کچے ہو یا پکے؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

علامہ عینی ”عمدة القاری“ میں فرماتے ہیں کہ اس کے مسلمان نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ غزوہ موتہ میں ہر قل نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ فوج تیار کر کے بھیجی تھی (۱)، جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر اس نے حضور ﷺ کو خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے اس کے خط کے جواب میں فرمایا کہ یہ جھوٹا ہے اور عیسائی مذہب ہی پر ہے، لہذا ان دلائل کی بناء پر اس کو مسلمان نہیں کہا جائے گا، البتہ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ (۲)

### غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم

قوله : سلام علی من اتبع الهدی ..... الخ (ص ۹۸ سطر ۹)

ہر قل کے نام خط میں آپ ﷺ نے ”بسم اللہ“ لکھی، پھر لکھا ”سلام علی من اتبع الهدی“ جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ بالکل ناجائز ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مطلقاً سلام کرنا جائز ہے۔

جبکہ بعض دیگر علماء تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جہاں سلام کرنے میں کوئی ضرورت ہو، مثال کے طور پر اگر سلام نہیں کریں گے تو جان جانے کا خطرہ ہے، یا ناقابل برداشت تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے، تو ایسی ضرورت کی جگہ میں بقدر ضرورت سلام کرنے کی گنجائش ہے، اور جہاں ضرورت نہ ہو، وہاں

(۱) عمدة القاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۲۵۸، ۲۵۹۔

(۲) مکملہ صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۳۔

سلام کرنے کی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup> جبکہ صحیحین میں سلام کرنے کی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:

”لا تبدءوا الیہود والنصارى بالسلام“<sup>(۲)</sup>

قولہ : یؤتک اللہ اجرک مرتین الخ (ص ۹۸ سطر ۹، ۱۰)

اللہ تعالیٰ دو مرتبہ اجر عطا فرمائیں گے، ایک اجر انجیل پر ایمان لانے کی وجہ سے، اور ایک

اجر قرآن مجید پر ایمان لانے کی وجہ سے۔

”الاریسین“ بعض روایات میں ”الیریسین“ ہے، اس کے تین معنی آتے ہیں:

(۱) ... کاشتکار، رومی زیادہ تر کاشتکاری کرتے تھے۔

(۲) ... نوکر چاکر، حشم و خدم، چونکہ غلام اور باندیاں اپنے آقا کے تابع ہوتی ہیں، اس لئے فرمایا کہ اگر تم

مسلمان نہ ہوئے تو تم خود بھی گنہگار اور تمہارے نوکر چاکر وغیرہ کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔

(۳) ... سرکاری عہدیدار، ذی منصب لوگ۔<sup>(۳)</sup>

قولہ : لقد أمر امر ابن ابی کبشۃ.... الخ (ص ۹۸ سطر ۱۰، ۱۱)

ابو کبشۃ آپ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں، اس لئے ابوسفیان نے آپ ﷺ کی

(۱) حضرت نبی کریم ﷺ کے اس نام مبارک سے دعوت اسلام کے بھی کئی آداب معلوم ہوئے ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں نقل لئے جا رہے ہیں

(الف) آپ ﷺ نے اس خط میں حرقل کو ”ابن حرقل عظیم الروم“ کے نام سے مخاطب فرمایا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جس کو دعوت اسلام دی جائے اسے یہ لقب کے ساتھ مخاطب کیا جائے جن سے وہ مانوس ہو، اور اپنا کسی قدر اکرام محسوس کرے، مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نقاب خدایہ نہ لہے۔

(ب) ”سلام عسی من تبع الہدی“ کے الفاظ سے غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ معلوم ہوا۔

(ج) ”سم سمہ“ سے یہ ادب معلوم ہوا کہ مخاطب سے ترغیب کی اور بشارت کی باتیں پہلے کی جائیں اور ترہیب کا ذکر بعد میں محتاط الفاظ میں کیا جائے۔

(د) ”یا ہر الکتاب“ سے یہ ادب معلوم ہوا کہ ”یا ایہا الکافرون“ ”یا ایہا النصارى“ کہہ کر خطاب نہیں فرمایا، بلکہ ان کی ایک چھٹی صفت ”ہر الکتاب“ کا لفظ ارشاد فرمایا تاکہ وہ مانوس بھی ہوں اور ان کی اپنی ذمہ داری کا احساس بھی ہو۔

(ه) ”نعالمو اسی کیمہ سوء بیت و بیسکم“ سے یہ ادب معلوم ہوا کہ داعی کو چاہئے کہ پہلے ان امور کا ذکر کرے جو داعی اور مخاطب کے درمیان مشترک و متفق علیہ ہوں۔

(د) اس نام مبارک میں نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کا ذکر نہیں فرمایا اس سے دعوت اسلام کا یہ ادب معلوم ہوا کہ شروع میں صرف ایمان کی دعوت دی جائے۔ (ما خود اردو میں بخاری حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ)

(۲) مسند کتب السلام باب الہی عن ابتداء فعل الکتاب بالسلام الخ رقم الحدیث ۴۰۳۰۰

(۳) شداد بن ابی شریح صحیح البخاری للقسطالانی تحت هذا الحدیث ج ۱ ص ۸۰

نسبت ”ابن ابی کبشۃ“ بیان کی<sup>(۱)</sup> کہ ”ابن ابی کبشۃ“ کا معاملہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ ”بنی اصفر“ کا بادشاہ بھی اس سے ڈر رہا ہے، ”اصفر“ کے معنی پہلے کے آتے ہیں، رومیوں کے دادا ”روم بن عیص“ نے حبشہ کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی، حبشہ کے لوگ سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں، جبکہ روم کے لوگ سفید فام ہوتے ہیں، اس شادی سے جو اولاد ہوئی وہ زرد رنگ کی تھی، اس لئے ان کو ”بنو اصفر“ کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۲۶)

## باب کتب النبی ﷺ اِلٰی ملوک الکفار یدعوہم اِلٰی اللہ عزّ وجلّ

(اس باب میں دیگر بادشاہان مملکت کی طرف حضور کے خطوط لکھنے کا ذکر ہے)

”کسری“ ایران کے بادشاہ کا لقب تھا۔ ”قیصر“ روم کے بادشاہ کا لقب تھا۔ ”نجاشی“ حبشہ کے بادشاہ کا لقب تھا۔ ”خاقان“ ترکی کے بادشاہ کا لقب تھا۔ ”فرعون“ قبطی قوم کے بادشاہ کا لقب تھا۔ ”عزیز“ مصر کے بادشاہ کا لقب تھا۔ اس روایت میں جس نجاشی کی طرف خط لکھنے کا ذکر ہے، یہ وہ نجاشی نہیں ہے، جس کی حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان کا نام ”اصحمة بن ابجر“ تھا۔<sup>(۳)</sup>

(۲۷)

## باب فی غزوة حنین (غزوة حنین)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ سَرِّحٍ، (الِی قولہ) قَالَ قَالَ عَبَّاسٌ:  
شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَلَزِمْتُ أَنَا وَأَبُو  
سُفْيَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ

(۱) شرح نووی علی صحیح مسلم تحت هذا الحديث: ۹۸/۲

(۲) فتح ۲ ج ۱ ص ۷ باب بدء الوحي وشرح النووي علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۸

(۳) مكنه فتح للمصنف ج ۲ ص ۱۴۹ تحت هذا الباب

نَفَارِقُهُ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءُ أَهْدَاهَا لَهُ  
 فَرُوءَ بَنِي نَعْلَةَ الْجَذَامِيِّ، فَلَمَّا اتَّقَى الْمُسْلِمُونَ وَالْكَفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُونَ  
 مُدْبِرِينَ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قَبْلَ  
 الْكَفَّارِ، قَالَ عَبَّاسٌ: وَأَنَا آخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ أَكْفُهَا إِرَادَةً أَنْ لَا تُسْرِعَ، وَأَبُو سُفْيَانَ آخِذٌ بِرِكَابِ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ عَبَّاسٍ،  
 نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ، فَقَالَ عَبَّاسٌ: وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا، فَقُلْتُ بِأَعْلَى  
 صَوْتِي: أَيْنَ أَصْحَابُ السَّمُرَةِ؟ قَالَ: قَوْلَالِهِ، لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِينَ سَمِعُوا  
 صَوْتِي عَطْفَةُ الْبَقْرِ عَلَى أَوْلَادِهَا، فَقَالُوا: يَا لَيْيَكُ، يَا لَيْيَكُ، قَالَ:  
 فَاقْتَلُوا وَالْكَفَّارَ، وَالِدَّعْوَةَ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَا  
 مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: ثُمَّ قَصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ،  
 فَقَالُوا: يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، فَنَظَرَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَأَلَمْ تَطَاوَلَ عَلَيْهَا إِلَى  
 قِتَالِهِمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حِينَ حَمَى الْوُطَيْسُ  
 قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصِيَّاتٍ فَرَمَى بِهِنَّ وَجُوهَ  
 الْكَفَّارِ، ثُمَّ قَالَ: انْهَزْمُوا وَرَبُّ مُحَمَّدٍ قَالَ: فَذَهَبَتْ أَنْظَرُ فَإِذَا الْقِتَالُ عَلَى  
 هَيْئَتِهِ فِيمَا أَرَى، قَالَ: قَوْلَالِهِ، مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصِيَّاتِهِ فَمَا زِلْتُ أَرَى  
 خَذَهُمْ كَلِيلًا، وَأَمَرَهُمْ مُدْبِرًا. (ص ۹۹ سطر ۹ تا ص ۱۰۰ سطر ۷)

### تشریح

سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے ۸ھ میں تشریف لے گئے، دس ہزار صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، (فتح مکہ کا بیان ان شاء اللہ - آئندہ آئے گا)، جب آپ ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو ہوازن، بنو ثقیف اور قرب و جوار کے کفار

وشرکین آپ ﷺ سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں، بنو ہوازن اور بنو ثقیف بڑی جنگجو قومیں تھیں، بنو ہوازن زبردست تیرانداز تھے، ان کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد الأسلمیؓ کو صورتحال معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا، وہ ان کے پاس آئے تو دیکھا کہ واقعی یہ لوگ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں، چنانچہ انہوں نے واپس آ کر حضور ﷺ کو اطلاع دی۔

آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، دس ہزار صحابہ کرامؓ تو وہ تھے جو آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لئے آئے تھے، مزید دو ہزار نو مسلم اور تھے، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، یہ نو مسلم بھی تھے اور جہاد کے معاملے میں نو آموز بھی تھے، ان کے پاس پوری طرح ہتھیار بھی نہیں تھے، اور نہ کوئی خاص جنگی تیاری تھی، جہاد کے شوق میں شریک جنگ ہوئے، آپ ﷺ ان سب کو لیکر ”وادی حنین“ تشریف لے گئے، ”وادی حنین“ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، مکہ مکرمہ میں عرفات سے ذرا آگے جا کر ”وادی حنین“ ہے، اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں، بنو ثقیف اور بنو ہوازن حضور ﷺ کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ گئے، اور وہاں انہوں نے تمام پہاڑوں، دڑوں، نشیبی علاقوں میں اپنے مورچے قائم کر لئے، اور مسلح ہو کر وہاں بیٹھ گئے، جب حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کے لشکر کو لیکر اس وادی میں داخل ہوئے تو انہوں نے اچانک تیروں کی بارش کر دی، جس کی وجہ سے ان نو آموز مسلمانوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے، اور یہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے، اس وقت آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ اعلان کیجئے کہ ”اصحاب سمرہ“ کہاں ہیں؟ ”سمرہ“ کیکر کے درخت کو کہتے ہیں، کیونکہ حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ”اصحاب سمرہ“ کہہ کر اعلان کروایا۔

حضرت عباسؓ بہت بلند آواز آدمی تھے (شارحین نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ مدینے کے پہاڑ ”جبل سلع“ پر کھڑے ہو کر زور سے چلا کر آٹھ میل دور ایک مقام پر موجود اپنے بچوں کو ہوشیار کر دیا کرتے تھے، اور جنگل میں اگر کہیں بھڑیا، چیتا وغیرہ ان کی بکریوں کو تکلیف پہنچاتا تو وہیں چلا کر اسے ڈانٹ دیتے تھے) (۱) حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے فرمانے پر آواز دی، میری آواز سن کر صحابہ کرامؓ اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں کی آواز سن کر بھاگی بھاگی آتی ہے، اور جو شکست کی صورت شروع ہوئی تھی، وہ یکدم فتح میں بدل گئی۔



قوله : ورسول اللہ ﷺ علی بغلة له بیضاء أهداها له فروة بن نفثة

الجدامی، (ص: ۱۰۰ مطرو: ۱)

اس وقت آپ ﷺ ایک نچر پر سوار تھے جو آپ کیلئے ”فروہ بن نفثۃ الجدامی“ نے ہدیہ کیا تھا، یہ ایک غیر مسلم تھا، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ ہدیہ آپ کو ”ملک ایلہ“ نے دیا تھا، جس کا نام ”بَحْنَةُ بن رَوْبَةَ“ تھا، یہ مقام ”ایلہ“ کا بادشاہ تھا۔<sup>(۱)</sup>

غیر مسلم کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا حکم  
یہاں مسئلہ یہ ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے ہدیہ قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے ملنے والا ہدیہ قبول کرنا درست ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس نچر پر سواری کی۔ جبکہ بعض دیگر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ واپس کر دیا۔

شارحین نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ جن روایات میں ہدیہ واپس کرنے کا ذکر ہے، مذکورہ روایت ان کے لئے ناسخ ہے، چنانچہ ہدیہ واپس کرنے کی روایات منسوخ ہوئیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ ناسخ و منسوخ کی بحث کرنا کمزور بات ہے، چنانچہ انہوں نے دوسری توجیہ فرمائی کہ جہاں کسی کافر کے مسلمان ہونے کی امید ہو، یا اس کے قلب کو مانوس اور مالوف کرنا مقصود ہو، یا اس میں مسلمانوں کی کوئی حاجت پیش نظر ہو تو قبول کرنا جائز ہے، ورنہ جہاں یہ مقاصد نہ ہو، یعنی نہ تو کسی کے مسلمان ہونے کی امید ہو اور نہ ہی تالیف قلب مطلوب ہو اور نہ ہی مسلمانوں کی اس میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، اور جن روایات میں ہدیہ واپس کرنے کا ذکر ہے، وہ سب اسی صورت پر محمول ہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ رد کیا ہے اور اہل کتاب کا ہدیہ قبول فرمایا، لہذا اہل کتاب کا ہدیہ قبول کرنا درست ہے جبکہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح النووي علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۹

(۲) شرح النووي علی صحیح مسلم: ج ۲ ص ۹۹

قوله : وَلَيَّ الْمُسْلِمُونَ مَدْبُورِينَ، ..... الخ (ص: ۱۰۰ اسطر: ۱)

مسلمان پشت پھیر کر بھاگے۔ یہ تمام مسلمانوں کا حال نہیں تھا، بلکہ صرف نو مسلم اور نو آموز

مسلمانوں کے پاؤں ہی اکڑ گئے تھے۔<sup>(۱)</sup>

### لفظی تحقیق

”یو کض بغلته“ یعنی آپ ﷺ اپنے پاؤں مبارک اس کے سینے پر مارتے تھے، تاکہ وہ تیز

چلے۔ جسکو اردو میں ایڑ لگانا کہتے ہیں۔

قوله : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: هَذَا حِمَى الْوُطَيْسِ. (ص: ۱۰۰ اسطر: ۵)

”الوطیس“ کے بارے میں شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ایک تھور جیسی چیز ہوتی ہے جس میں

آگ بھڑکائی جاتی ہے، اس کے ذریعے جنگ کی شدت کی مثال دی جاتی ہے۔ جبکہ بعض حضرات کہتے

ہیں کہ ”الوطیس“ ہی کو تھور کہتے ہیں۔

امام اصمعیٰ فرماتے ہیں کہ ”وطیس“ یہ ایک گول پتھر ہے، جب وہ گرم ہو جاتا ہے

تو کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس پر پاؤں رکھ سکے، تو اس وقت کہا جاتا ہے ”الآن حمى الوطيس“

اور جنگ میں دشمن کے سامنے جنگجوؤں کا ٹھہرنا جب مشکل ہو جائے تو بطور مثال اس وقت یہ جملہ

کہا جاتا ہے ”الآن حمى الوطيس“<sup>(۲)</sup>

بعض نے کہا کہ ”الوطیس“ وہ جنگ ہے کہ جس میں آگ جلائی اور بھڑکائی جائے۔

شارحین فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں لفظ ”الوطیس“ اپنی فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی

نہیں رکھتا، اور یہ لفظ آپ ﷺ سے قبل کسی سے نہیں سنا گیا۔<sup>(۳)</sup>

قوله : ”فَمَا زِلْتَ أَرَى حَدَّهْمَ كَلِيلًا“ (ص: ۱۰۰ اسطر: ۷)

یعنی میں ان کی قوت کو کم ہوتے دیکھ رہا تھا۔<sup>(۴)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ نَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ :

(۱) بحکمۃ فتح المسند ج ۳ ص ۱۵۴

(۲) مسند ابی یوسف، حروف البوا مع سائر الحروف، ج ۲ ص ۵۷۹

(۳) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰

(۴) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰

قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ : يَا أَبَا عُمَارَةَ، أَفَرَرْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ؟ قَالَ : لَا وَاللَّهِ، مَا  
وَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ،  
وَأَخْفَاؤُهُمْ حُسْرًا، لَيْسَ عَلَيْهِمْ سِلَاحٌ، فَلَقُوا قَوْمًا رُمَاءٌ لَا يَكَادُ  
يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ، جَمَعَ هَوَازِنَ وَبَنَى نَصْرًا، فَرَشَقُوهُمْ رَشْقًا مَا  
يَكَادُونَ يُخْطِئُونَ، فَأَقْبَلُوا هُنَاكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ، وَأَبُو  
سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَقُودُ بِهِ، فَنَزَلَ فَاسْتَنْصَرَ، قَالَ : قَالَ  
أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ      أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ثم صفهم (ص ۱۰۰ سطر: ۱۰ تا ۱۴)

### تشریح

قولہ : وَلَكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ..... الخ (ص ۱۰۰ سطر: ۱۱)

”شُبَّان“ جمع ہے شاب کی، جیسے واحد کی جمع وحدان ہے۔ ”وَأَخْفَاؤُهُمْ“ اخفاء جمع ہے  
خفیف کی، جیسے اطباء جمع ہے طبیب کی، اخفاء کا معنی ہے جلدی کرنے والے، یا آگے آگے رہنے  
والے۔ (۱)

”حُسْرًا“ یہ جمع ہے حاسر کی، جیسے سجداً جمع ہے مساجد کی، حاسر کا معنی ہے: بغیر زرہ  
کے جنگ میں ٹکٹنے والا (۲)، اور بعض نے حاسر کے معنی کئے ”بغیر اسلحہ کے جنگ میں شامل ہونے  
والا، یعنی جس کے پاس نہ زرہ ہو اور نہ خود۔ (۳)

قولہ : ”لَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ“ (ص ۱۰۰ سطر: ۱۲)

یعنی بنو ہوازن ماہر تیز انداز تھے، اور ان کا کوئی تیر اپنے نشانہ سے ہٹ کر نہ لگتا تھا۔

قولہ : ”فَرَشَقُوهُمْ رَشْقًا“ (ص ۱۰۰ سطر: ۱۲)

(۳) شرح: ص ۲۴ ج ۱ ص ۱۰۰

(۲) نواہد

(۳) تکملة فتح المہم ج ۳ ص ۱۵۸

رَشَق (راء کے فتح کے ساتھ) مصدر ہے، اور رَشَق (راء کے کسرہ کے ساتھ) ان تیروں کو کہتے ہیں، جو پوری ایک جماعت یکدم پھینکے۔ لغت میں رَشَق یرَشَق و اَرَشَق ثلاثی اور مزید فیہ دونوں آتے ہیں، لیکن ثلاثی زیادہ مشہور اور زیادہ فصیح ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله : ”فاستنصر“ (ص ۱۰۰ اسطر: ۱۳)

یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ الْمِصْبِصِيُّ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى الْبَرَاءِ، فَقَالَ : أَكُنْتُمْ وَلَيْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ يَا أَبَا عُمَارَةَ؟ فَقَالَ : أَشْهَدُ عَلَى نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَلَّى، وَلَكِنَّهُ انْطَلَقَ أَخْفَاءُ مِنْ النَّاسِ، وَخَسِرَ إِلَى هَذَا الْحَيِّ مِنْ هَوَازِنَ، وَهُمْ قَوْمٌ رُمَاءٌ، فَرَمَوْهُمْ بِرَشَقٍ مِنْ نَبَلٍ كَانَتْهَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ، فَأَنْكَشَفُوا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو سَفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ يَقُودُ بِهِ بَغْلَتَهُ، فَنَزَلَ وَدَعَا وَاسْتَنْصَرَ، وَهُوَ يَقُولُ :

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ      أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ،

اللَّهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ، قَالَ الْبَرَاءُ : كُنَّا وَاللَّهِ إِذَا احْمَرَّ الْبَاسُ نَتَّقِي بِهِ، وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لِلَّذِي يُحَاذِي بِهِ، يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(ص ۱۰۰ اسطر: ۱۴ تا ص ۱۰۱ اسطر ۱)

## تشریح

قوله : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ الْمِصْبِصِيُّ ..... الخ (ص ۱۰۰ اسطر: ۱۴)

احمد بن جناب المصيصی: ”مصیصہ“ ایک جگہ کا نام ہے<sup>(۲)</sup> یا اسکی طرف منسوب ہو کر ان کو

”المصيصی“ کہا گیا۔

(۱) شرح سنن ح ۲ ص ۱۰۰

(۲) شام کے دریا کے ساحل پر یہ مشہور شہر واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معجم البلدان ج ۱ ص ۲۰۰۔ مکمل معجم

قوله: "كانها رجل من جراد" (ص ۱۰۰ سطر: ۱۶) یعنی وہ تیر تعداد میں اتنے تھے جیسے ٹڈی

دل ہو، رجل (بکسر الراء) بہت سے ٹڈی دل کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: "فانكشفوا" (ص ۱۰۰ سطر: ۱۶)

انہوں یعنی نو مسلموں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، اور منتشر ہو گئے۔

قوله: "إذا احمر البأس" (ص ۱۰۰ سطر: ۱۷)

جب جنگ سرخ ہو گئی، یہ حد تو جنگ سے کتنا یہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: أنا النبی لا کذب، أنا ابن عبد المطلب (ص ۱۰۰ سطر: ۱۷)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر پڑھنا منقول ہے؟

یہاں آپ ﷺ سے یہ شعر پڑھنا منقول ہے، جبکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (۳)

"اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے"

تو پھر آپ ﷺ نے شعر کیسے پڑھا؟

اس کے چار جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) ... پہلا جواب یہ ہے کہ اصل میں یہ شعر کسی اور کا تھا، آپ ﷺ نے اس میں ترمیم فرمائی

ہے، اصل میں تھا: أنت النبی لا کذب، أنت ابن عبد المطلب "آپ ﷺ نے "انت کی جگہ "أنا" استعمال فرمایا۔

(۲) ... دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ رجز یہ شعر ہے اور شعر کی یہ قسم اشعار نہیں کہلاتی، یہ جواب کمزور ہے۔

(۳) ... تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر آدمی ایک دو شعر کہہ دے تو اس سے اس کو شاعر نہیں کہا جاسکتا۔

(۱) شرح سنن ابی داؤد ص ۱۰۰ ج ۲ ص ۱۰۰

(۲) بیہ حد عنی صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۷ تحت هذا الحديث۔

(۳) سورہ یٰسین ۶۹

(۴) ... چوتھا جواب یہ ہے کہ آدمی شعر کہنے سے شاعر اس وقت بنتا ہے جب قصداً شعر کہے، بے ساختہ کوئی شعر کہہ دینے سے اس کو شاعر نہیں کہا جاسکتا، اور آپ ﷺ کے ساتھ ”غزوہ حنین“ میں یہی صورتحال تھی۔<sup>(۱)</sup>

(۲۸)

## باب غزوة الطائف

(غزوة طائف)

طائف مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ایک مشہور شہر کا نام ہے، جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چالیس سے پینتالیس میل (۷۵ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے، جب حنین میں بنو ہوازن اور بنو ثقیف کو شکست ہوئی تو یہ اپنی جان بچا کر بھاگے اور طائف پہنچ گئے، اور وہاں اپنے قلعے میں جا کر قلعہ بند ہو گئے، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے ان کا پیچھا کیا، اور طائف پہنچ کر ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا، تقریباً بیس (۲۰) دن تک آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھا، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔

چنانچہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ یہاں منجنیق کا استعمال فرمایا، منجنیق، آج کل کے ٹینک کی ابتدائی صورت ہے، اس کے ذریعے بڑے بڑے پتھر دشمن پر پھینکے جاتے ہیں، چنانچہ منجنیق کے ذریعے دشمن کے قلعے کی دیواروں میں سوراخ ہو گئے، بعض صحابہ کرامؓ نے اندر جانے کی کوشش کی، لیکن بنو ہوازن اور بنو ثقیف نے لوہے کے ٹکڑے گرم کر کے پھینکے اور تیر اندازی بھی کی، جس سے بعض صحابہ کرامؓ شہید بھی ہوئے، ان کے مزارات آج بھی طائف میں موجود ہیں، آپ ﷺ نے مزید قیام کا ارادہ ملتوی فرمایا، اور فرمایا: ”إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا“ کل ہم واپس جائیں گے۔ غالباً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اب یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے، اس لئے پھر آپ ﷺ نے مزید قیام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

بعض صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم اتنے دن سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنا شوق ہے تو کل بھی لڑو، چنانچہ جب کل لڑائی کی تو سوائے زخمی ہونے کے کچھ ہاتھ نہ آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ کل ہم واپس جائیں گے، اب کی مرتبہ وہ بھی اس



پرتیار ہو گئے کہ چلو اب واپس چلتے ہیں، اور انہیں آپ ﷺ کی رائے زیادہ بابرکت محسوس ہوئی، آپ ﷺ یہ صورتحال دیکھ کر مسکرائے۔

چنانچہ اگلے روز آپ ﷺ یہ دعا دیکر کہ ”اللہم اهد ثقیفا وانت بہم الرخصت ہو گئے، ابھی واپس مدینہ منورہ پہنچے نہیں تھے کہ قبیلہ ثقیف کے سردار ”عروہ بن مسعود“ اسلام لانے کیلئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور اسلام قبول کر لیا، اور پھر حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ حضور ﷺ! کیا میں طائف جا کر اہل طائف کو بھی اسلام کی دعوت دے دوں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! وہ مجھے بہت چاہتے ہیں، یہاں تک کہ کنواری لڑکی سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مرضی، مجھے تو تمہاری جان کا خطرہ ہے، چنانچہ جب وہ اہل طائف کے پاس آئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے ان کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

عروہ بن مسعود ثقیفیؓ کی شہادت کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اہل طائف کو خیال آیا کہ ہم لوگ عرب میں اکیلے رہ گئے ہیں، تمام علاقوں کے عرب اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، اب ہم کس کس کا مقابلہ کریں گے؟ عافیت اسی میں ہے کہ اسلام قبول کر لو، چنانچہ غزوہ تبوک سے واپسی پر بنو ثقیف اور اہل طائف کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آکر اسلام قبول کیا، اس طرح سارے کے سارے اہل طائف مسلمان ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

(۲۹)

## باب غزوہ بدر

(غزوہ بدر)

### غزوہ بدر کا پس منظر

یہ باب غزوہ بدر کے بارے میں ہے، غزوہ بدر کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے، اس باب میں غزوہ بدر کے شروع اور کچھ آخر کا حصہ ذکر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے گزرنے کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان پر حملہ کرنا چاہئے، اور ان کا مال لے لینا چاہئے، تاکہ یہ مال کل ہمارے خلاف

استعمال نہ ہونے پائے، اس سلسلے میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے آپ ﷺ سے بات چیت کی، لیکن آپ ﷺ نے صرف ان کے مشورے پر اکتفاء نہیں فرمایا، کیونکہ یہ تو مہاجر تھے، بلکہ انصار سے آپ ﷺ کھلم کھلا بات کرنا چاہتے تھے، کیونکہ انصار نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے، تو ہم آپ ﷺ کی مدد کریں گے، لیکن مدینہ منورہ سے نکل کر آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے دشمنوں سے بھی لڑیں گے یا نہیں؟ یہ بات صراحتاً طے نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ انصار سے بھی مشورہ ہو جائے کہ وہ اس پر تیار ہیں یا نہیں؟ اس لئے آپ ﷺ نے صرف مہاجرین صحابہ کرامؓ کے مشورے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ انصار صحابہؓ کے مشورے کے منتظر رہے۔

چنانچہ انصار صحابہؓ نے آپ ﷺ کا منشاء سمجھ کر آپ ﷺ کو یقین دلایا کہ آپ بے فکر رہیں، ہم آپ ﷺ کے ہر حکم پر لبیک کہیں گے، اگر آپ ﷺ ہم سے کہیں کہ گھوڑے لیکر سمندر میں اتر جاؤ، تو ہم گھوڑوں سمیت سمندر میں اتر جائیں گے، اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں کہ ”برک الغماد“ تک گھوڑے دواڑ دو، تو ہم یہ بھی کر گزریں گے، لیکن ہم آپ ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

انصار کی اس یقین دہانی کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو ترغیب دی، پھر آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو لیکر چلے، جو تقریباً تین سو تیرہ (۳۱۳) کی تعداد میں تھے، اور میدان بدر میں جا کر پڑاؤ ڈالا، جہاں پر کفار مکہ کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا، وہاں آپ ﷺ نے بعض جگہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے، اور اس جگہ فلاں کافر قتل ہوگا، چنانچہ جہاں جہاں آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا تھا، کوئی بھی کافر وہاں سے ذرا بھی آگے پیچھے نہ ہوا۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ: فَتَكَلَّمْتُ أَبُو بَكْرٍ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ تَكَلَّمْتُ عُمَرُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، فَقَالَ: إِيَّانَا تُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَحْضَاَهَا، وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا، قَالَ: فَذَبَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ، فَأَنْطَلَقُوا حَتَّى نَزَلُوا بِدْرًا،

(الی قولہ) قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا مَضْرَعُ  
فُلَانٍ، قَالَ: وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا، هَاهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ  
عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (ص ۱۰۲ اسطر ۲ تا ۹)

### تشریح

قولہ : فقام سعد بن عبادۃ الخ (ص ۱۰۲ اسطر ۳)

اس مقام پر تمام نسخوں میں ”سعد بن عبادۃ“ ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ ”سعد بن  
معاذ“ ہیں، کیونکہ ”سعد بن عبادۃ“ غزوہ بدر میں شریک ہی نہیں تھا، اگرچہ ان کا شرکت کرنے کا پختہ  
ارادہ تھا اور مکمل تیاری تھی، لیکن عین موقع پر کسی زہریلے جانور نے ان کو ڈس لیا، جس کی وجہ سے وہ غزوہ  
بدر میں شریک نہ ہو سکے، لیکن چونکہ پوری طرح تیار تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے  
حقہ مال غنیمت بھی رکھا تھا۔<sup>(۱)</sup>

### لفظی تحقیق

قولہ : ”أَنْ تُخِضَّهَا الْبَحْرَ“ (ص ۱۰۲ اسطر ۴)

ہم گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں۔

قولہ : ”أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا“ (ص ۱۰۲ اسطر ۴)

”اکباد“ جمع ہے ”کبد“ کی، ”کبد“ جگر کو کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

مراد یہ ہے کہ ہم گھوڑے کو ایڑ لگائیں (گھڑ سوار ایڑ لگاتے وقت دونوں پاؤں گھوڑے کے

جگر پر مارتا ہے، اس لئے کہا ”أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا“ ہم ان کے جگر پر ماریں)

”برک الغماد“ یہ مکہ مکرمہ سے سمندر کی جانب تقریباً پانچ رات کی مسافت پر واقع ایک

جگہ کا نام ہے، اور اہل عرب کسی دور مقام تک جانے کے ارادے کو محاورۃً یوں تعبیر کرتے کہ مجھے تو

”برک الغماد“ تک جانا ہے، مطلب یہ ہے کہ انصار نے کہا کہ آپ ﷺ ہمیں جتنا دور لے

جانا چاہیں، ہم اس کے لئے دل و جان سے تیار ہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) نکتہ مع الثمہ ج ۳ ص ۱۶۶

(۲) لسان العرب حرف الدال مادة ”کبد“ ج ۳ ص ۲۷۴

(۳) فتح البدر لابن حجر کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ ج ۱ ص ۲۳۶

قوله : ”فندب رسول اللہ ﷺ“ (ص ۱۰۲ اسطر ۴) رغبت دلائی اور تیار کیا۔

قوله : ”فما ماط أحد“ (ص ۱۰۲ اسطر ۸) نہیں ہٹا کوئی۔<sup>(۱)</sup>

(۳۰)

## باب فتح مکہ

(مکہ مکرمہ کی فتح)

اس باب میں مصنف حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بیان فرما رہے ہیں، جس میں انہوں نے فتح مکہ کا واقعہ بیان فرمایا، سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ ۱۰ رمضان ۸ھ میں مدینہ طیبہ سے دس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر لیکر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے لشکر کی صف بندی فرمائی۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَفَدَتْ وَفُودٌ إِلَى مُعَاوِيَةَ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ، فَكَانَ يُصْنَعُ بَعْضُنَا لِبَعْضِ الطَّعَامِ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُونَا إِلَى رَحْلِهِ، فَقُلْتُ: أَلَا أُصْنَعُ طَعَامًا فَأَدْعُوهُمْ إِلَى رَحْلِي؟ فَأَمَرْتُ بِطَعَامٍ يُصْنَعُ، ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ مِنَ الْعِشِيِّ، فَقُلْتُ: الدَّعْوَةُ عِنْدِي اللَّيْلَةَ، فَقَالَ: سَبَقْتَنِي، قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَوْتُهُمْ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَلَا أُعَلِّمُكُمْ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، ثُمَّ ذَكَرَ فَتْحَ مَكَّةَ، فَقَالَ: أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، فَبَعَثَ الزُّبَيْرَ عَلَى إِحْدَى الْمُجَنَّبَتَيْنِ، وَبَعَثَ خَالِدًا عَلَى الْمُجَنَّبَةِ الْأُخْرَى، وَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ عَلَى الْحُسْرِ..... فَأَخَذُوا بَطْنَ الْوَادِي، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَتِيبَةٍ، قَالَ: فَتَنَظَرُ قَرَانِي، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: لَا يَأْتِينِي إِلَّا أَنْصَارِي - رَأَدَ غَيْرُ شَيْبَانَ -، فَقَالَ: اهْتِفْ لِي بِالْأَنْصَارِ، قَالَ: فَأَطَاعُوا بِهِ، وَوَيْشَتْ قُرَيْشٌ أَوْبَاشًا

لَهَا، وَاتَّبَاعًا، فَقَالُوا: نَقْدُمُ هَؤُلَاءِ، فَإِنْ كَانَ لَهُمْ شَيْءٌ كُنَّا مَعَهُمْ، وَإِنْ أَصِيبُوا أُعْطِينَا الَّذِي سُئِلْنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَرَوْنَ إِلَى أُوْبَاشِ قُرَيْشٍ، وَاتَّبَاعِهِمْ، ثُمَّ قَالَ بِيَدَيْهِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ قَالَ: حَتَّى تُوَافِقُونِي بِالصَّفَا، قَالَ: فَاَنْطَلَقْنَا فَمَا شَاءَ أَحَدٌ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَحَدًا إِلَّا قَتَلَهُ، وَمَا أَحَدٌ مِنْهُمْ يُوجِّهُ إِلَيْنَا شَيْئًا، قَالَ: فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُبَيِّحُ خَضِرَاءَ قُرَيْشٍ، لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكْتُهُ رَغْبَةً فِي قُرَيْتِهِ، وَرَأْفَةً بِعَشِيرَتِهِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَجَاءَ الْوَحْيُ وَكَانَ إِذَا جَاءَ الْوَحْيُ لَا يَخْفَى عَلَيْنَا، فَإِذَا جَاءَ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَرْفَعُ طَرْفَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَقْضِيَ الْوَحْيُ، فَلَمَّا انْقَضَى الْوَحْيُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالُوا: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: " قُلْتُمْ: أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكْتُهُ رَغْبَةً فِي قُرَيْتِهِ؟ " قَالُوا: قَدْ كَانَ ذَاكَ، قَالَ: كَلَّا، إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكُمْ، وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ، فَأَقْبِلُوا إِلَيْهِ يَكُونُ وَيَقُولُونَ: وَاللَّهِ، مَا قُلْنَا الَّذِي قُلْنَا إِلَّا الضَّنَّ بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُصَدِّقَانِيكُمْ، وَيَعْدِرَانِيكُمْ، قَالَ: فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَى دَارِ أَبِي سُفْيَانَ، وَأَغْلَقَ النَّاسُ أَبْوَابَهُمْ، قَالَ: وَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ، فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ، قَالَ: فَأَتَى عَلَى صَنْمٍ إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ، قَالَ: وَفِي يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ وَهُوَ آخِذٌ بِسِيَةِ الْقَوْسِ، فَلَمَّا أَتَى عَلَى الصَّنَمِ جَعَلَ يَطْعُمُهُ فِي عَيْنِهِ، وَيَقُولُ: "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَتَى الصَّفَا، فَعَلَا عَلَيْهِ حَتَّى نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ

فَجَعَلَ يَحْمَدُ اللَّهَ وَيَدْعُو بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُو. (ص ۱۰۲ سطر ۹ ص ۱۰۳)

(سطر ۵)

### تشریح

قوله : فبعث الزبير على إحدى المجنبتين، الخ (ص ۱۰۲ سطر ۱۲)

”مجنبتین“ تثنیہ ہے ”مجنبة“ کا، اور ”مجنبة“ کہتے ہیں ایک جانب کو ”مجنبتین“ سے مراد لشکر کامیمنة (دایاں حصہ) اور میسرة (بایاں حصہ) ہے، آپ ﷺ نے ایک حصے پر حضرت زبیرؓ کو مقرر کیا، اور دوسرے حصے پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر کیا۔<sup>(۱)</sup>

قوله : وبعث ابو عبدة على الحسر..... الخ (ص ۱۰۲ سطر ۱۲)

”حسر“ جمع ہے ”حاسر“ کی، اس کا معنی ہے: وہ لوگ جن کے پاس زرہ نہ ہو، اور یہاں اس سے مراد پیدل چلنے والے مجاہدین ہیں۔<sup>(۲)</sup>

قوله : ووبشت قريش اوباشا لها واتباعا..... الخ (ص ۱۰۲ سطر ۱۴)

”وبش یوبش تو بيشا“ کے معنی ہیں: جمع کرنا، اور ”اوباش“ متفرق لوگوں کو کہتے ہیں، جن کے قبیلے اور خاندان الگ الگ ہوں<sup>(۳)</sup>، یعنی قریش نے مختلف قوموں اور مختلف خاندانوں کے افراد کو جمع کیا، اور ان کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو آگے رکھیں گے، اگر فتح ہوگئی، تو مال غنیمت میں یہ اور ہم دونوں شریک ہوں گے، اور اگر شکست ہوئی، تو یہ مارے جائیں گے، ہم بچ جائیں گے۔

قوله : حتى توافوني بالصفاء..... الخ (ص ۱۰۲ سطر ۱۶)

”توافونی ای تلقونی“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں تک کہ تم فلاں فلاں طرف سے حملہ کر کے اور وہاں سے فارغ ہو کر مجھ سے صفا پر آ کر ملنا۔<sup>(۴)</sup>

قوله : أبيحت خضراء قريش، لا قريش بعد اليوم (ص ۱۰۲ سطر ۱۶، ۱۷)

حضرت سفیانؓ نے آکر آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ”أبيحت خضراء

(۱) کلمة فتح الملهم ج ۳ ص ۶۹ ولسان العرب حرف الباء مادة ”جبت“ ج ۱ ص ۲۷۵۔

(۲) کلمة فتح الملهم ج ۳ ص ۱۶۹۔

(۳) معانق فی غریب الحدیث والآثار باب التواضع مع الباء، ج ۱ ص ۶۷ کو مکملہ فتح الملهم ج ۳ ص ۱۷۰۔

(۴) کلمة فتح الملهم ج ۳ ص ۱۷۱۔



قریش ”نخضراء“ جماعت کو کہتے ہیں، اس کا معنی ہے: قریش کی جماعت کا خون مباح کر لیا گیا، یعنی ان کو قتل کرنا جائز اور مباح سمجھ لیا گیا ہے، آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے<sup>(۱)</sup>، یعنی آج کے بعد سے قریش مسلمان ہو جائیں گے، اور پھر مرتد نہیں ہوں گے، اور پھر کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیے جائیں گے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے امان کا اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ مامون ہے۔

قوله : أما الرجل فأدر كنه رغبة في قرينته..... الخ (ص ۱۰۲ اسطر ۱)

جب آپ ﷺ نے قریش کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا، اور ذرا سا بھی جھک جانے والے کے لئے درگزر کا اعلان فرمایا، تو بعض انصار نے کہا کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنی بستی کی محبت، اور اپنے قبیلے کے لوگوں پر شفقت آگئی ہے، اور انصار کا یہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے جب آپ ﷺ کی مکہ اور اہل مکہ کے ساتھ محبت اور نرمی کا معاملہ دیکھا، تو ان کے دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اب حضور ﷺ یہاں قیام فرمائیں گے، اور مدینہ منورہ واپس تشریف نہیں لے جائیں گے، اور اس طرح ہم حضور ﷺ کی محبت کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں۔

قوله : قلتم: أما الرجل فأدر كنه رغبة في قرينته (ص ۱۰۳ اسطر ۱)

آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ ﷺ نے انصار کو جمع فرمایا، اور دریافت فرمایا: تم نے یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے اصل صورتحال عرض کر دی کہ حضور! ہمیں آپ ﷺ سے محبت ہے، اور ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ واپس مدینہ منورہ چلیں۔

قوله : كلاً إني عبد الله ورسوله، هاجرت إلى الله وإليكم..... الخ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، اور اب میرا جینا تمہارے ساتھ ہے، یہ سن کر انصار خوشی کے مارے رونے لگے۔

قوله : ما قلنا الذي قلنا إلا الضنَّ بالله ورسوله (ص ۱۰۳ اسطر ۱، ۲)

انصار نے کہا کہ ہم نے یہ بات محض حرص اور آپ ﷺ سے محبت کی وجہ سے کہی تھی، اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہاری تصدیق

کرتے ہیں، اور تمہیں اس معاملے میں معذور سمجھتے ہیں۔

### آفاقی کے احرام باندھنے کا اختلافی مسئلہ

قوله : فاقبل رسول الله ﷺ حتى أقبل إلى الحجر، فاستلمه

(ص ۱۰۳ اسطر ۳، ۴)

یہاں ایک اختلافی مسئلہ سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں آفاق سے آنے والے شخص کو، خواہ کسی نیت سے آئے، احرام باندھنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے۔

### شوافع اور حنابلہ کا مذہب

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر آفاقی حج یا عمرے کی نیت سے مکہ مکرمہ آیا ہے، تو اس کو احرام باندھنا ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی اور غرض سے آئے، تو پھر احرام باندھنا ضروری نہیں، بغیر احرام کے بھی مکہ مکرمہ آ سکتا ہے، ان کی دلیل حدیث الباب ہے کہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے تشریف لائے، اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا احرام باندھنے سے نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کے سر مبارک پر ”خود“ بھی تھا، جبکہ حالت احرام میں سر کھلا ہونا چاہئے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے تشریف لائے تھے۔

شوافع اور حنابلہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے موقع پر حج و عمرہ کے لئے تشریف نہیں لائے تھے، بلکہ جہاد کے لئے تشریف لائے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے احرام نہیں باندھا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ حج و عمرہ کی نیت سے نہ جائے، تو اس کے لئے احرام کی پابندی نہیں ہے، ایسا شخص بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آ سکتا ہے۔

### حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک آفاقی کسی بھی نیت سے مکہ مکرمہ آئے، اس کے لئے احرام باندھنا واجب ہے، یا تو عمرے کا احرام باندھے، یا حج کا احرام باندھے، اگر کوئی آفاقی بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں آئے گا، تو اس پر دم واجب ہو جائے گا، اور کم از کم عمرہ اس کو کرنا پڑے گا، اور وہ مذکورہ حدیث

کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔<sup>(۱)</sup>

### جو لوگ روزانہ مکہ مکرمہ آتے جاتے ہوں، ان کا حکم

آج کل یہ مسئلہ بہت زیادہ پیش آتا ہے، کہ مثلاً جو لوگ مدینہ منورہ رہتے ہیں، یا مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں، اُن کا روزانہ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ آنا ہوتا ہے، مثلاً بعض ملازمین یا ٹیکسی ڈرائیورز یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ہیں جن کا روزانہ کئی کئی مرتبہ آفاق سے حرم میں، اور حرم سے آفاق میں آنا جانا لگا رہتا ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب کے مطابق ان کے لئے بہت تنگی کا سامنا ہے، لہذا ان کو شوافع کے مذہب پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

لیکن جس کو ایسا کوئی عذر نہ ہو، اس کو اپنے مذہب پر عمل کرنا ضروری ہے، احرام باندھ کر جائے، چاہے کسی سے ملنے کے لئے جائے۔

قوله : وهو أخذ بسية القوس، الخ (ص ۱۰۳ اسطر ۵)

آپ ﷺ کمان کا ایک کنارہ<sup>(۲)</sup> تھامے ہوئے تھے، اور جب بھی آپ ﷺ کسی بت کے پاس سے گزرتے، اس کی آنکھ پر وہ مارتے اور فرماتے ”جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ“۔<sup>(۳)</sup>

### مکہ مکرمہ ”عنوة“ فتح ہوا تھا یا ”صلحاء“؟

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رِبَاحٍ، قَالَ: وَقَدْ نَا إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَفِينَا أَبُو هُرَيْرَةَ، (الى قوله) وَقَالَ: مَوْعِدُكُمْ الصَّفَا، قَالَ: فَمَا أَشْرَفَ يَوْمَئِذٍ لَهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَنَامُوا، قَالَ: وَصَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا، وَجَاءَتْ الْأَنْصَارُ فَأَطَافُوا بِالصَّفَا، فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُبَيِّدُ خَضِرَاءَ قُرَيْشٍ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ، قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

(۱) مکتبہ فتح المسلم ج ۳ ص ۱۷۲، تحت هذا الحديث

(۲) سار المعرف تحت مادة ”سبأ“ ج ۱ ص ۴۱۷۔

(۳) سورة الاسراء آیت ۸۱

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ .... الحديث  
(ص ۱۰۳ سطر ۸ ص ۱۰۴ سطر ۲)

### تشریح

قوله : فما أشرف يومئذ لهم أحد إلا أناموه، ..... (ص ۱۰۴ سطر ۲)  
آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”آج کے دن جو بھی سر اٹھائے، اس کو سلا دو، یعنی قتل کر دو“  
ائمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ ”عنوة“ فتح ہوا تھا،  
یا ”صلحا“؟

حضرات حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور جمہور فقہاء کا مذہب

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ ”عنوة“ فتح ہوا تھا، کیونکہ فتح مکہ سے متعلق تمام روایات  
میں لڑائی کا ذکر ہے، اور آپ ﷺ نے سرابھار نے والوں کے قتل کا حکم بھی فرمایا تھا، اس کے علاوہ  
آپ ﷺ نے امان بھی دی، اور یہ چیزیں ”صلحا“ فتح میں نہیں ہوتیں ”عنوة“ میں ہوتی ہیں۔

حضرت امام شافعی کا مذہب

حضرت امام شافعی کے نزدیک مکہ مکرمہ ”صلحا“ فتح ہوا تھا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ نَا أَبِي، قَالَ نَا زَكْرِيَّا، بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ قَالَ : وَلَمْ  
يَكُنْ أَسْلَمَ أَحَدٌ مِنْ عُصَاةِ قُرَيْشٍ غَيْرَ مُطِيعٍ، كَانَ اسْمُهُ الْعَاصِي، فَسَمَاهُ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُطِيعًا. (ص ۱۰۴ سطر ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قوله : ولم يكن أسلم أحد من عصاة قريش غير مطيع ..... (ص ۱۰۴ سطر ۱۲۰)  
اس حدیث میں فرمایا ہے کہ قریش کے ”عاص“ نام والے کفار میں سے سوائے ایک کے  
کوئی مسلمان نہیں ہوا۔

مکہ مکرمہ میں چار لوگ ایسے تھے، جن کے نام ”عاص“ تھے،

(۱) ... ایک ”عاص بن وائل“ (۲) ... دوسرے ”عاص بن هشام“

(۳) ... تیسرے ”عاص بن سعید“ (۴) ... چوتھے ”عاص بن اسود“

ان میں سے صرف ”عاص بن اسود“ مسلمان ہوئے، اور ”عاص“ نام چونکہ اچھا نہیں ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کا نام ”مطیع“ رکھ دیا۔<sup>(۱)</sup>

(۳۱)

## باب صلح الحديبية

(صلح حدیبیہ)

صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی ہے، جس کی مدت دس سال تھی، لفظ ”حدیبیہ“ کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں، ”حُدَيْبِيَّة“ (بغیر تشدید یاء کے) اور ”حَدِيبِيَّة“ (تشدید یاء کے ساتھ)، مقام حدیبیہ مکہ مکرمہ اور جدہ کے درمیان پرانے راستے پر ایک بستی کا نام ہے، جس کو آج کل ”شمسی“ یا ”شمسہ“ کہتے ہیں، جو مکہ سے تقریباً سولہ میل (ایک مرحلہ) کے فاصلے پر ہے،

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ ۶ھ میں مدینہ منورہ سے تقریباً چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرے کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، تو کفار مکہ نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ جانے اور عمرہ کرنے سے منع کر دیا، اور کہا کہ اس مرتبہ آپ ﷺ واپس جائیں، اور آئندہ سال بغیر کھلے ہتھیار کے تشریف لائیں، اور عمرہ کریں، اس کے بعد آپس میں کچھ گفت و شنید ہوئی، اور آخر کار آپ ﷺ کی یہ آمد ”صلح حدیبیہ“ کی شکل میں ظاہر ہوئی،<sup>(۲)</sup> جس کا حاصل جنگ بندی تھی، اور اس کی مدت دس سال مقرر کی گئی۔

اس صلح کی مشہور قرارداد، جو آگے بھی حدیث میں آنے والی ہے، یہ ہے کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا، اس کو مکہ مکرمہ واپس کیا جائے گا، اور اگر مدینہ منورہ سے کوئی آدمی مکہ مکرمہ واپس چلا گیا، تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے، اس طرح کی بعض اور دفعات تھیں، جو بظاہر بہت ہی دب کر، پست ہو کر طے ہوئی تھیں، جو صحابہ کرامؓ پر بڑی شاق گزر رہی تھیں، یہاں تک حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضور! کیا ہم حق پر نہیں؟ ہم کیوں اس طرح سے دب کر صلح کریں؟ حضرت عمرؓ کے اس سوال کا مقصد آپ کے حق پر ہونے میں شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حقیقت حال معلوم کرنا تھا، کہ ایسی صلح کس بنیاد پر کی جا رہی ہے؟ اس کا اصل سبب کیا ہے؟ یا جو کچھ انہوں نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، وہ غلبہ حال

(۱) مکملہ فتح المسیم ج ۳ ص ۱۷۶، ۱۷۷۔

(۲) مکملہ فتح المسیم ج ۳ ص ۱۷۷۔

کی وجہ سے کیا، اور غلبہٴ حال میں آدمی معذور ہوتا ہے، بہر حال! ان کے پوچھنے کا مقصد شک و شبہ نہیں تھا، بلکہ حقیقتِ حال کو معلوم کرنا تھا۔

بہر کیف! ان دفعات اور قرارداد پر صلح ہوئی، اس صلح کو اللہ پاک نے ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا“ (۱) سے تعبیر فرمایا، آگے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قولہ) الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ، يَقُولُ: كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الصُّلْحَ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ، فَكَتَبَ: هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَقَالُوا: لَا تَكْتُبْ رَسُولُ اللَّهِ، فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ لَمْ نُقَاتِلَكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيِّ: اْمُحَهُ، فَقَالَ: مَا أَنَا بِالَّذِي أُمَحَاهُ، فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، قَالَ: وَكَانَ فِيْمَا اشْتَرَطُوا أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ فَيُقِيمُوا بِهَا ثَلَاثًا، وَلَا يَدْخُلُهَا بِسِلَاحٍ إِلَّا جُلْبَانُ السِّلَاحِ، قُلْتُ لِأَبِي إِسْحَاقَ: وَمَا جُلْبَانُ السِّلَاحِ؟ قَالَ: الْقِرَابُ وَمَا لِيهِ.....

(ص ۱۰۴ سطر ۱۴ تا ۱۶)

## تشریح لفظی تحقیق

”إلا جلبان السلاح“ جلبان چڑے کے تھیلے کو کہتے ہیں، جسمیں مختلف ہتھیار اور سامان رکھا جائے، (۲) کفار مکہ نے کہا کہ آئندہ سال جب عمرہ کرنے کے لئے مسلمان آئیں، تو ہتھیار چڑے کے تھیلے میں بند کر کے لائیں، کفار مکہ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا فاتحانہ اور غالبانہ نہ ہو، بلکہ مغلوب ہو کر داخل ہوں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

(۱) معائن فی غریب الحدیث ج ۱ ص ۷۳

(۲) سورہ النحر آیت نمبر ۱



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّي : اَكْتُبْ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ..... الْحَدِيثُ .  
(ص ۱۰۵ سطر ۶ تا ۸)

### تشریح

قوله : فقال النبي ﷺ لعلِّي : اكتب، بسم الله الرحمن الرحيم

(ص ۱۰۵ سطر ۸)

جب آپ ﷺ نے ”بسم اللہ“ اور ”محمد رسول اللہ“ لکھنے کا حکم دیا، تو کفار مکہ نے اس کا انکار کیا، چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ”محمد رسول اللہ“ کے بجائے ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو، اس پر حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے مٹانے سے معذرت کی، لہذا آپ ﷺ نے خود ”محمد بن عبد اللہ“ لکھا۔

### اشکال

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام لکھا، جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے آپ ﷺ ”اُمّی“ تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔

### جواب

اس موقع پر بعض علماء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا تھا، بلکہ حضرت علیؓ نے پہلے تو انہوں نے انکار کیا، پھر آپ ﷺ کے دوبارہ حکم دینے پر لکھ دیا، لیکن آپ ﷺ کے دوبارہ حکم دینے کی وجہ سے مجازاً نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دی گئی، جیسا کہ آپ ﷺ کے بادشاہوں کے نام خطوط مبارکہ لکھنے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ وہ خطوط آپ ﷺ نے نہیں لکھے تھے، بلکہ لکھوائے تھے، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے خود ہی نام مبارک تحریر فرمایا تھا۔ (۱)

”فتح الباری“ میں حافظ ابن حجرؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے خود ہی تحریر فرمایا تھا، اور آپ ﷺ کا یہ تحریر فرمانا بطور معجزہ کے تھا، لہذا یہ قرآن وسنت کے منافی نہیں۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ : قَامَ سَهْلُ بْنُ

(۱) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۷۹، ۱۸۰

(۲) فتح الباری کتب المغازی باب عمرة القضاء ج ۱۲ ص ۶۶

حَنِيفٍ يَوْمَ صَفِينَ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، اتَّهَمُوا أَنْفُسَكُمْ، لَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا، وَذَلِكَ فِي  
 الصُّلْحِ الَّذِي كَانَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ،  
 فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا  
 رَسُولَ اللَّهِ، أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: أَلَيْسَ قِتَالُنَا  
 فِي الْجَنَّةِ وَقِتَالُهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَفِيمَ نُعْطَى الدُّنْيَا فِي دِينِنَا،  
 وَنَرْجِعُ، وَلَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ، (الی قولہ) قَالَ: فَنَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى  
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْفَتْحِ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ، فَأَقْرَأَهُ آيَاهُ،  
 فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوْ فَتَحَ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَطَابَتْ نَفْسُهُ وَرَجَعَ.

(ص ۱۰۵ سطر ۱۲ و ص ۱۰۶ سطر ۱ تا ۶)

### تشریح

قوله : نعطي الدنيا في ديننا،..... الخ (ص ۱۰۶ سطر ۳)

”دنیہ“ کے معنی ہیں: داغ، دھبہ، حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دین  
 میں دھبہ کیوں لگائیں؟

صلح حدیبیہ، جو بظاہر دہر کر کی گئی تھی، اور اس میں ایسی شرطوں کو قبول کیا گیا تھا، جو عام  
 طور پر فریقین کے لئے قابل قبول نہیں ہوتیں، صلح ہو جانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ”فتح  
 مبین“ قرار دیا، تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ حضور! ”او فتح ہو؟ کیا یہ فتح  
 ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ فتح ہے، یہ سن کر حضرت عمرؓ کو قلبی اطمینان حاصل ہوا۔

### صلح حدیبیہ..... ”فتح مبین“

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ  
 مَالِكٍ، حَدَّثَهُمْ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ  
 اللَّهُ“ إِلَى قَوْلِهِ ”فَوْرًا عَظِيمًا“ مَرْجَعُهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَّةِ، وَهُمْ يُخَالِطُهُمُ  
 الْخَزَنَ وَالْكَأَبَةُ، وَقَدْ نَحَرَ الْهَدْيَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ، فَقَالَ: لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَى آيَةٍ

ہی أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا. (ص ۱۰۶ سطر ۱۲ تا ۱۳)

## تشریح

قوله : فقال : لقد أنزلت على آية هي أحب إلي من الدنيا جميعا

(ص ۱۰۶ سطر ۱۳)

صلح حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا، فرمایا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَ يَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا .... الی .... فَوْزًا عَظِيمًا

اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد أنزلت على آية هي أحب إلي من الدنيا جميعا

”مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے، جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔“

اس آیت کے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بڑی بشارتیں نازل فرمائی ہیں:

(۱) ... سب سے پہلے ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا“ صلح حدیبیہ تمہارے لئے ”فتح مبین“ ہے، اور بلاشبہ آگے چل کر یہ فتح مبین ثابت ہوئی۔

(۲) ... دوسرے یہ کہ اس صلح پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی، اور قرآن مجید کی آیت کا نازل ہونا ساری دنیا سے بہتر ہے۔

(۳) ... تیسرے ”لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ“ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی مغفرت کاملہ کا اعلان فرمایا، یہ آپ ﷺ کے حق میں بہت بڑی بشارت اور بہت بڑی نعمت ہے۔

(۴) ... چوتھے نمبر پر ”وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا“ اس میں اتمام نعمت کا ذکر ہے، اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کا ذکر ہے۔

(۵) ... پانچویں نمبر پر ”وَ يَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا“ اللہ تعالیٰ کی زبردست مدد کا وعدہ بیان فرمایا۔

حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ، (الى قوله) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ :  
 سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حَنْفٍ بِصَفِّينَ، يَقُولُ : أَتَيْتُمَا رَأَيْتُكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَلَقَدْ  
 رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أُسْتَطِيعُ أَنْ أُرَدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ مَا فَتَحْنَا مِنْهُ فِي خُصْمٍ، إِلَّا أَنْفَجَرَ عَلَيْنَا مِنْهُ خُصْمٌ. (ص ۱۰۶ سطر ۱۲۰ تا ۱۲۱)

### تشریح

قوله : عن أبي وائل، قال: سمعت سهل بن حنيف بصفين، (ص ۱۰۶ سطر ۱۱۱)  
 اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جنگ صفین کا ہے جس میں ایک جانب حضرت معاویہؓ  
 تھے، اور دوسری جانب حضرت علیؓ تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے  
 لشکر پر غالب آنے کے قریب ہوا تو حضرت معاویہؓ "بعض ساتھیوں کے مشورے سے نیزوں پر قرآن  
 کریم رکھ کر اپنے لشکر سے لگے تاکہ قرآن کریم ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے حضرت علی رضی  
 اللہ عنہ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو آپؓ نے فرمایا کہ ہم اس کتاب اللہ پر فیصلہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں،  
 لیکن ان کے لشکر کے وہ لوگ جن کو خارجی کہا جاتا ہے، انہوں نے اس بات کو نہ مانا اور وہ اس پر آمادہ تھے  
 کہ بغیر لڑے ہم پیچھے نہیں جائیں گے، ان کو سمجھانے کے لئے حضرت سهل بن حنیفؓ کھڑے  
 ہوئے، انہوں نے ان کو سمجھاتے ہوئے یہ حدیث سنائی۔ (۱) اور کہا کہ دیکھو! بعض مرتبہ صلح کرنا بظاہر  
 طبیعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اور طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے، یا ظاہری طور پر اس کے اندر نقصان معلوم  
 ہوتا ہے، لیکن انجام اچھا ہوتا ہے، اور یہ بات تم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر دیکھ لی جو بظاہر بڑی دہک کر کی  
 جانے والی صلح تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن مجید میں "فتح مبین" سے تعبیر کیا، اور اس آیت کے  
 بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے نزدیک دنیا کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ آیت ہے، تو بعض  
 دفعہ صلح ظاہر میں کچھ اور نظر آرہی ہوتی ہے، لیکن اس کا انجام اچھا ہوتا ہے، اسی طرح یہاں جب صلح کی  
 بات سامنے آرہی ہے، تو اسے قبول کرنا چاہئے، پھر فرمایا "اتھموا انفسکم" تم اپنے آپ کو قصور وار  
 سمجھو، یعنی تمہارا جنگ کرنے پر اصرار کرنا درست نہیں ہے۔ (۲)

(۱) حدیث ۳۰۴۲ - محمد بن حنیفؓ سمعت سهل بن حنیفؓ رَفَعَ الْحَدِيثَ ۱۵۹۷۵۰ بوالسلسلہ الکبریٰ لشمس الدین محمد بن مفسر

سارہ صفحہ رقم حدیث ۱۲۱۲

(۲) مکملہ فتح المبین ج ۳ ص ۱۸۴۔

(۳۲)

## باب الوفاء بالعہد

(عہد کو پورا کرنا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ، قَالَ : مَا مَنَعَنِي أَنْ أَشْهَدَ بَدْرًا إِلَّا أَنِّي خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي حُسَيْلٌ، قَالَ : فَأَخَذْنَا كُفَّارَ قُرَيْشٍ، قَالُوا : إِنَّكُمْ تُرِيدُونَ مُحَمَّدًا، فَقُلْنَا : مَا نُرِيدُهُ، مَا نُرِيدُ إِلَّا الْمَدِينَةَ، فَأَخَذُوا مِنَّا عَهْدَ اللَّهِ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَلَا نُقَاتِلَ مَعَهُ، فَاتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ، فَقَالَ : انْصَرَفُوا. فَمَا لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ، وَنَسْتَعِينُ اللَّهَ عَلَيْهِمْ. (ص ۱۰۶ سطر ۲۰ تا ۲۳)

## تشریح

عہد کو پورا کرنا چاہئے

حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت ابو حسیلؓ دونوں غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور شریک نہ ہو سکنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آرہے تھے، راستے میں کفار قریش نے ان کو پکڑ لیا، انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم مدینہ جا رہے ہیں، اس پر کفار مکہ نے ان سے عہد لے لیا کہ تم مدینہ جا کر حضور کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف نہیں لڑو گے، اگرچہ کافروں کے ساتھ اس طرح کے عہد و پیمان پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا<sup>(۱)</sup>، لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے حضور (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ (ﷺ) کو ساری صورتحال بتلائی، تو آپ (ﷺ) نے ان کو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے منع کر دیا، کہ تم نے عہد کیا ہے، اس کو پورا کرو، اس طرح آپ (ﷺ) نے یہ تعلیم دے دی کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔

(۳۳)

## باب غزوة الأحزاب

(غزوہ احزاب)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ، فَقَالَ رَجُلٌ : لَوْ

أَذْرَكْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلْتُ مَعَهُ وَأُبْلِيتُ، فَقَالَ حُذِيفَةُ أَنْتَ كُنْتَ تَفْعَلُ ذَلِكَ؟ لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ، وَأَخَذْتَنَا رِيحٌ شَدِيدَةٌ وَقُرٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللَّهُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللَّهُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللَّهُ مَعِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، فَقَالَ: قُمْ يَا حُذِيفَةُ، فَاتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ، فَلَمْ أَجِدْ بُدًّا إِذْ دَعَانِي بِاسْمِي أَنْ أَقُومَ، قَالَ: اذْهَبْ فَاتِنِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ، وَلَا تَدْعُرْهُمْ عَلَيَّ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ مِنْ عِنْدِهِ جَعَلْتُ كَأَنَّمَا أُمَشِي فِي حِمَامٍ حَتَّى أَتَيْتُهُمْ، فَرَأَيْتُ أَبَا سَفْيَانَ يَصْلِي ظَهْرَهُ بِالنَّارِ، فَوَضَعْتُ سَهْمًا فِي كَبِدِ الْقَوْسِ فَأَرَدْتُ أَنْ أُرْمِيَهُ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَا تَدْعُرْهُمْ عَلَيَّ، وَلَوْ رَمَيْتُهُ لَأَصَبْتُهُ فَرَجَعْتُ وَأَنَا أُمَشِي فِي مِثْلِ الْحِمَامِ، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِ الْقَوْمِ، وَفَرَعْتُ قُرْرُثَ، فَأَلْبَسَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِ عِبَاءٍ وَكَانَتْ عَلَيْهِ يُصَلِّي فِيهَا، فَلَمْ أَزَلْ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحْتُ، فَلَمَّا أَصْبَحْتُ قَالَ: قُمْ يَا نَوْمَانُ. (ص ۱۰۷ سطر ۱ تا ۸)

## تشریح

### غزوہ احزاب کا مختصر واقعہ

غزوہ احزاب کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں، یہ ۵ھ میں ہوا، یہ کفار کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر سب سے بڑا حملہ تھا، <sup>(۱)</sup> آپ ﷺ نے مدینہ اور اہل مدینہ کی حفاظت کے لئے مدینہ میں داخل ہونے کے راستوں پر بہت لمبی چوڑی خندق کھدوائی تھی، <sup>(۲)</sup> کافروں کے وہم و گمان

۱۔ ۲۔ ۱۱ میں سب کئی تہہ و تفریباً بارہ ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۱۰۲۔ تفسیر مظہری سورہ الاحزاب ج ۱۔



میں بھی نہیں تھا کہ ان کو اس طرح کی جنگی تدبیر کا سامنا کرنا پڑے گا، چنانچہ جب لشکر کفار مدینے کے قریب پہنچا، تو وہ خندق دیکھ کر حیران و پریشان ہو گیا، خندق پار کرنے کی جرأت، کسی میں نہیں تھی، بعض نے خندق میں اتر کر اس کو پار کرنے کی کوشش کی بھی، تو مسلمانوں نے تیر و غیرہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا، بہر حال ابوسفیان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) لشکر کفار کو لیکر خندق کے دوسری جانب ایک ماہ تک قیام کیا، جب لڑائی کی کوئی صورت سامنے نظر نہ آئی، اور سرد موسم میں ایک ماہ پڑے پڑے بحال ہو گیا، تو وہ دوبارہ بغیر لڑائی کے واپس چلے گئے۔

### دشمن کا حال معلوم کرنا اور عجیب معجزہ

اس موقع کا ایک واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے، کہ ایک رات تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور سردی بھی شدید تھی دانت سے دانت بچ رہے تھے، ایسی حالت میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کوئی ہے، جو دشمن کی خبر لائے؟ اب رات میں کسی شخص کا اپنے مورچے، یا اپنے خیمہ سے نکل کر دشمن کے لشکر میں جاسوسی کے لئے جانا بجائے خود انتہائی دل گردے کا کام تھا، اور پھر اس پر طوفان اور سخت سردی، اور موسم کی سختی کی وجہ سے کسی نے حامی نہ بھری چنانچہ آپ ﷺ کے تین مرتبہ اعلان فرمانے کے باوجود کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس کام کے کرنے کی ہمت کر پائے، آخر آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کا نام لے کر فرمایا اے حذیفہ! تم کھڑے ہو جاؤ، اور دشمن کو دیکھ کر آؤ کہ کیا کر رہا ہے اور مجھے اس کی خبر لا کر دو، اور تم اس ہوشیاری سے جانا کہ ان کو میرے خلاف نہ بھڑکا دینا، یعنی وہاں جا کر کوئی ایسی بات نہ کرنا، جو میرے خلاف لڑائی کا سبب بن جائے، تم صرف وہاں جا کر ان کے حالات کی خبر لے کر آنا۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے میرا نام لے کر حکم فرمانے کے بعد میرے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ میں اس کام کے لئے اٹھا، اور جیسے ہی میں حضور ﷺ سے جدا ہوا، حضور ﷺ کا ایک معجزہ ظاہر ہو گیا، مجھے ایسے لگا، جیسے میں کسی حтам میں آ گیا، سردی اور ٹھنڈی ہوا کا مجھے کوئی احساس نہ رہا، چنانچہ میں آرام سے چلتا ہوا، کفار کے لشکر میں پہنچا، وہاں جا کر میں نے

طوں و عرص کا خطہ خود سوا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا، یہ خندق قلۃ شیخین سے شروع ہو کر جبل سلح کے مغربی حصہ تک کھودی گئی بعد میں مزید بڑھا کر دیکھی گئی اور وہی روتا کے مقام اتصال تک پہنچائی گئی۔ اس خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی اور چوڑائی، درگاہ کی کیلچ مقدس کی ۱۰ یٹ سے معلوم نہیں ہوئی، لیکن بعض میرت نگاروں نے نو گز چوڑی اور پانچ گز گہرائی لکھی ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰

ابوسفیان کو دیکھا، جو آگ سے اپنی کمر تاپ رہا تھا، میں نے موقع غنیمت جان کر تیر اپنی کمان میں لگایا، اور قریب تھا کہ میں تیر چلا دیتا، اچانک مجھے حضور ﷺ کی بات یاد آئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو میرے خلاف نہ بھڑکا دینا، چنانچہ میں اپنے ارادے سے باز رہا، اور صورتحال کی مکمل خبر لے کر واپس ہوا، واپسی میں بھی مجھے سردی اور سردی ہوا کا کوئی احساس نہ ہوا، جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور ساری صورتحال آپ ﷺ کو بتادی تو اس وقت مجھے سردی لگنے لگی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی عبا مبارک کا کچھ حصہ جس میں آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے مجھ پر ڈال دیا، اور پھر میں آپ ﷺ کے پاس ہی سو گیا، صبح کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ”قم یا نومان“ ارے نیند کے رسیا! اب تو اٹھ جا! اللہ اللہ! کیا پیارا جملہ آپ نے ارشاد فرمایا جس پر جان و دل قربان۔

(۳۴)

## باب غزوة أحد

(غزوة أحد)

غزوة أحد ۳ھ میں ہوا، اس میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے، آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے سر مبارک زخمی ہوا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا هَذَابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ يَوْمَ أُحُدٍ فِي سَبْعَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا رَهَقُوهُ، قَالَ: مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ؟ - أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ -، فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ، ثُمَّ رَهَقُوهُ أَيْضًا، فَقَالَ: مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ؟ - أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ -، فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى قُتِلَ السَّبْعَةُ،

(۱) اس غزوہ میں مسلمان یہودین کی تعداد ساتھ سو تھی اور کفار کی تعداد تین ہزار تھی مسلمانوں میں سے تقریباً ۷۰ مسلمان شہید ہوئے، اور کافروں کے ہاتھیں اتر رہی تھیں، اس غزوہ کے شروع میں مسلمانوں کی فتح ظاہر ہو رہی تھی اور کافر میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی طرف سے پہاڑی درہ پر مقرر بعض حضرات نے مصطفیٰ سے وہ درہ چھوڑ دیا اور کافروں نے اس درہ سے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو وقتی طور پر کچھ شکست ہوئی لیکن رسول کریم ﷺ نے ۱۱ھ میں شریک یہودین کو ساتھ لے کر کافروں کا پیچھا کر کے اس عارضی شکست کو فتح سے تبدیل کر دیا۔ (مزید تفصیلات کے لئے سیرۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبَيْهِ: مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا.  
(ص ۱۰۷ سطر ۸ تا ۱۱)

### تشریح

قوله : فلما رفقوه ..... الخ (ص ۱۰۷ سطر ۱۰)  
”رفقوا“ کے معنی ہیں: غشوه<sup>(۱)</sup>

جب کافر بالکل آپ ﷺ کے قریب آ گئے، تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ان کو ہم سے کون دور کرے گا؟ اس حال میں کہ اس کے لئے جنت ہے، یا فرمایا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، ایک انصاری صحابی آگے بڑھے، یہاں تک کہ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، اس کے بعد دوسرے، تیسرے حتیٰ کہ سات انصاری صحابہ آگے بڑھ کر کافروں کو حضور ﷺ سے دور ہٹاتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قوله : ما أنصفنا أصحابنا الخ (ص ۱۰۷ سطر ۱۱)

اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں: ما أنصفنا (بسكون الفاء)، اس صورت میں ”أصحابنا“ مفعول بہ ہوگا، جس کے معنی ہوں گے: ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔ یہ روایت مشہور ہے اور اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصاری صحابہؓ یکے بعد دیگر کافروں کو ہٹانے کے لئے نکلے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، جبکہ قریشی (مہاجر) صحابہؓ ہمیں سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔

جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ ما أنصفنا (بفتح الفاء) ہے، اور ”أصحابنا“ اس کا قائل ہے قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے، اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ جنگِ اُحد میں جو صحابہ کرامؓ ہم سے پیچھے ہٹ گئے، انہوں نے پیچھے ہٹ کر ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الِی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رِبَاعِيَّتُهُ يَوْمَ أُحُدٍ، وَشَجَّ فِي رَأْسِهِ، فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ، وَكُسِرُوا رِبَاعِيَّتُهُ، وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ؟، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ“، (ص ۱۰۸ سطر ۳ تا ۵)

(۱) بحکمہ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۹۳ تحت هذا الحديث وعرب الحديث لاس في ج ۱ ص ۲۹۲۔

(۲) شرح بروی ج ۲ ص ۷۷ بحکمہ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۹۳ تحت هذا الحديث۔

## تشریح

قوله : وکسروا رباعيته الخ (ص ۱۰۸ سطر ۵)

”رباعی“ ان دانتوں کو کہتے ہیں، جو ”انیاب“ کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں، سامنے کے دو دانتوں کو ”ثنایا“ کہتے ہیں، ”ثنایا“ کے برابر میں ”انیاب“ ہوتے ہیں، اور ”انیاب“ کے دائیں اور بائیں ”رباعی“ ہوتے ہیں۔

قوله : ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ“ (ص ۱۰۸ سطر ۵)

یہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۸ ہے، تمام احادیث کے مجموعے سے اس آیت کا شان نزول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو زخمی کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کرنے کا ارادہ کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ بددعا فرمانے سے رک گئے، اور پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

”رب اغفر لقومی فإنہم لا یعلمون“

”اے میرے رب! میری قوم کی مغفرت فرما، بے شک وہ مجھے نہیں

جانتے“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ فرمایا ہے کہ آپ کو میرے بندوں کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے، بلکہ یہ کہ میں خود کسی چیز کا حکم دوں، آگے فرمایا:

”أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ“

”خواہ ان کو معاف کریں، یا ان کو عذاب دیں، کیونکہ وہ ظالم ہیں“

یعنی ان کو ایمان کی دولت دے کر ان کی مغفرت فرما دیں، یا ان کے کفر کی وجہ سے ان کو عذاب دیں، ان کے معاف کرنے اور عذاب دینے کے معاملے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ : كَأَنِّي

أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرْبَهُ

قَوْمُهُ، وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ، وَيَقُولُ : رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا

يَعْلَمُونَ. (ص ۱۰۸ سطر ۵ تا ۷)

## تشریح

قوله: کانی أنظر إلى رسول الله ﷺ يحكي نبيا من الأنبياء ضربه قومه..... الخ (ص ۱۰۸ سطر ۶)

اس حدیث میں آپ ﷺ انبیاء کرامؑ میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان کی قوم نے ان کو مارا، اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون پونچھ رہے تھے، یہاں پر کون سے نبی مراد ہیں، جن کی قوم نے ان کو مارا؟ اس بارے میں شراح حدیث خاموش ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ احتمال ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہوں<sup>(۱)</sup>، کیونکہ ان کی قوم نے ان کو بہت ستایا، یہاں تک کہ ان کو لہو لہان کر دیا، اور پھر انہوں نے بھی یہی دعا فرمائی تھی کہ:

”رب اغفر لقومی فإنہم لا یعلمون“

اور اس صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے لئے یہ دعا فرمانا دعوت دین کے شروع میں تھا، لیکن جب قوم کی طرف سے ایمان لانے سے مایوسی ہو گئی، تو پھر بددعا فرمائی کہ یا اللہ کسی کافر کا گھر دنیا میں باقی نہ چھوڑ۔ چنانچہ کلام پاک میں ہے ”رَبِّ لَا تَذَرُ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا“،<sup>(۲)</sup>

(۳۵)

باب اشتداد غضب اللہ علی من قتله رسول اللہ ﷺ  
(حضور جس کو قتل کر دیں اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قولہ) عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوا هَذَا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حِينِيذٌ يُشِيرُ إِلَى رَبَاعِيَّتِهِ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الغار، رقم الحدیث ۳۲۱۸۔

(۲) سورہ نوح آیت نمبر ۲۶

رَسُولُ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ . (۱۰۸ اسطر ۷ تا ۱۰۸)

### تشریح

قولہ: اشتد غضب اللہ علی رجل الخ (۱۰۸ سطر ۹)

”رجل“ سے مراد ”عبد اللہ بن لعمہ (۱)“ ہے۔

(۳۶)

باب ما لقی النبی ﷺ من أذى المشركين والمنافقين

(حضور کو کفار و منافقین کی طرف سے تکالیف پہنچنا)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبَانَ الْجُعْفِيُّ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَأَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابُ لَهُ جُلُوسٌ، وَقَدْ نُحِرَتْ جُزُورٌ بِالْأَمْسِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى سَلَا جُزُورِ بَنِي قُلَانٍ، فَيَأْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِي كَتِفِي مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشَقَى الْقَوْمِ فَأَخَذَهُ، فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ: فَاسْتَضَحُّكُوا، وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيلُ عَلَى بَعْضٍ وَأَنَا قَائِمٌ أَنْظُرُ، لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى انْطَلَقَ إِنْسَانٌ فَأَخْبَرَ فَاطِمَةَ، فَجَاءَتْ وَهِيَ جُؤَيْرِيَّةٌ، فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ، ثُمَّ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَشْتِمُهُمْ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ، رَفَعَ صَوْتَهُ، ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ، وَكَانَ إِذَا دَعَا ثَلَاثًا، وَإِذَا سَأَلَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ، عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا سَمِعُوا صَوْتَهُ ذَهَبَ

(۱) عہد مد بن قمر قریش کا مشہور پہلوں میں تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زور سے حملہ کیا کہ آپ کا رخسار مبارک زخمی ہوا اور خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا اَمَّا اَنْتَ يَحْيٰى اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ كَوْزَلَيْلٍ وَخَوَارِ كَرَّءٍ، چنانچہ چند روز گزرے تھے کہ لحد تھوڑے ہی عرصے میں پہاڑی بکر مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے اس کے قمر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۲۱۰-۲۱۱۔



عَنْهُمْ الضَّحْكُ، وَخَافُوا دَعْوَتَهُ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ، عَلَيَّكَ يَا أَبَى جَهْلٍ بْنُ هِشَامٍ، وَعُقْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ، وَأُمِّيَّةُ بْنُ خَلْفٍ، وَعُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ - وَذَكَرَ السَّابِعَ وَلَمْ أَحْفَظْهُ - فَوَالِدِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ سَمَى صَرَعَى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سَحَبُوا إِلَى الْقَلِيبِ قَلِيبَ بَدْرٍ - قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ غَلَطَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ. (ص ۱۰۸ سطر ۱۰ تا ۱۷)

### تشریح

قولہ: بینما رسول اللہ ﷺ یصلی عند البیت... الخ (ص ۱۰۸ سطر ۱۱)  
مدینہ طیبہ ہجرت سے پہلے کفار مکہ آپ ﷺ کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچاتے تھے، آپ ﷺ ان کی ایذا رسانی پر صبر فرماتے، کفار کی ایذا رسانی کے واقعات میں سے ایک واقعہ اس باب میں مذکور ہے۔

ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے سامنے سرکارِ دو عالم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل اور اس کے ساتھ بڑے بڑے سردار وہاں بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ ﷺ سجدے میں گئے، تو ابو جہل نے کہا کہ فلاں قبیلے میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کون ہے، جو اس اونٹ کی او جڑی لا کر (العیاذ باللہ!) حضور ﷺ کی گردن پر ڈال دے۔

قولہ: فانبعث اشقی القوم فاخذہ..... الخ (ص ۱۰۸ سطر ۱۲)

پھر قوم کا سب سے بد بخت آدمی اٹھا، اس سے مراد ”عقبہ بن ابی معیط“ ہے، یہ گیا، اور او جڑی لا کر حضور ﷺ کے کندھوں کے درمیان ڈال دی۔

حدیث میں ہے کہ او جڑی جسم پر آنے کے بعد بھی آپ ﷺ نماز میں مشغول رہے، او جڑی کی وجہ سے سجدے سے اٹھ نہ سکے، چنانچہ حضرت بی بی فاطمہؓ تشریف لائیں، اور انہوں نے آکر وہ او جڑی آپ کے اوپر سے ہٹائی۔

## دورانِ نماز ناپاکی لگ جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

اس حدیث میں ہے کہ او جڑی رکھے جانے کے باوجود آپ ﷺ نماز میں مشغول رہے، مسئلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نماز فاسد ہوئی، یا نہیں ہوئی؟

اس میں حضرت امام بخاریؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی، اس حدیث کی وجہ سے ان کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر اگر نمازی کے بدن یا کپڑوں پر ناپاکی آجائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس پر باقاعدہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

امام نوویؒ نے اس کی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ دراصل حضور ﷺ کو اس کا پتہ نہ چلا کہ یہ او جڑی ہے جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھی گئی ہے، وہ پاک ہے، یا ناپاک، اور پاکی، ناپاکی کا حکم علم ہونے کے بعد لگتا ہے، اس سے پہلے نہیں لگتا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کی نماز فرض تھی، یا نفل؟ دورانِ نماز ناپاکی کپڑے یا بدن پر آجانے سے فرض نماز فاسد ہو جاتی ہے، جبکہ نفل نماز فاسد نہیں ہوتی، اسلئے اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں نماز لوٹالی ہو، حنفیہ یہی کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> اس کا تیسرا مطلب علامہ خطابیؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت تک ”وَبَيْنَاكَ فُطَهْرٌ“ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، جیسے حرمتِ خمر تذہباً ہوئی ہے، ایسے ہی طہارت کے احکام بھی درجہ بدرجہ آئے ہیں، اس وقت ناپاکی سے نماز کے فاسد ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔<sup>(۳)</sup>

قوله: اللّٰهُمَّ، عَلِيكَ يَا بَنِي جَهْلٍ ابْنِ هِشَامٍ..... الخ (ص ۱۰۸ سطر ۱۵)  
اس واقعہ کے وقت ابو جہل کے ساتھ کفار مکہ کے سرداروں میں سے چھ لوگ تھے، کل ملا کر یہ سات لوگ وہاں موجود تھے، ان کے لئے آپ ﷺ نے بددعاء فرمائی، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ... ابو جہل بن ہشام (۲) ... عتبہ بن ربیعہ

(۳) ... شیبہ بن ربیعہ (۴) ... ولید بن عقبہ

(۵) ... أمیة بن خلف (۶) ... عقبہ بن أبی معیط.

(۱) صحیح ابیحری کتاب الوضوء باب اذا ألقى على ظهر المصلي قدر أو جمعة لم يفسد عليه صلوته، رقم الحديث: ۲۴۳۔

(۲) شرح مسودى عمى صحيح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸۔

(۳) نكتة فتح المسلم ج ۳ ص ۱۹۹۔

قوله: وذكر السابع ولم أحفظه الخ (ص ۱۰۸ سطر ۱۶)

راوی فرماتے ہیں کہ مجھے ساتواں یاد نہیں رہا، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام

عمارة بن ولید تھا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: قال أبو إسحاق: الوليد بن عقبة غلط في هذا الحديث.

(ص ۱۰۸ سطر ۱۶ تا ۱۷)

اس حدیث میں "ولید بن عقبہ" کا نام صحیح نہیں ہے، صحیح نام ہے "ولید بن عقبہ"۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قوله) نَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ، يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ وَخَوْلُهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ، (الی قوله) فَقَالَ: اللَّهُمَّ، عَلَيْكَ الْمَلَأَ مِنْ قُرَيْشٍ: أَبَا جَهْلٍ بْنُ هِشَامٍ، وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَعُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ، وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلْفٍ — أَوْ أَبِي بَنٍ خَلْفٍ شُعْبَةُ الشَّاكُ —، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ، فَأُلْقُوا فِي بَيْتٍ، غَيْرَ أَنْ أُمَيَّةَ — أَوْ أُبَيًّا — تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ فَلَمْ يُلْقَ فِي الْبَيْتِ، (ص ۱۰۸ سطر ۱۷ تا ۲۰)

### تشریح

قوله: وأمية بن خلف، أو أبي بن خلف، شعبة الشاك (ص ۱۰۸ سطر ۲۰)

"امیہ بن خلف" ہے، یا "ابی بن خلف" اس میں راوی حضرت شعبہ کو شک ہے، جبکہ صحیح

"امیہ بن خلف" ہے۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ، (الی قوله) أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْهُ، أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ؟ فَقَالَ: "لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكَ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ، إِذْ عَرَضْتُ

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۰۸

(۲) شرح النووي ج ۲ ص ۱۰۸

نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كَلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ،  
فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِهِ، فَلَمْ أُسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ  
رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظْلَتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي،  
فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رُدُّوا عَلَيْكَ،  
وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ"، قَالَ: "فَنَادَانِي  
مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ  
قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي  
بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أَطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبِينَ"، فَقَالَ لَهُ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ  
مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا. (ص ۱۰۹ سطر ۵ تا ۱۱)

### تشریح

قوله: هل أتى عليك يوم كان أشد من يوم أحد؟ (ص ۱۰۹ سطر ۶)

اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حضور ﷺ سے سوال فرما رہی ہیں کہ یا رسول  
اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ پر اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن آیا؟ اس پر آپ ﷺ نے انہیں طائف  
کا واقعہ سنایا۔

### طائف کا واقعہ

مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے آپ ﷺ اہل مکہ کے اسلام قبول کرنے سے ناامید ہو گئے، اور ان  
کے مظالم انتہاء کو پہنچ گئے، دوسری طرف آپ ﷺ کے چچا ابوطالب، جو آپ ﷺ کے سب سے بڑی  
حمایتی اور سرپرست تھے، ان کا انتقال ہو گیا، اور اہل المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ، جو آپ ﷺ کی رفیقہ  
حیات تھیں، اور دین کے معاملے میں آپ ﷺ کی سب سے بڑھ کر مددگار تھیں، ان کا بھی انتقال  
ہو گیا، ایسی حالت میں آپ ﷺ مکہ والوں کی طرف سے اسلام کی دعوت ٹھکرانے کے بعد اہل طائف  
سے ایمان لانے کی امید لے کر شوال ۱۰ھ نبوی میں (ہجرت مدینہ سے تقریباً تین سال قبل) طائف  
تشریف لے گئے، اور دس دن تک وہاں رہے، اُس وقت اہل طائف کے تین بڑے سردار تھے، ان

عبدیاللیل، حبیب اور مسعود بنو عمرو، جو آپس میں بھائی تھے، آپ ﷺ اُن سے جا کر ملے، اور اُن کو اسلام کی دعوت دی، اور اہل مکہ کی بدسلوکی کا ذکر کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے دعوتِ اسلام سن کر کفارِ مکہ کی طرح آپ ﷺ کی دعوتِ اسلام کے جواب میں انتہاء درجے کی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا، جو کہ مشہور و معروف ہے، جب آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے، تو آپ ﷺ کے پیچھے لڑکوں کو لگا دیا، جو العیاذ باللہ! آپ ﷺ کو پتھر مارتے جاتے تھے، چلتے چلتے آپ ﷺ کہیں تھک کر رک جاتے، تو وہ پتھر مار مار کر پھراٹھنے پر مجبور کر دیتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قوله : وَاَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِی..... (ص ۱۰۹ سطر ۷)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس صورتحال سے بہت زیادہ مغموم اور افسردہ اپنے چہرے کے رخ چلا جا رہا تھا، ”قرن الثعالب“ پہنچ کر مجھے کچھ سکون کا سانس لینے کا موقع ملا، ”قرن الثعالب“ سے مراد ”قرن المنازل“ ہے، جو اہل نجد کی ”میقات“ ہے، جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلوں (۳۲ میل) کے فاصلے پر واقع ہے<sup>(۱)</sup>، اور حدودِ حرم سے باہر جو ”حلّ“ کے علاقے ہیں، ان میں سے حرم سے سب سے زیادہ دور میقات یہ ”قرن المنازل“ ہے۔

قوله : اَنْ اَطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْاَخْشَبِینَ..... (ص ۱۰۹ سطر ۱۱)

”اخشبین“ ثنیہ ہے ”اخشب“ کا، اور ”اخشب“ پہاڑ کو کہتے ہیں، ”اخشبین“ سے مراد دو پہاڑ ہیں، جن میں سے ایک ”جبلِ ابی قیس“ ہے، اور دوسرا ”جبلِ قعیقعان“ ان دو پہاڑوں کے درمیان مکہ مکرمہ آباد ہے<sup>(۲)</sup>، پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں، تو میں ان دونوں کو آپس میں ملا دوں، جسے سے یہ طائف والے پس کر رہ جائیں گے۔

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے کچھ مسلمان پیدا فرمادیں گے، آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے چودہ سو سال سے طائف مسلمانوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔

(۱) شرح الترمذی ج ۲ ص ۱۰۹

(۲) نکتہ فتح سہم ج ۳ ص ۲۰۳

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ، قَالَ: دَمِيتُ  
إِصْبَعُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ تِلْكَ الْمَشَاهِدِ، فَقَالَ  
هَلْ أَنْتَ إِلَّا إِصْبَعُ دَمِيتِ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتَ (ص ۱۰۹ سطر ۱۱، ۱۲)

### تشریح

قوله: هل أنت إلا إصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

(ص ۱۰۹ سطر ۱۲)

جنگِ احد میں آپ ﷺ کی انگلی مبارک زخمی ہوئی، جس سے خون بہنے لگا، اس وقت  
آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ ادا ہوئے:  
”تو ایک انگلی ہے، جس سے خون نکلا اور یہ تکلیف تجھے اللہ کے راستے  
میں آئی ہے“

اس پر بھی وہی اشکالات ہیں، کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

”اور ہم نے (اپنے) ان (پیغمبر) کو نہ شاعری سکھائی ہے، اور نہ یہ ان  
کے شایانِ شان ہے“ (سورۃ یسین<sup>(۱)</sup>، آسان ترجمہ قرآن)

اس کے علماء نے بہت سے جوابات دیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ زبان پر بے ساختہ  
شعر آجانے سے آدمی شاعر نہیں بن جاتا۔<sup>(۲)</sup>

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کا شعر نہیں ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا شعر ہے،  
لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ  
جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ، يَقُولُ: "أَشْتَكِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ  
يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ  
شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِيبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ"، قَالَ: "فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَالصُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا

(۱) سورۃ یسین ۲۹

(۲) تفسیر معارف القرآن صحت هذه الآية ج ۷ ص ۳۹۸۔



قلی“۔ (ص ۱۰۹ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

قوله : فجاءته امرأة، فقالت : يا محمد ! (ص ۱۰۹ سطر ۱۶)

”امراة“ سے مراد ”ابولہب“ کی بیوی ”ام جمیل بنت حرب“ ہے۔<sup>(۱)</sup>

وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، (الی قوله) أخبرنا الملائی، حدثنا سفيان،

كلاهما عن الأسود بن قيس، بهذا الإسناد نحو حديثهما (ص ۱۰۹ سطر

(۱۸، ۱۹)

قوله : أخبرنا الملائی..... (ص ۱۰۹ سطر ۱۸)

”ملائی، ملاءة“ سے ہے، ”ملاءة“ اس چادر کو کہتے ہیں، جس کو عورتیں اپنے جسم کو چھپانے کے

لئے اوڑھتی ہیں، ان کو ”ملائی“ اس لیے کہتے تھے کہ یہ ایسی چادریں بیچا کرتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

حدثنا إسحاق بن إبراهيم الحنظلي، (الی قوله) عن عرووة، أن أسامة بن

زید، أخبره، أن النبي صلى الله عليه وسلم ركب حماراً عليه إكاف

تحتة قطيفة فذكية، وأرذف وراءه أسامة وهو يعود سعد بن عبادَةَ في

بنی الحارث بن الخزرج، (الی قوله) حتى دخل على سعد بن عبادَةَ،

فقال: أي سعد، ألم تسمع إلى ما قال أبو حباب؟ \_\_\_\_\_ يريد عبد الله

بن أبي \_\_\_\_\_ قال: كذا وكذا، قال: أعف عنه يا رسول الله، وأصفح،

فوالله، لقد أعطاك الله الذي أعطاك، ولقد اصطلح أهل هذه البحيرة

أن يتوجوه فيعصبوه بالعصاة، فلما ردَّ الله ذلك بالحق الذي أعطاك،

شرق بذلك، فذلك فعل به ما رأيت، فعفا عنه النبي صلى الله عليه

وسلم. (ص ۱۰۹ سطر ۱۹ تا ص ۱۱۰ سطر ۳)

(۱) نکتہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۰۶

(۲) نکتہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۰۷

## تشریح

قوله : البحيرة (ص ۱۱۰ سطر ۲)

”بحيرة“، ”بحرة“ کی تصغیر ہے، ”بحرة“ بستی کو کہتے ہیں، اس سے مراد مدینہ منورہ ہے<sup>(۱)</sup>، اس واقعے میں عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ کے ساتھ بدتمیزی کی، اور آپ ﷺ کو نازیبا جواب دیا۔

قوله : آی سعد، ألم تسمع إلی ما قال أبو حباب؟ (ص ۱۱۰ سطر ۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم نے ابو حباب کی بات سنی! اس نے کیا کہا؟ ابو حباب سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔<sup>(۲)</sup>

اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے فرمایا کہ حضور! اہل مدینہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عبداللہ بن ابی کو سردار بنانا چاہتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل فرمایا، اور آپ ﷺ کو عزت و شرف بخشا، تو اس کو آپ ﷺ سے حسد ہو گیا، سوا اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائیے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا۔

خَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْقَيْسِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ،

قَالَ: قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَتَيْتَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي، (الی

قوله) قَالَ: لَبَلَّغْنَا أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِمْ: ”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا

فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا“ (ص ۱۱۰ سطر ۸ تا ۷)

## تشریح

قوله : وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا الخ (ص ۱۱۰ سطر ۸، ۷)

ایک موقع پر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ کچھ مسلمان عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم کے پاس سے گزرے، زمین شوریلی اور خشک تھی جس کی وجہ سے سواریوں کے چلنے سے گرد و غبار اڑنے لگا، جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا آپ دور ہٹ جائیں، آپ کے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، جس پر ایک انصاری صحابی کو غصہ آیا، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہمارے بھائی کی بدبو سے اچھی ہے، اس پر عبداللہ بن ابی کی قوم کا ایک آدمی اس انصاری صحابی

(۱) شرح سووی عنی صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۰

(۲) تكملة مع المسهم ج ۳ ص ۲۰۸

پر غصہ ہوا، اور بات بڑھتے بڑھتے جانہین سے چھڑیوں، مکوں اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی، حدیث کے راوی فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس قصے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

”وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا“ (الحجرات . ۹)

یہ دوسری روایت درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہاں دونوں طرف ایمان والے تھے، اگرچہ عبداللہ بن ابی اور اس کی قوم ظاہری طور پر مسلمان تھے، بہر حال! وہ مسلمانوں کی صف میں شامل تھے، لیکن اس سے پہلے والی روایت کو اگر اس آیت کے شان نزول کی روشنی میں دیکھا جائے، تو وہاں اشکال ہوتا ہے کہ وہاں مسلمانوں، مشرکوں، اور یہودیوں کا مخلوط اجتماع تھا، پھر طائفتان من المؤمنین، کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس اجتماع میں اکثریت مسلمانوں کی تھی، اس لئے تغلیباً طائفتان من المؤمنین کہا گیا۔<sup>(۱)</sup>

(۳۷)

### باب قتل ابی جہل (ابو جہل کا قتل)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السُّعْدِيُّ، (الی قولہ) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ؟ فَأَنْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ، فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ، حَتَّى بَرَكَ، قَالَ: فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ، فَقَالَ: أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ؟ فَقَالَ: وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ قَالَ: قَتَلَهُ قَوْمُهُ، قَالَ: وَقَالَ أَبُو مَجَلَزٍ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ: قَلُّوْ غَيْرُ أَكْأَرٍ قَتَلَنِي. (ص ۱۱۰ سطر ۱۰، ۹)

### تشریح

قولہ: وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ الخ (ص ۱۱۰ سطر ۹ تا ۱۰)

جب غزوہ بدر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق ابو جہل کی خبر لینے کے لئے میدان جنگ میں نکلے، تو انہوں نے ابو جہل کو ایسے حال میں پایا کہ اس میں تھوڑی سی

(۱) مکمل فتح صحیحہ ج ۳ ص ۲۱۰، اس سلسلے کے مزید جوابات کے لئے ملاحظہ فرمائیں روح البیان المعروف بتفسیر حمی تحت عدد لایہ

جان باقی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی داڑھی پکڑی اور کہا: تو ہے ابو جہل؟ اس وقت ابو جہل نے جواب دیا: ہل فوق رجل قتلتموه؟ کیا تم نے اس سے بڑا آدمی دیکھا ہے، جس کو تم نے قتل کیا؟ یعنی یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ اتنا بڑا آدمی تمہارے ہاتھ سے مقتول ہو گیا، اور اس مقتول پر کوئی عار اور شرم کی بات نہیں کہ تم نے اسے قتل کیا، علامہ نوویؒ نے اس جملہ کا یہی مطلب بتایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت قاضی عیاضؒ نے اس کا دوسرا مطلب بتایا ہے کہ کاش! میں کسی قریشی کے ہاتھ سے قتل ہوتا، افسوس! کہ میں کاشٹکار کے ہاتھوں قتل ہوا، کیونکہ عفراء کے دو بیٹوں معوذ اور معاذ نے ابو جہل کو قتل کیا تھا، اور یہ انصار میں سے تھے، اور انصاری صحابہ عموماً کاشٹکار ہوتے تھے۔

اسی حدیث میں ابو مجلز کے قول: قال ابو جہل: ”فلو غيرا كمار قتلني“ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۸)

### باب قتل كعب بن الأشرف طاغوت اليهود

(یہودی طاغوت کعب بن اشرف کا قتل)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَاللَّفْظُ لِلزُّهْرِيِّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو، سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتَحِبُّ أَنْ أُقْتَلَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ائْذَنْ لِي، فَلَأَقُلَّ، قَالَ: قُلْ، فَاتَّاهُ، فَقَالَ لَهُ: وَذَكَرَ مَا بَيْنَهُمَا، وَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ أَرَادَ صَدَقَةً، وَقَدْ عَنَانَا، فَلَمَّا سَمِعَهُ قَالَ: وَأَيْضًا وَاللَّهِ، لَتَمْلَنَّهُ، قَالَ: إِنَّا قَدْ اتَّبَعْنَاهُ الْآنَ، وَنَكْرَهُ أَنْ نَدْعَهُ حَتَّى نَنْظُرَ إِلَى أَى شَيْءٍ يَصِيرُ أَمْرُهُ، قَالَ: وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ تُسَلِّفَنِي سَلَفًا، قَالَ: فَمَا تَرْهَنُنِي؟ قَالَ: مَا تُرِيدُ؟ قَالَ: تَرْهَنُنِي نِسَاءَ كُمْ، قَالَ: أَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ، أَرَهْنُكَ نِسَاءَ نَا؟ قَالَ لَهُ: تَرْهَنُونِي أَوْلَادَكُمْ، قَالَ: يُسِبُّ ابْنُ أَحَدِنَا،

فَيُقَالُ: رَهْنٌ فِي وَسْقَيْنِ مِنْ تَمْرٍ، وَلَكِنْ نَرَاهُكَ اللَّامَةُ - يَعْنِي السَّلَاحَ -،  
 قَالَ: فَنَعَمْ، وَوَاعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ بِالْحَارِثِ، وَأَبَى عَبْسُ بْنُ جَبْرِ، وَعَبَادُ بْنُ  
 بِشْرِ، قَالَ: فَجَاءُوا فَدَعَوْهُ لَيْلًا فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ، قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ غَيْرُ عُمَرُو:  
 قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: إِنِّي لَأَسْمَعُ صَوْتًا كَأَنَّهُ صَوْتُ دَمٍ، قَالَ: إِنَّمَا هَذَا مُحَمَّدُ  
 بْنُ مُسْلَمَةَ، وَرَضِيْعُهُ، وَأَبُو نَائِلَةَ، إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلَى طَعْنَةٍ لَيْلًا  
 لَأَجَابَ، قَالَ مُحَمَّدٌ: إِنِّي إِذَا جَاءَ، فَسَوْفَ أُمْدُ يَدِي إِلَى رَأْسِهِ، فَإِذَا  
 اسْتَمَكَنْتُ مِنْهُ قَدْوَنْكُمْ، قَالَ: فَلَمَّا نَزَلَ نَزَلَ وَهُوَ مُتَوَشِّحٌ، فَقَالُوا: نَجِدُ  
 مِنْكَ رِيحَ الطَّيِّبِ، قَالَ: نَعَمْ تَحْتِي قِلَانَةٌ هِيَ أُعْطِرُ نِسَاءَ الْعَرَبِ، قَالَ:  
 فَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَشُمَّ مِنْهُ، قَالَ: نَعَمْ فَشُمَّ، فَتَنَاولَ فَشُمَّ، ثُمَّ قَالَ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ  
 أَغُوْدَ، قَالَ: فَاسْتَمَكَنْ مِنْ رَأْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: دُونَكُمْ، قَالَ: فَقَتَلُوهُ. (ص ۱۱۰)

سطر ۱۱ تا ۱۴

## تشریح

### کعب بن اشرف کے قتل کا حکم

اس باب میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ بیان ہوا ہے، کعب بن اشرف یہودیوں  
 کا سردار تھا، بڑا کھیم کھیم اور بڑے ڈیل ڈول والا آدمی تھا، غزوہ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں کی مذمت  
 کرنا شروع کی، اور یہ مسلمان مردوں، عورتوں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا، اور یہ  
 سب کھلے عام اور مجلس جما کر کیا کرتا تھا، اس لئے حضور ﷺ کی ہجو کرنے کی وجہ سے اس کا عہدِ ذمہ ختم  
 ہو گیا، (۱) اور اس کو مجرم قرار دیا گیا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کے لئے فرمایا کہ کوئی ہے،  
 جو اس کو قتل کرے؟

حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ پسند فرمائیں، تو میں اسے قتل کر دوں؟  
 آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم قتل کر دو، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے اس بارے میں کچھ  
 ”توریت“ اور ”تعریض“ کرنے کی اجازت دیجئے، ”توریت“ کہتے ہیں کہ الفاظ کچھ اور ہوں، اور ان  
 سے مراد کچھ اور لی جا رہی ہو، مراد صحیح ہوتی ہے، ظاہری الفاظ اس کے خلاف ہوتے ہیں۔ (۱)

قوله : إن هذا الرجل قد أراد صدقة، وقد عنانا... (ص ۱۱۰ سطر ۱۲)

چنانچہ محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کے پاس پہنچے، اور بطور توریہ یہ جملہ کہا: کہ یہ آدمی (سرکارِ دو عالم ﷺ) ہم سے صدقہ چاہ رہے ہیں، اور انہوں نے ہمیں مشقت میں بھی ڈال رکھا ہے، مشقت میں ڈالنے کا ”توریہ“ کرتے وقت ان کی مراد یہ تھی کہ وہ ہمیں احکامِ شرع بتلاتے ہیں، جن پر عمل کرنا مشقت سے خالی نہیں۔

جب کعب بن اشرف نے یہ بات سنی، تو وہ اس کا ظاہری مطلب سمجھا کہ یہ حضور سے تنگ اور بیزار ہیں، لہذا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! تم اس سے زیادہ مشقت کا سامنا کر دو گے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ بہر حال! ہم نے ان سے تابعداری کا وعدہ کر لیا ہے، اب ہم انہیں نہیں چھوڑ سکتے، البتہ! ان کے معاملے کو دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟

محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ ہم تم سے کچھ سامان (کھجوریں وغیرہ) ادھار لینا چاہتے ہیں، کعب بن اشرف نے کہا کہ تم میرے پاس کیا چیز رہن رکھو آؤ گے؟ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ تم اپنی عورتیں رہن رکھو آؤ، محمد بن مسلمہؓ نے کہا: تم تو عرب کے سب سے خوبصورت مرد ہو، ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں رہن کیسے رکھوائیں؟ اس نے کہا: تم اپنی اولاد کو رہن رکھو آؤ، محمد بن مسلمہؓ نے کہا: پھر ہماری اولاد کو طعنہ دیا جائے گا کہ دیکھو! یہ ایسی اولاد ہے، جس کو دو سبق کھجور کے بدلے رہن رکھا گیا، البتہ! ہم تمہیں اپنے ہتھیار رہن رکھو آؤ گے، چنانچہ کعب بن اشرف مان گیا، اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اس کے پاس اپنے چند دیگر ساتھیوں کے ساتھ آنے کا وعدہ کیا، چنانچہ یہ حضرات رات کو اس کے پاس آئے اور اس کو بلایا، کعب بن اشرف کی بیوی نے کہا کہ مجھے تو یہ قتل کرنے والے کی آواز محسوس ہوتی ہے، اس نے کہا کہ یہ تو محمد بن مسلمہؓ اور اس کے رضاعی بھائی ابونا نکہہ ہیں، اور بہادر آدمی کو اگر رات کے وقت بھی لڑائی کے لئے بلایا جائے، تو وہ اس دعوت کو قبول کرتا ہے، چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر نیچے اترا، ادھر محمد بن مسلمہؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہوا تھا کہ جب وہ آئے گا، تو میں اس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا، جب میں اس پر قابو پا لوں، تو تم اس پر حملہ کر دینا، چنانچہ جب وہ چادر اوڑھے ہوئے نیچے آیا، تو یہ بولے کہ ہمیں تیرے پاس سے خوشبو آرہی ہے، اس نے کہا: کیوں نہ آئے، میرے پاس





وَسَلَّمَ، فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ " :اللَّهُ أَكْبَرُ، خَرَبْتُ خَيْرٌ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ "فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ" قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ :وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ، فَقَالُوا :مُحَمَّدٌ، قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ :وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا :وَالْحَمِيسَ، قَالَ :وَأَصْبَنَاهَا غَنَوَةً. (ص ۱۱۱ سطر ۳ تا ۷)

### تشریح

قوله : فصلينا عندها صلاة الغداة بغلس، الخ (ص ۱۱۱ سطر ۴)  
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ہم نے خیبر کے قریب فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں، جہاد میں، یا مرض کی وجہ سے اگر آدمی فجر کی نماز جلدی پڑھ لے، تو کچھ حرج نہیں، ورنہ عام حالات میں قدرے روشنی ہو جانے پر فجر کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک مستحب ہے۔

قوله : وانحسر الإزار عن فخذ نبي الله ﷺ، الخ (ص ۱۱۱ سطر ۵)  
حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میرا گھٹنہ آنحضرت ﷺ کی ران مبارک سے مس کر رہا تھا، اور آنحضرت ﷺ کا ازار مبارک ران سے ہٹا ہوا تھا۔

### ران ستر کا حصہ ہے یا نہیں؟

یہاں یہ مسئلہ ہے کہ ران ستر کا حصہ ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" (۱) میں فرمایا کہ حضرت داؤدؑ ظاہریؒ، اور ایک روایت حضرت امام مالکؒ کی، اور ایک روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی، اور بعض شوافعؒ کی رائے یہ ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں، ان کی دلیل یہ حدیث الباب ہے، کیونکہ اگر ران ستر کا حصہ ہوتی، تو حضرت انسؓ اپنا گھٹنہ، آنحضرت ﷺ کی ران سے مس کرنے سے بچاتے، اور آنحضرت ﷺ ران کو ڈھانک لیتے، جب یہ ستر نہیں، تو اس کو کھولنا، دیکھنا، مس کرنا جائز ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ران بھی ستر میں داخل ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے، جس میں ران بھی آجاتی ہے، حنفیہ کی دلیل حدیث جوہد اسلمیؒ ہے، جس میں اس بات

کی صراحت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس سے تشریف لائے، اس حال میں کہ ان کی ران کھلی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”خمر علیک، اما علمت أن الفخذ عورة“<sup>(۱)</sup>

”تم اپنی ران ڈھکو، تمہیں معلوم نہیں کہ ران ستر ہے“

لہذا اس حدیث کی بناء پر حنفیہ کہتے ہیں کہ مرد کی رانیں ستر میں داخل ہیں۔

حدیث الباب کے کئی جوابات دیے گئے ہیں: ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی ران مبارک کا کھلنا غیر اختیاری طور پر تھا، کیونکہ آپ ﷺ سواری پر سوار تھے، اور خیبر تشریف لے جا رہے تھے، اور سواری دوڑاتے وقت ران سے کپڑے کا ہٹ جانا بعید نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں، اور حدیث جرہد اسلمی سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل ہے، حدیث جرہد میں قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے، اور حدیث الباب میں واقعہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے، اور قاعدہ کلیہ ترجیح رکھتا ہے واقعہ جزئیہ پر، اس لئے حدیث جرہد رائج ہوگی۔<sup>(۳)</sup>

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، یعنی آپ ﷺ کی ران کا ستر میں داخل نہ ہونا، یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ حکم نہیں۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک ران کے ستر میں داخل ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور حدیث جرہد اسلمی والی حدیث بعد کی ہے، لہذا یہ حدیث ناسخ ہے، اور حضرت انس بن مالک والی حدیث منسوخ ہے۔

قوله: وقال بعض أصحابنا: والخميس..... الخ (ص ۱۱۱ مطرے)

”و الخميس“ اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں، اور منصوب بھی، مرفوع پڑھنے کی صورت میں واو عاطفہ ہوگا، اور اس کا عطف ہوگا لفظ ”محمد“ پر، اور معنی ہوگا: محمد اور لشکر، ”خميس“ لشکر کو کہتے ہیں، اس لئے کہ لشکر میں پانچ حصے ہوتے ہیں:

(۱) مسند احمد مسند جرہد الاسلامی رضى الله عنه، رقم الحديث ۱۵۹۳۱

(۲) شرح بویجی ج ۲ ص ۱۱۱

(۳) فتح باری ج ۲ ص ۷۴، کتاب النصور باب ما يذكر في الفخذ

- (۱) ... مقدمة (۲) ... میمنہ (۳) ... میسرہ  
(۴) ... قلب (۵) ... صاقہ

”والخمیس“ کو منصوب پڑھنے کی صورت میں داؤ بمعنی ”مع“ ہوگا، اور الخمیس مفعول مع

ہوگا۔ (۱)

### خیبر عنوة فتح ہوا تھا، یا صلحا؟

قوله: وأصبناها عنوة. (ص ۱۱۱ سطر ۷)

اور ہم نے خیبر کو لڑائی کر کے حاصل کیا۔

خیبر عنوة فتح ہوا تھا، یا صلحا؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... صلحا فتح ہوا تھا۔ (۲) ... عنوة فتح ہوا تھا۔

(۳) ... کچھ صلحا فتح ہوا، کچھ عنوة فتح ہوا۔

ان میں تیسرا قول رائج ہے۔ (۲)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كُنْتُ رِذْفَ أَبِي  
طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ وَقَدِمِي تَمَسُّ قَدَمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:  
فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ، وَخَرَجُوا  
بِفُؤُوسِهِمْ، وَمَكَاتِلِهِمْ، وَمُرُورِهِمْ.... الحديث (ص ۱۱۱ سطر ۷، ۸)

### تشریح

”الفؤوس“ یہ ”فاس“ کی جمع ہے، ”فاس“ کلہاڑی کو کہتے ہیں، (۳)

”مکاتل“ جمع ہے ”مکتل“ کی معنی ہے: زنبیل، حمیلہ جس میں کاشتکار اپنی کٹائی کے

اوزار رکھتے ہیں۔ (۲) ”مرور“ جمع ہے ”مر“ کی، درانگی کو کہتے ہیں۔ (۵)

(۱) عمدہ الندری کتاب الصلوہ باب ما یدکر فی المتحد ج ۲ ص ۶۴۲

(۲) مکملہ فتح المسند ج ۳ ص ۲۱۹، ۲۲۰

(۳) تصحیح فی سبغہ لغوہری حرف الفاء مادة ”فاس“

(۴) عمدہ الندری ج ۱ ص ۶۴۷ کتاب المعاری باب عروۃ خیبر۔

(۵) مکملہ فتح المسند ج ۳ ص ۲۲۰

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ، فَتَسَيَّرْنَا لَيْلًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَلَا تَسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ، وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا، فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ، يَقُولُ:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلِّينَا  
فَاغْفِرْ فِدَاءَ لَكَ مَا اتَّفَقْنَا وَتَبَّتِ الْأَقْدَامُ إِنْ لَاقَيْنَا  
وَالْقَيْنَ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنَّا إِذَا صَبَحَ بَنَّا أَتَيْنَا  
وَبِالصَّبَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ هَذَا الشَّائِقُ؟ قَالُوا: عَامِرٌ، قَالَ: يَرْحَمُهُ اللَّهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: وَجَبَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْلَا أُمْتَعَتْنَا بِهِ، قَالَ: فَاتَيْنَا خَيْبَرَ، فَحَاصَرْنَا هُمْ حَتَّى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ فَتَحَهَا عَلَيْكُمْ، قَالَ: فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ مَسَاءَ الْيَوْمِ الَّذِي فَتَحَتْ عَلَيْهِمْ، أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا هَذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلَى أَى شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟ فَقَالُوا: عَلَى لَحْمٍ، قَالَ: أَى لَحْمٍ؟ قَالُوا: لَحْمُ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَهْرِيقُوهَا، وَاكْسِرُوهَا، فَقَالَ رَجُلٌ: أَوْ يَهْرِيقُوهَا وَيَغْسِلُوهَا؟ فَقَالَ: أَرُ ذَاكَ، قَالَ: فَلَمَّا تَصَافَتِ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ فِيهِ قِصْرٌ، فَتَنَازَلَ بِهِ سَاقُ يَهُودِيٍّ لِيَضْرِبَهُ، وَيَرْجِعُ ذُبَابٌ سَيْفِهِ، فَأَصَابَ رُكْبَةً عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ، قَالَ: فَلَمَّا قَفَلُوا، قَالَ سَلَمَةُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي: قَالَ: فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتًا، قَالَ: مَا لَكَ؟ قُلْتُ لَهُ: فَذَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ، قَالَ: مَنْ قَالَ؟ قُلْتُ: فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: كَذَبَ مَنْ قَالَ، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ وَجَمْعَ

بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ، إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُّجَاهِدٌ قُلٌّ عَرَبِيٌّ مَّشَى بِهَا مِثْلَهُ

....الحديث (ص ۱۱۱ سطر ۱ تا ص ۱۱۲ سطر ۶)

### تشریح

قوله. فتسيرنا ليلا، فقال رجل من القوم لعامر بن الأكوع

(ص ۱۱۱ سطر ۱۲)

چونکہ آپ ﷺ خیر کی طرف رات کو روانہ ہوئے تھے، ایک جگہ پہنچ کر ایک آدمی نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ (جو تیز دوڑنے کے ماہر تھے) کے بھائی حضرت عامر بن اکوعؓ سے کہا کہ آپ ہمیں اپنے کچھ اشعار سنائیے،

”ہنیہات“ جمع ہے ”ہنیہہ“ کی، جو تصغیر ہے ”ہنہ“ کی، معنی ہیں: شعر، (۱) حضرت عامر شاعر آدمی تھے، انہوں نے بطور ہدیٰ یہ اشعار پڑھنے شروع کیے:

اللهم لو لا أنت ما اهتدينا و لا تصدقنا و لا صلينا  
فاغفر فداء لك ما اقتفينا وثبت الأقدام إن لاقينا  
و الألقين سكينه علينا إنا إذا صبح بنا ألبينا

و بالصباح عولوا علينا

قوله: يرحمه الله.... الخ (ص ۱۱۲ سطر ۱)

آپ ﷺ نے اشعار سن کر دریافت فرمایا کہ یہ (ہدیٰ پڑھ کر اونٹوں کو) ہٹکانے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ”عامر بن اکوع“ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یرحمہ اللہ“، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، اور صحابہ کرامؓ میں یہ بات مشہور تھی کہ جس کے لئے آپ ﷺ رحمت کی دعا فرماتے، وہ ضرور شہید ہوتا تھا، آپ ﷺ کا یہ کلمہ سن کر قوم میں ایک شخص (اس سے مراد حضرت عمرؓ ہیں) (۲) نے کہا کہ ”وجبت يا رسول الله! لولا امتعتنا به؟“ یا رسول اللہ! اس کے لئے شہادت واجب ہوگئی، کاش کہ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے کچھ اور فائدہ اٹھانے دیا ہوتا۔

قوله: كان سيف عامر فيه قصر الخ (ص ۱۱۲ سطر ۴)

(۱) مع ساری کتاب المعازی باب عروۃ نعیر ج ۱۲ ص ۱۸۔

(۲) مع ابی بن ۱۲ ص ۱۸ تحت هذا الحديث



حضرت عامرؓ کی تلوار چھوٹی تھی، جب صف بندی کے بعد لڑائی شروع ہوئی، تو انہوں نے تلوار ایک یہودی کی پنڈلی پر مارنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں وہ تلوار لوٹ کر ان کے اپنے گھٹنے پر آگئی، اور وہ اس زخم سے شہید ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ یہ تو خودکشی سے مر گئے، یہ سن کر ان کے بھائی سلمہ بن اکوعؓ بڑے رنجیدہ اور غمگین ہوئے۔

قوله: فلما رآنی رسول اللہ ﷺ ساکتا الخ (ص ۱۱۲ سطر ۵)

چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے خاموش خاموش دیکھا، تو دریافت فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ واقعہ ہوا، اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے اعمال ضائع ہو گئے، اس لئے کہ یہ خود اپنی تلوار سے مرے ہیں۔

قوله: کذب من قالہ، إن لہ لأجرین الخ (ص ۱۱۲ سطر ۶)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بھی یہ بات کہی، غلط کہی، بلکہ ان کے لئے دو اجر ہیں، ایک جہاد کرنے کا ثواب، اور دوسرا شہادت کا ثواب، اور فرمایا کہ ”انہ لجاہد مجاہد“ یعنی جہاد فی العلم والعمل، والمجاہد فی سبیل اللہ۔<sup>(۱)</sup>  
(۴۳)

### باب غزوة النساء مع الرجال

(مردوں کے ساتھ عورتوں کے جہاد کرنے کا حکم)

اس باب میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا بیان ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمَّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا، فَيَسْقِيَنَ الْمَاءَ، وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى. (ص ۱۱۶ سطر ۷، ۸)

### تشریح

قوله: كان رسول الله ﷺ يغزو بأم سليم ونسوة من الأنصار معه إذا

غزا..... الخ (ص ۱۱۶ سطر ۷، ۸)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت امّ سلیم اور انصار کی کچھ

عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں، ان کا کام مجاہدین کو پانی پلانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا ہوتا تھا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عورتیں پردے کے ساتھ جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں، اور جن کاموں کو وہ پردے کے ساتھ با آسانی کر سکیں، وہ کام بھی کر سکتی ہیں، جیسے پانی پلانا، کھانا وغیرہ پکانا، ہتھیار فراہم کرنا وغیرہ، البتہ اگر کسی زخمی کی مرہم پٹی کرنی پڑے، تو جہاں تک ہو سکے، بغیر ہاتھ لگائے اس خدمت کو انجام دے سکتی ہے<sup>(۱)</sup>، اور اس میں بھی اصلاً ان کی یہ خدمت ان کے شوہروں اور محارم مردوں کے لئے ہونی چاہئے، لیکن اگر کبھی ضرورت پڑ جائے، تو پوری احتیاط کرتے ہوئے وہ نامحرم مردوں کی خدمت بھی انجام دے سکتی ہیں، کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات مشہور قاعدہ ہے جس سے اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ نَاسٌ مِنَ النَّاسِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَوَّبٌ عَلَيْهِ بِحِجْفَةٍ، قَالَ: وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ رَجُلًا رَامِيًا، شَدِيدَ النَّزْعِ، وَكَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ: "فَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ الْجَعْبَةُ مِنَ النَّبْلِ، فَيَقُولُ: انْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ"، قَالَ: "وَيُشْرِفُ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ، فَيَقُولُ أَبُو طَلْحَةَ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، لَا تُشْرِفْ، لَا يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي ذُونَ نَحْرِكَ"، قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ، وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمَّرَتَانِ، أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا، تَنْقُلَانِ الْقِرْبَ عَلَى مُتُونِهِمَا، ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَقْوَاهِمَ، ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَأْنِيهَا..... الحديث (ص ۱۱۶ سطر ۸ تا ۱۳)

### تشریح

قولہ: وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ مُجَوَّبٌ عَلَيْهِ بِحِجْفَةٍ

(ص ۱۱۶ سطر ۹، ۱۰)

”مجبوب“ کے معنی ہیں: ڈھال بننا<sup>(۱)</sup>، اور حَجَفَةً کے معنی ہیں: چڑے کی چھوٹی ڈھال<sup>(۲)</sup>، جس میں کوئی لکڑی وغیرہ نہ لگی ہوئی ہو، حضرت ابو طلحہؓ آپ ﷺ کے اوپر اپنی کمر کو ایک چڑے کی ڈھال کی طرح آڑ بنا کر دشمن کی طرف پیٹھ کیے ہوئے تھے، اور دشمن کے تیروں کو اپنی پیٹھ پر لے رہے تھے۔

حضرت ابو طلحہؓ بڑے تیر انداز تھے، غزوہ اُحد میں ان کی دو یا تین کمائیں ٹوٹیں، جب کوئی تیروں کا ترکش لے کر نکلتا، تو آپ ﷺ فرماتے کہ ان تیروں کو طلحہ کے لئے بکھیر دو، کبھی کبھی آپ ﷺ گردن اٹھا کر کافروں کو دیکھنے لگتے، تو حضرت ابو طلحہؓ عرض کرتے کہ یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ گردن نہ اٹھائیے، ایسا نہ ہو کہ کافروں کا کوئی تیر آپ ﷺ کو لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ مبارک کے سامنے ہے۔

قوله: ولقد رأيت عائشة بنت أبي بكر..... الخ (ص ۱۱۶ اسطر ۱۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ اور (اپنی والدہ) ام سلیمؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی شلوار کے پانچے اوپر کیے ہوئے تھے، اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے حضرت عائشہؓ کو کیسے دیکھ لیا؟ اور انہوں نے اپنے پیروں کو کیسے کھول لیا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے، لہذا حضرت انسؓ کے دیکھنے اور ان دونوں کے پانچے کھولنے پر کوئی اشکال نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت انسؓ نے ان کو قصداً دیکھا، ہو سکتا ہے کہ اچانک نظر پڑ گئی ہو۔<sup>(۳)</sup> اور پھر نظر ہٹا لی ہو۔

(۱) مسند ابی یوسف، لا تیز حرف الحیم باب الحیم مع الواو ج ۱ ص ۸۴۲

(۲) مکمل فتح المسند ج ۳ ص ۲۴۲

(۳) مکمل فتح المسند ج ۳ ص ۲۵۱

(۴۴)

باب النساء الغازیات یرضخ لهن ولا یسهم،

والنهی عن قتل صبیان أهل الحرب

(مجاہد عورتوں کو کچھ حصہ ملنا اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت)

یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جہاد میں حصہ لینے والی خواتین کو انعام کی طرح کچھ مال ملے گا، لیکن مال غنیمت میں سے مجاہدین کی طرح باقاعدہ ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا، اسی طرح حربوں کے بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت بھی اس باب میں بیان کی گئی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُسْلِمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الی قولہ) عَنْ یَزِيدَ بْنِ هُرْمُزٍ، أَنَّ نَجْدَةَ، كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ، عَنْ خُمْسٍ خِلَالٍ، فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْلَا أَنْ أَكْتُمَ عِلْمًا مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ، كَتَبَ إِلَيْهِ نَجْدَةُ: أَمَّا بَعْدُ، فَأَخْبِرْنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لِهِنَّ بِسَهْمٍ؟ وَهَلْ كَانَ يَقْتُلُ الصَّبِيَّانَ؟ وَمَتَى يَنْقَضِي يُتَمُّ الْيَتِيمِ؟ وَغَنِ الْخُمْسِ لِمَنْ هُوَ؟ فَكَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَتَبْتُ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِالنِّسَاءِ؟ "وَقَدْ كَانَ يَغْزُو بِهِنَّ، فَيَذَاوِينَ الْجَرْحَى، وَيُحْذِينَ مِنَ الْغَنِيمَةِ، وَأَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لِهِنَّ، وَإِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصَّبِيَّانَ، فَلَا تَقْتُلِ الصَّبِيَّانَ، وَكَتَبْتُ تَسْأَلُنِي مَتَى يَنْقَضِي يُتَمُّ الْيَتِيمِ؟ فَلَعَمْرِي، إِنَّ الرَّجُلَ لَتَنَبَّأَ لِحَيْتِهِ وَإِنَّهُ لَضَعِيفٌ الْأَخَذِ لِنَفْسِهِ، ضَعِيفُ الْعَطَاءِ مِنْهَا، فَإِذَا أَخَذَ لِنَفْسِهِ مِنْ صَالِحٍ مَا يَأْخُذُ النَّاسُ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ الْيَتَمُ، وَكَتَبْتُ تَسْأَلُنِي عَنِ الْخُمْسِ لِمَنْ هُوَ؟ وَإِنَّا كُنَّا نَقُولُ: هُوَ لَنَا، فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ. (ص ۱۱۶ سطر ۳

## تشریح

قوله: عن یزید بن هرمز، أن نجدة، كتب إلى ابن عباس يسأله

(ص ۱۱۶ سطر ۱۳)

## نجدہ بن حروری کا تعارف اور اس کے سوالات

حضرت یزید بن هرمز روایت کرتے ہیں کہ "نجدہ" نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف ایک خط لکھا، "نجدہ" سے کون مراد ہے؟ اور اس نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف کیا لکھا اس کو سمجھ لیں!

"نجدہ" سے مراد "نجدہ بن عامر حروری" ہے، یہ خارجیوں کی ایک جماعت کا رئیس تھا، ۶۶ھ میں یہ اپنی جماعت کو لے کر یمامہ سے بحرین گیا، تاکہ اپنے مذہب کی بنیاد ڈالے، یہ اپنی جماعت میں امیر المؤمنین کہلاتا تھا، اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت تھی، جب ان کو پتہ چلا کہ "نجدہ" ایک بڑی جماعت لے کر بحرین کی طرف گیا ہے، تو انہوں نے اس کی سرکوبی کرنے اور اس کی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اپنے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ کو ایک لشکر دے کر روانہ فرمایا، جنہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا، اور اس کا کام تمام کیا، اور اس کی جماعت کا صفایا کر دیا۔<sup>(۱)</sup>

## نجدہ بن عامر حروری کے سوالات اور حضرت ابن عباسؓ کے جوابات

قوله: عن خمس خلال الخ (۱۱۶ سطر ۱۳)

نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں خط لکھ کر پانچ باتیں دریافت کیں:

- (۱) ... ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا حضور ﷺ جہاد میں عورتوں کو شریک فرماتے تھے؟
- (۲) ... کیا جہاد میں حصہ لینے والی عورتوں کے لئے مالی غنیمت سے حصہ مقرر کیا جاتا تھا؟
- (۳) ... کیا رسول اللہ ﷺ جنگ میں دشمن کے بچوں کو قتل کیا کرتے تھے؟
- (۴) ... نابالغ کی حالت یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟
- (۵) ... خمس کس کے لئے ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر علم کو چھپانا جائز نہ ہوتا، تو میں اس کو جواب نہ

دیتا، کیونکہ یہ خارجی تھا جس کو جواب دینا گوارا نہ تھا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) بحکمۃ فتح المسلمین ج ۳ ص ۲۵۲

(۲) شرح نووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۶

(۱) ... پہلے سوال کا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا کہ آپ ﷺ عورتوں کو جہاد میں شریک فرماتے تھے، اور وہ (پردے کے ساتھ) زخمیوں کی دوا دار دیکھ کر قتی تھیں۔

(۲) ... دوسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ عورتوں کے لئے باقاعدہ مال غنیمت میں حصہ مقرر نہیں ہوتا تھا، البتہ ان کے لئے کچھ تھوڑا بہت مال بطور انعام دے دیا کرتے تھے، اس کو ”حدوة“ اور ”رضخ“ کا نام دیا جاتا تھا۔

(۳) ... تیسرے سوال کا جواب یہ دیا کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ جنگ کے دوران دشمنوں کے بچوں کو قتل نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام قرار دیا، بشرطیکہ وہ لڑائی میں شریک نہ ہوں۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، البتہ اگر عورتیں اور بچے لڑنے کیلئے سامنے آجائیں، یا دشمن ان کو اپنے لئے ڈھال بنالیں، تو پھر ان کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔

قولہ: وکتبت تسألنی متى ینقضی یتیم الیتیم؟ (۱۱۷ سطر ۱)

”یتیم“ سے نجدہ کی مراد یہ نہیں تھی کہ حالتِ یتیمی کب ختم ہوگی؟ کیونکہ یہ تو سب کو پتہ تھا کہ جب نابالغ بچہ بالغ ہو جائے، تو اس کی یتیمی ختم ہو جاتی ہے، بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ بچے کو اس کا مال کب حوالے کرنا چاہئے؟ یعنی کوئی بچہ یتیم ہو، یا یتیم نہ ہو، اور اپنے ولی وغیرہ کے پاس موجود ہو، تو کس عمر میں اس کا یہ مال اس کے حوالے کیا جائے گا؟<sup>(۱)</sup>

(۴) ... اس سوال کا جواب یہ دیا کہ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی داڑھی نکل آتی ہے، مگر انہیں نہ لینے کا شعور ہوتا ہے، اور نہ دینے کا، لہذا جب وہ لوگوں کی طرح اپنے فائدے کی باتیں کرنے اور سمجھنے لگے، تو پھر اس کی یتیمی ختم ہو جائے گی۔

یتیم کا مال اسکے حوالے کرنے کا حکم

اس مسئلے میں حضرت ابن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک بچے میں مال کے استعمال کرنے کی سمجھ بوجھ پیدا نہ ہو، اس وقت تک مال اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا، چاہے اس کی عمر کتنی ہی



ہو جائے، بالغ ہوتے ہی سمجھ بوجھ آگئی، تو مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، ورنہ جس عمر میں جا کر سمجھ بوجھ پیدا ہوگی، اس وقت حوالے کیا جائے گا، اور دلیل ان کی قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

”فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ“ (۱)

اس آیت میں ”رُشْدًا“ کا لفظ آیا ہے، اور ”رُشْدًا“ کہتے ہیں: سمجھ بوجھ کو، لہذا جب بچے میں مال کے استعمال اور خرچ کرنے کی سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے، تو اس وقت اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، یہی مسلک حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان کی دلیل بھی یہی آیت، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا موقف اس آیت کے مطابق ہے۔ (۲)

### امام ابو حنیفہؒ کا مذہب

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام صاحبؒ کا موقف نہایت دقیق اور لطیف ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شریعت نے اٹھارہ سال (امام صاحبؒ کے نزدیک بلوغت کی عمر کی شرعی حد) کی عمر میں اس پر بلوغت کا حکم لگایا ہے (صاحبینؒ کے نزدیک آخری حد پندرہ سال ہے، فتویٰ بھی اسی پر ہے) (۳)، جس کی وجہ سے سارے احکام شرع اس کی طرف متوجہ ہو گئے، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اس پر لاگو ہو گئے، پھر بھی ہم نے سات سال مزید احتیاط کی، اور اس میں مزید سمجھ بوجھ پیدا ہونے کا انتظار کیا، اور کہا کہ پچیس سال کی عمر میں اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا، کیونکہ اب بھی اگر اس کے اندر نا سمجھی ہوگی، تو وہ نابالغی کی وجہ سے نا سمجھی نہیں ہوگی، کیونکہ پچیس سال کی عمر تک وہ باقی نہیں رہتی، لہذا پچیس سال کی عمر تک پہنچنے میں اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ (۴)

(۵) ... پانچویں سوال کا جواب یہ دیا کہ مال غنیمت کا ٹمٹس ہمارے لئے ہے، لیکن ہماری قوم (۵) (یعنی امراء بنی امیہ) نے نہ مانا۔

(۱) سورہ النساء ۷

(۲) شرح ابو ذی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۷

(۳) المحرر لریق باب الحجر فصل فی حد البلوغ ج ۲ ص ۱۱۲

(۴) روح المعانی تفسیر سورہ النساء ایب مصر ۶ ج ۳ ص ۳۳۳

(۵) شرح ابو ذی علی ج ۲ ص ۱۱۷

## خمس کا مسئلہ

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق آیت یہ ہے:

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ <sup>(۱)</sup>

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا جائے گا، اس کے پانچ مصارف

ہیں:

(۱) ... اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے۔

(۲) ... ذوی القربیٰ کے لئے۔

(۳) ... یتیموں کے لئے۔

(۴) ... مسکینوں کے لئے۔

(۵) ... مسافروں کے لئے۔

### حضرت ابن عباسؓ اور ائمہ ثلاثہؓ کا مذہب

اس میں ذوی القربیٰ کے حصے کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ خمس کے خمس کا حقدار کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ چونکہ حضور ﷺ کے ذوی القربیٰ میں داخل تھے، اس لئے وہ اپنے آپ کو اس کا حقدار سمجھتے تھے، ان موقف تھا کہ یہ ذوی القربیٰ کا حق ہے خواہ امیر ہوں یا فقیر، اور جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں ان کو ملتا تھا، اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے بعد، ملنا چاہئے، اور وہ ذوی القربیٰ میں ”لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہوتا ہے، ائمہ ثلاثہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔ <sup>(۲)</sup>

### حنفیہؒ کا مسلک

حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں تو اسی طرح ہوتا تھا کہ ایک حصہ حضور ﷺ کا، ایک حصہ ذوی القربیٰ کا، اور باقی تین حصے دیگر مصارف کے لئے، لیکن حضور ﷺ

(۱) سورہ انفار ۴۱

(۲) شرح البواری علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۷

کے وصال کے بعد مال غنیمت کے تین حصے کیے جائیں گے، حضور ﷺ کا حصہ، حضور ﷺ کے وصال کی وجہ سے ساقط ہو گیا، اور وہ مصالِحِ مسلمین میں صرف کیا جائے گا، اسی طرح ذوی القربیٰ کا حق بھی ساقط ہو گیا، وہ بھی مصالِحِ مسلمین میں صرف کیا جائے گا۔

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ذوی القربیٰ کو جو ایک حصہ دیا جاتا تھا، وہ ان کی نصرت کی وجہ سے دیا جاتا تھا، حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ ضرورت باقی نہ رہی، لہذا وہ حصہ بھی ان کا نہ رہا، لہذا مال غنیمت کے خمس کے تین حصے کیے جائیں گے، جو قیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے استعمال کیا جائے گا، البتہ اگر آپ ﷺ کے قرابت دار مسکین ہوں، تو وہ دیگر مساکین پر مقدم ہوں گے اور آپ کے قرابت دار اگر مالدار ہوں تو ان کو یہ خمس نہیں دیا جائے گا۔ یہ موقف حضراتِ خلفاءِ راشدین کا ہے۔<sup>(۱)</sup>

”کتاب الخراج“ میں حضرت امام ابو یوسفؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آیت کے مطابق مال غنیمت کے خمس کے پانچ حصے کیے جاتے تھے (جن کی تفصیل اوپر گزری)، پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں، اور اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مال غنیمت کے خمس کے تین حصے کیے، حضور ﷺ اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط کر دیا اور ان تین حصوں کو تین مذکورہ بالا مصارف میں خرچ کیا، ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے، انہوں نے بھی اسی طریقے کو جاری رکھا، اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔<sup>(۲)</sup>

(۴۵)

### باب عدد غزوات النبی ﷺ

(حضور ﷺ کے غزوات کی تعداد)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ، خَرَجَ يَسْتَسْقِي بِالنَّاسِ، فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ اسْتَسْقَى، قَالَ: فَلَقِيتُ

(۱) البحر من تو کتاب السیر فصل فی کیفیۃ قسمة العائمه ج ۱ ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵۔

(۲) البحر ج ۱ ص ۱۳۰، ۱۳۱ باب فی قسمة العائمه ج۔

يَوْمَئِذٍ زَيْدٌ بْنُ أَرْقَمٍ، وَقَالَ: لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ غَيْرُ رَجُلٍ - أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ رَجُلٌ - قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: كَمْ غَزَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: سَبْعَ عَشْرَةَ، فَقُلْتُ: كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ؟ قَالَ: سَبْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً، قَالَ: فَقُلْتُ: فَمَا أَوَّلُ غَزْوَةٍ غَزَاهَا؟ قَالَ: ذَاتُ الْعُسَيْرِ أَوْ الْعُسَيْرِ. (ص ۱۱۸)

سطر ۱۳۵۱

## تشریح

قولہ: کَم غَزَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ؟ (ص ۱۱۸ سطر ۲)

حضرت زید بن ارقمؓ سے رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا، انہوں نے جواب دیا کہ انیس (۱۹)، پھر اس نے پوچھا کہ ان میں سے کتنے غزوات میں آپ کی شرکت رہی؟ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ سترہ (۱۷)، پھر پوچھا کہ سب سے پہلے کون سا غزوہ ہوا؟ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ غزوۃ ذات العسیر، یا فرمایا: غزوۃ ذات العسیر۔

## غزوات اور سرایا کی کل تعداد

اس بارے میں اصحاب السیر والمغازی کا اختلاف ہے کہ غزوات کی کل تعداد کتنی ہے؟ اور سرایا کی کل تعداد کتنی ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ غزوات کی کل تعداد ستائیس (۲۷) ہے، اور سرایا کی کل تعداد چھپن (۵۶) ہے۔<sup>(۱)</sup>

## غزوۃ ذات العسیر کا پس منظر

یہ غزوہ ہجرت کے سولہ مہینے بعد یعنی جمادی الاولیٰ ۱ھ میں ہوا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے، آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بہت سے مال و اسباب کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ملکِ شام جا رہا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے دو سو آدمیوں کا ایک لشکر تیار فرمایا، اور اس کو لے کر اس قافلے پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے، اس غزوہ میں مسلمانوں کا علم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ لیکن قریش کا یہ تجارتی قافلہ تبوک کے راستے سے بچ کر نکل گیا، اور مقابلے کی نوبت نہ آئی۔

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۴۵، ۴۴

ذات العشیر، کو ذات العسیر، ذات العشیرۃ اور ذات العسیرۃ بھی کہا گیا ہے، ذات العسیر کے بارے میں شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تہوک ہے، اور اس کو ذات العسیر اس لئے کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو ”عسرت“ یعنی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔<sup>(۱)</sup>

(۴۶)

### باب غزوۃ ذات الرقاع

(غزوۃ ذات الرقاع اور اس کا پس منظر)

یہ غزوہ ۳ھ یا ۴ھ میں خیبر کے بعد ہوا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلۂ غفار اور قبیلۂ ثعلبہ وغیرہ کی طرف سے حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کرام کا ایک لشکر تیار فرمایا اور ان سے لڑنے تشریف لے گئے، لیکن جب یہ لشکر وہاں پہنچا، تو ان کافروں پر ایسی بیت طاری ہوئی کہ مقابلہ کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے بلا مقابلہ فتح عطا فرمادی۔

### ”ذات الرقاع“ کہنے کی چار وجہ

اس غزوہ کو ”ذات الرقاع“ کہنے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاس سواریاں کم تھیں، چھ آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا، جن پر وہ باری باری سوار ہوتے، پیدل چلنے کی وجہ سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، جس کی وجہ سے صحابہ کرام نے کپڑے کی پٹیاں اپنے پاؤں پر باندھیں، کپڑے کی پٹی کو ”رقاع“ کہتے ہیں۔

دوسری وجہ شارحین نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کے جھنڈوں میں پیوند لگے ہوئے تھے، یعنی اتنی زیادہ تنگدستی تھی کہ ایک جھنڈا بھی مختلف کپڑوں کے ٹکڑوں سے تیار کیا گیا تھا، اس لئے اس غزوہ کو ”ذات الرقاع“ کہتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جہاں یہ لشکر پہنچا، وہاں ایک درخت تھا، جس کا نام ”ذات الرقاع“ تھا، اس درخت کے نام کی وجہ سے اس غزوہ کو ”ذات الرقاع“ کہہ دیا گیا۔

چوتھی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس جگہ یہ غزوہ ہوا تھا، وہاں زمین میں سفید اور کالے نشانات تھے، اور کالے اور سفید نشانات کو ”رقاع“ کہا جاتا ہے، اس بناء پر اس کو ”غزوۃ ذات الرقاع“ کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۴۷)

### باب کراہۃ الاستعانة فی الغزو بکافر الخ

(اس باب میں جنگ میں کافروں سے مدد لینے کا مکروہ ہونا بیان

کیا گیا ہے)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بَدْرٍ، فَلَمَّا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ أَذْرَكَهُ رَجُلٌ قَدْ كَانَ يُذَكِّرُ مِنْهُ جُرْأَةً وَنَجْدَةً، فَفَرَحَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَأَوْهُ، فَلَمَّا أَذْرَكَهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جِئْتُ لِأَتَّبِعَكَ وَأُصِيبَ مَعَكَ، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَارْجِعْ، فَلَنْ أُسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ، قَالَتْ: ثُمَّ مَضَى حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالشَّجَرَةِ أَذْرَكَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ، قَالَ: فَارْجِعْ، فَلَنْ أُسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ، قَالَ: ثُمَّ رَجَعَ فَأَذْرَكَهُ بِالْبَيْدَاءِ، فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ: تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَانُطَلِقُ. (ص ۱۱۸)

سطر ۱۴ تا ۲۰)

### تشریح

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف تشریف لے چلے، جب مقام ”حرة الوبرة“ (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر) پر پہنچے، تو حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا،



جس کی بہادری کا دور دور تک شہرہ تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اسے دیکھ کر خوش ہوئے، اس نے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، تاکہ جو کچھ ملے، اس میں سے حصہ پاؤں، آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟

اس نے کہا کہ نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس لوٹ جاؤ! میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا، پھر جب آپ ﷺ مقام ”شجرة“ پر پہنچے، تو وہ شخص پھر سامنے آیا، اور یہی سوال و جواب ہوئے، اس کے بعد وہ مقام ”بیداء“ میں ملا، اس بار جب رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو چل۔

### جہاد میں کافروں سے مدد لینے کا حکم

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ اگر ضرورت پیش آجائے، تو کافروں سے جہاد میں مدد لینا جائز ہے، ایک دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بنو قریظہ کے خلاف بنو قینقاع سے مدد لی، جو کہ یہودی تھے، اور غزوہ خیبر میں بھی بعض یہودیوں سے آپ ﷺ نے جنگی تعاون حاصل فرمایا، اسی طرح غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں ”صفوان بن امیہ“ نامی کافر آپ ﷺ کے ساتھ شریک جنگ ہوا۔

تمام احادیث کو سامنے رکھ کر جو خلاصہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو کافروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو، اور کفار مدد کرنے میں مسلمانوں کے تابع رہیں، اور ان سے مسلمانوں کو کسی قسم کا دینی اور دنیاوی نقصان نہ پہنچے، تو ایسی صورت میں ان سے تعاون لینا جائز ہے، اور اگر مسلمانوں کو ان کی وجہ سے کوئی جانی، مالی نقصان پہنچے، یا وہ مسلمانوں پر احسان جتلائیں، یا اپنے مذموم مقاصد ان سے حاصل کرنا چاہیں، جیسا کہ آج کل ہے، یا وہ مسلمانوں پر غالب ہو جائیں، اور مسلمان ان کے ماتحت ہو جائیں، تو ایسی صورت میں کافروں سے تعاون حاصل کرنا ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث میں مطلق ممانعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس غزوہ میں جو کہ غزوہ بدر ہے، اور یہ صحیح معنی میں مسلمانوں کا پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے، جس میں حق و باطل کا ایک دوسرے سے امتیاز ہونے والا تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس موقع پر اس غزوہ کو صرف

مسلمانوں کو ہی سر کرنا چاہئے، اس میں کسی کافر کی شمولیت کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا، ورنہ فی نفسہ آپ ﷺ کفار سے مدد لینے کو جائز سمجھتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الإِمَارَة

(حکومت اور سیاست)

اس کتاب میں امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں، جن سے اسلامی حکومت اور اسلامی سیاست کے احکام واضح ہوں گے، اسلام میں سیاست اور حکومت بھی ایک اہم شعبہ اور اسلام کا ایک اہم پہلو ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں ایک جامع خلاصہ سمجھ لیا جائے۔

### سیاست اور حکومت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام، جس کو سیاست اور انتظام بھی کہتے ہیں، یہ ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں ہے، اسلامی احکام دو قسم کے ہیں:

(۱) ... ایک مقاصد

(۲) ... ذرائع

مقاصد جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ، اور ذرائع جیسے نماز کے لئے وضو، غسل، مسجد، یا حج و عمرہ کے لئے احرام، .... جیسے علوم میں بھی ایک مقاصد میں سے ہیں، جن کو علوم عالیہ کہا جاتا ہے، جیسے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور فقہ، اور ایک ذرائع میں سے ہیں، جن کو علوم آلیہ کہا جاتا ہے، جیسے صرف، نحو، ادب، منطق، فلسفہ وغیرہ۔

جو احکام مقاصد میں سے ہوتے ہیں، شریعت ان کی شکل بھی متعین کرتی ہے، اور اس کے فرائض و واجبات بھی متعین فرماتی ہے، جیسے نماز، اس کی ایک ہیئت ہے، جو باب صلوٰۃ میں بیان کی جاتی ہے، اس کے لئے کچھ فرائض اور واجبات بھی ہیں، جو اس سے پہلے بیان کیے جاتے ہیں، اسی طرح روزے، حج اور زکوٰۃ میں سمجھ لیجئے۔

اس کے علاوہ جو احکامات ذرائع میں سے ہوتے ہیں، ان کے فرائض و واجبات تو بیان کر دیے جاتے ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص ہیئت لازم اور ضروری نہیں ہوتی، جیسے وضو، غسل نماز کے لئے ذریعہ

ہیں، یہ خود بھی عبادت ہیں، ان کے لئے فرائض و واجبات بھی ہیں، لیکن یہ بالذات عبادت نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسری عبادت کے لئے ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے، لہذا اگر کوئی وضو اور غسل اس طرح کرے کہ حوض میں چھلانگ لگا دے، اور باہر نکل آئے، تو اس کا وضو بھی ہو جائے گا، اور غسل بھی ہو جائے گا، اس لئے کہ وضو اور غسل دونوں کے فرائض ادا ہو گئے، لہذا وضو بھی ہو گیا، غسل بھی ہو گیا، خلاصہ یہ کہ وضو اور غسل کرنے کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں، چاہے حوض میں چھلانگ مارے، یا دریا میں یا فوارے کے نیچے کھڑا ہو جائے، یا بارش میں کھڑا ہو جائے، اگر اس کے فرائض و واجبات ادا ہو گئے، تو وضو اور غسل ہو جائے گا۔

اسی طرح مساجد، نماز ادا کرنے کا ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی بھی کوئی ہیئت متعین نہیں ہے، اسی وجہ سے دنیا میں مساجد مختلف نمونہ کی ہوتی ہیں، کہیں ایک گنبد والی مسجد ہوتی ہے، کہیں دو گنبد والی اور کہیں تین گنبد والی ہوتی ہے، اور کہیں ایک بھی نہیں ہوتا، اسی طرح کسی مسجد کا ایک مینار ہوتا ہے، کسی کے دو، کسی کے دس، اور کسی کا ایک بھی مینار نہیں ہوتا۔

لیکن احکام مقصودہ کے لئے شرعاً جو ہیئت متعین کی گئی ہے، وہ اس ہیئت کے مطابق ادا کیے جائیں گے، تو ادا ہوں گے، ورنہ ادا نہیں ہوں گے، جیسے نماز، اگر کوئی شخص نماز اُلٹی پڑھنا چاہے، تو نماز نہیں ہوگی۔

اسلامی حکومت کا قیام ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں ہے، اس لئے اس کے اصول تو مقرر ہیں، جو ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کیے جائیں گے، لیکن اس کی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہے، ہر زمانے میں، ہر علاقے کے مخصوص حالات کے مطابق اس کی جو شکل بھی اختیار کر لی جائے گی، وہ درست ہوگی، بشرطیکہ اس میں اصول کی پوری پوری رعایت کی گئی ہو۔

### دورِ حاضر کے لوگوں کی افراط و تفریط

اس معاملے میں بعض لوگوں نے حد سے تجاوز کیا، اور بعض لوگوں نے حد سے زیادہ کمی کی، جبکہ ان دونوں کے درمیان، درمیان میں سیدھا راستہ وہ ہے جس کو راہِ اعتدال کہتے ہیں۔

انگریزوں نے تفریط سے کام لیتے ہوئے سیاست کو مذہب سے بالکل خارج کر دیا، انہوں نے

کہا کہ مذہب کا تعلق صرف گرجا تک ہے، اس کے بعد اپنی مرضی ہے، جو چاہے کرو، اس لئے ان کے نظام سیاست کو سیکولر ازم کہا جاتا ہے، چنانچہ ان کا یہ مقولہ مشہور ما لقیصر لقیصر وما للہ، للہ۔

ہمارے زمانے کے تجدید و احیاء دین کے نام نہاد و عویداروں نے انگریزوں کے برخلاف نہایت افراط سے کام لیا، اور سیاست و حکومت کو مقاصد میں داخل قرار دے دیا، اور اس میں اتنا آگے چلے گئے کہ جو مقاصد تھے، ان کو ذریعہ بنا دیا، اور جو ذریعہ تھا، اس کو مقصود بنا دیا، ان میں سر فہرست مولانا مودودی صاحب مرحوم ہیں، انہوں نے کہا کہ اصل مقصود اسلامی حکومت کا قیام ہے، اور اسلامی حکومت کا قیام جہاد کے بغیر ہو نہیں سکتا، لہذا جہاد بھی ضروری ہے، اور جہاد کے لئے چار باتوں کی ضرورت پڑتی ہے:

(۱) ... ورزش، اس کے لئے نماز ہے،

(۲) ... جہاد میں بھوک بھی برداشت کرنا پڑتی ہے، لہذا رمضان کے روزے اس کے لئے فرض کیے گئے ہیں،

(۳) ... اسی طرح جہاد میں مال کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لئے زکوٰۃ فرض ہے،

(۴) ... نیز جہاد بغیر سفر کے نہیں ہوتا، اس میں سفر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن میں جانا پڑتا ہے، اس کے لئے حج فرض کر دیا، تاکہ حج کے ذریعے سفر کرنے کی عادت پڑے،

گویا ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ جہاد کی ٹریننگ ہے، اور جہاد ذریعہ ہے اسلامی حکومت کے قیام کا، لہذا اسلام کا اصل مقصد ”اسلامی حکومت“ کا قیام ہے۔ جو سراسر غلط ہے کیونکہ انہوں نے سیاست کو دین بنانے کی بجائے دین کو سیاسی بنا دیا۔

بہر حال! اسلام سے سیاست کو خارج کرنا بھی گمراہی ہے، اور پورے اسلام کا خلاصہ اور مقصد سیاست اور حکومت قرار دینا بھی گمراہی ہے۔

صحیح اور اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ سیاست اور اسلامی حکومت کا قیام ذرائع میں سے ہے، مقصود اصلی نہیں ہے، اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں نبوت و رسالت کے ساتھ حکومت نہیں ملی، لیکن انہوں نے احکام شرع دنیا میں جاری و ساری فرمائے، اور انہیں لوگوں تک

پہنچایا، اگر اسلامی حکومت کے قیام کو مقصود اصلی مان لیں تو اس سے ان انبیاء کرام علیہم السلام پر اشکال ہوگا کہ جب دنیا میں مقصود اصلی حکومت کا قیام تھا، اور انہوں نے یہ کام نہ کیا، تو معاذ اللہ! ان سے اسلام کے سب سے بڑے مقصد میں کوتاہی ہوئی، چنانچہ ان متجددین نے برملا کہہ بھی دیا کہ ہاں! ان سے یہ کوتاہی ہوئی، لیکن اہل حق میں سے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا آدمی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

اسلامی سیاست ذرائع میں سے ہے، مقاصد میں سے نہیں

بندۂ ناچیز کے ناقص علم کے مطابق اسلامی سیاست اور قیام حکومت کا ذرائع میں سے ہونے اور مقاصد میں سے نہ ہونے کی طرف سب سے پہلے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے متوجہ کیا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے سیاست و حکومت سے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے سیاسی افکار ایک رسالہ میں جمع فرمائے ہیں، جس کا نام ”حکیم الامت اور ان کے سیاسی افکار“ ہے، حضرت تھانویؒ نے اپنی آخری عمر میں، جبکہ آپ مرض وفات میں مبتلا تھے، اور اکثر آنکھ بند کیے لیٹے رہتے تھے، ایک دن آنکھیں کھولیں، اور فرمایا یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی حکومت کا قیام مقاصد میں سے نہیں ہے، ذرائع میں سے ہے، اور دلیل اس کی یہ آیت ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا

بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج: ۴۱)

معلوم ہوا کہ قیام حکومت خود ذریعہ ہے نظام عبادت (نماز، زکوٰۃ، وغیرہ) کے قیام کا۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی کو دوسری آیت:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (نور: ۵۵)

سے شبہ ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ”وعدہ“ فرمایا، یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر حکومت کا ملنا موعود ہے، اور موعود کے لئے مقصود ہونا لازم نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا

مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ (مائدہ: ۶۶)

یعنی اہل تورات وانجیل اگر ٹھیک ٹھیک ان کے احکامات پر عمل کرتے، تو اوپر نیچے سے ان کو روزی ملتی، یعنی ان کو روزی میں غیر معمولی برکت دی جاتی، حضرت فرماتے ہیں کہ کیا تورات، انجیل اور قرآن مجید کا یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ ان پر عمل کرنے سے صرف دنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہو؟ نہیں ہو سکتا، اور جب نہیں ہو سکتا، تو معلوم ہوا کہ موعود کا مقصود ہونا لازم نہیں۔

لہذا اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود حکومت کا قیام نہیں ہے، بلکہ وہ نظام عبادت قائم کرنے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود عبادت ہے، جسے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

### اسلامی حکومت کے چھ اصول

جب اسلامی حکومت کا قیام مقاصد میں سے نہیں، بلکہ ذرائع میں سے ہے، تو شریعت میں اس کے کچھ اصول مقرر ہوں گے، کوئی خاص شکل و صورت ضروری نہ ہوگی ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے حالات کی صورت مختلف ہو سکتی ہے، چنانچہ اسلامی حکومت کے چھ اصول ہیں، یہ چھ اصول جہاں پائے جائیں گے، وہ حکومت اسلامی حکومت کہلائے گی۔ خواہ اس کی ظاہری شکل و صورت کچھ بھی ہو، ماحول اور زمانہ کے لحاظ سے اس میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن اصول یہی ہوں گے۔

### پہلا اصول

اسلامی حکومت کا پہلا اصول یہ ہے:

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (الأنعام: ۵۷، یوسف: ۴۰)

اصل حکومت اللہ جل شانہ کی ہوگی، اسلامی حکومت کے حاکم اعلیٰ اور سربراہ اعلیٰ اللہ جل شانہ ہیں امیر اور خلیفہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب اور قائم مقام ہوگا اور انہی کے احکامات کے مطابق حکومت کو چلایا جائے گا، حضرات علماء اور فقہاء نے قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی روشنی میں جو قواعد اور قوانین بیان فرمائے ہیں، انہی کے مطابق نظام حکومت چلایا جائے گا۔

اس سے جمہوریت اور سوشل ازم دونوں کی نفی ہو جاتی ہے اور یہ دونوں اسلامی نظام سے جدا ہو جاتے ہیں، کیونکہ سوشل ازم میں سربراہ مملکت سب چیزوں کا مالک سمجھا جاتا ہے، عوام کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے، کیونکہ سوشل ازم بھی اسی طرح ہے، جمہوریت میں حاکم اعلیٰ عوام کی منتخب کردہ پارلیمنٹ ہوتی ہے، اسی کو تمام فیصلے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔



## دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں خلیفہ، امیر اور حاکم کا تقرر کس طرح ہوگا؟ اس بارے میں یہ جاسیے کہ اہل حل و عقد مسلمانوں کے خلیفہ، امیر اور حاکم کا تقرر کریں گے، اور وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوگا، اور اہل حل و عقد سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اہل علم اور پڑھے لکھے ہوں، حکومت کا اور اجتماعی امور کو چلانے کا تجربہ رکھتے ہوں اور ان کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، دیندار اور مخلص ہوں۔

یہ بھی اسلامی حکومت کا امتیاز ہے، جس پر عمل کیا جائے، تو بہترین شخص حکومت کے لئے میسر آ سکتا ہے، جبکہ جمہوریت میں الیکشن جیت کر بد سے بدتر آدمی بھی سربراہ حکومت بن سکتا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے۔

## تیسرا اصول: امام و حاکم عادل ہو

جس شخص کو اصحاب حل و عقد حاکم مقرر کریں، اس کا عادل ہونا ضروری ہے، عدالت کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

## چوتھا اصول

اسلامی حکومت اور امارت اہم امانت اور بھاری ذمہ داری ہے اور اس امانت کی آخرت میں مسؤلیت ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

أَلَا كَلِمَكُم رَاعٍ وَ كَلِمَكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ<sup>(۱)</sup>

## پانچواں اصول

جو شخص حکومت کا طالب ہو، وہ حکومت و امارت کے لئے لائق نہ ہوگا، بلکہ نا اہل ہوگا، جیسے حدیث ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ابھی آتا ہے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مجھے حکومت یا اس کا کوئی عہدہ ملنا چاہئے، یا مجھے صدر یا وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ بنانا چاہئے، یا گورنر وغیرہ بنانا چاہئے، تو سمجھو وہ اس عہدہ کے لائق نہیں ہے بلکہ نا اہل ہے، البتہ چند شرائط کے ساتھ آدمی کسی عہدے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر سکتا ہے، اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آئے گی۔

## چھٹا اصول

خليفة المسلمين مجلس شوریٰ سے مشورے کا پابند ہوگا، اور اس کے لئے مجلس شوریٰ سے مشورہ کرنا واجب ہوگا، البتہ فیصلہ وہ اپنی رائے سے کرے گا، خواہ اپنی رائے کو حق سمجھتے ہوئے اس پر فیصلہ کرے، یا مجلس شوریٰ کی رائے کو حق سمجھتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ کرے، اس کی آزادی اسے حاصل ہوگی۔

## عادل کسے کہتے ہیں؟

عادل کے لئے چند باتیں ضروری ہیں:

- (۱) ... مرد ہو، عورت نہ ہو، یعنی اسلامی حکومت میں کوئی عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی، جمہوریت میں بن جاتی ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں ہوتا رہا ہے۔
- (۲) ... عاقل ہو، پاگل نہ ہو۔
- (۳) ... بالغ ہو، نابالغ نہ ہو۔
- (۴) ... آزاد ہو، غلام نہ ہو۔
- (۵) ... متقی، پرہیزگار ہو، فاسق و فاجر نہ ہو۔
- (۶) ... اس کے ظاہری حواس بھی درست ہوں، اندھا، گونگا اور بہرہ وغیرہ نہ ہو۔
- (۷) ... اس میں حکومت چلانے کی اہلیت اور صلاحیت ہو۔
- (۸) ... بہادر ہو، بزدل اور کمزور نہ ہو، ظالم کو ظلم سے روک سکتا ہو، اور مظلوم کو اس کے ظلم کا بدلہ دلواسکتا ہو، حدود و قصاص جاری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، دشمن سے لڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔
- (۹) ... عالم ہو، چاہے بالفعل ہو، یا بالقوة، عالم بالفعل ہو، تو بہت ہی اچھی بات ہے، اور عالم بالقوة کا مطلب یہ ہے کہ خود تو عالم نہ ہو، لیکن جتنے بھی فیصلے کرے، وہ سب علماء سے پوچھ پوچھ کر کرے۔

(۱۰) ... قریش میں سے ہو۔<sup>(۱)</sup>

## تنبیہ

اگر یہ تمام شرائط یا چند ایک شرائط کسی حاکم میں نہ پائی جائیں، تو اس کو اصحابِ حل و عقد کی مجلسِ شوریٰ کے اکثریتی فیصلے کا پابند کیا جائے گا۔

## باب الناس تبع لقریش، والخلافة فی قریش

لوگ قریش کے تابع ہیں اور خلافت قریش میں ہوگی

اس باب میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں، جن کو سمجھنا ضروری ہے:

(۱) ... ایک مسئلہ یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(۲) ... حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے، اس کا مصداق کیا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟

## پہلے مسئلہ کا خلاصہ

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا بھی شرط ہے، اور اس پر انہوں نے اجماع بھی نقل کیا ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس باب کی پہلی چار حدیثوں، اور ان جیسی دیگر احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، اور قریش کے علاوہ کسی اور کا خلیفہ ہونا جائز نہیں، اس پر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے سے اجماع ہے، اور اس کی مخالفت صرف خوارج اور اہل بدعت نے کی ہے، جو کہ معتبر نہیں۔<sup>(۱)</sup>

دیگر بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں ہے، اور اس پر اجماع نقل کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی چار وجوہات ہیں:

## پہلی وجہ

ایک وجہ حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“<sup>(۲)</sup> میں بیان فرمائی ہے، کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر میرا انتقال ہوا، اور بوقت انتقال حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ حیات نہ ہوئے، تو میں اپنے بعد معاذ بن جبلؓ کو خلیفہ بناؤں گا، اور حضرت معاذ بن جبلؓ انصاری صحابی ہیں، اس

(۱) شرح سوہی ج ۲ ص ۱۹

(۲) فتح الباری کتاب الأحکام باب الأمر من قریش ج ۲ ص ۱۵۶۔

سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں تھا۔

### دوسری وجہ

دوسری وجہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ”فیض الباری“ میں بیان فرمائی ہے، جس میں انہوں نے ”مواہب الرحمن“ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلیفہ کے لئے قریشی ہونا متفق علیہ نہیں ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ کیلئے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔

### تیسری وجہ

علماء اصولیین اور علماء متکلمین یعنی علماء اصول فقہ اور علماء علم کلام کے نزدیک بھی خلیفہ کے لئے قریشی ہونا متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے۔

### چوتھی وجہ

مسلم شریف کے دو شارح ہیں:

(۱) ... علامہ ابی،

(۲) ... علامہ منومسی،

ان کے نزدیک بھی خلیفہ کے لئے قریشی ہونے کی شرط متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ

ہے۔ (۱)

ان چار وجوہات کی بناء پر بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا مجمع علیہ نہیں

ہے، مختلف فیہ ہے، بعض کے نزدیک ضروری ہے، بعض کے نزدیک ضروری نہیں ہے،

جن احادیث میں خلافت کے لئے قریشی ہونا بتایا گیا ہے، ان کے بارے میں مخالف رائے

رکھنے والے یہ جواب دیتے ہیں کہ ان احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ قریش کے لوگ خلیفہ ہوں گے، یعنی

قریش کے لوگوں کے خلیفہ ہونے کی خبر دی گئی ہے، خلافت کا قریش میں منحصر ہونا یا ان کے ساتھ خاص

ہونا بیان نہیں کیا گیا۔

دلیل ان کی یہ ہے کہ نصوص صریحہ اور صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ غیر قریشی بھی ہو سکتا ہے، قریشی ہونا ایک نسلی علامت اور نشانی ہے، جس سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ سُعُوبًا وَفَبَآئِلَ  
لَتَعَارَفُوا إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (حجرات  
(۳۱)

اور اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ  
عَلَى أَسْوَدٍ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ (مسند احمد) (۱)

تیسری دلیل آگے ایک حدیث آرہی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک کالا کلوٹا غلام بھی تمہیں قرآن و سنت کے مطابق چلائے، تو تم پر اس کی اطاعت ضروری ہے، یعنی وہ بھی تمہارا خلیفہ بن سکتا ہے۔

ان نصوص صریحہ اور صحیحہ کی وجہ سے ثابت ہوا کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، قَالَ: نَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ  
أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ  
هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ. (ص ۱۱۹ سطر ۷۰۶)

### تشریح

قوله: لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ الخ

(ص ۱۱۹ سطر ۷۰۶)

قریش میں حکومت باقی رہے گی، جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے بڑا اشکال

پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمارے زمانے میں قریش کی حکومت باقی نہیں جبکہ ہزاروں آدمی موجود ہیں شارح

مسلم علامہ ابی نے اس کا بہترین جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مطلب

مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں تمام کفار عرب کے سردار قریش تھے اسی طرح مسلمان ہونے میں بھی وہ قریش کے تابع تھے، جیسا کہ آپ حضرات پڑھ چکے ہیں کہ بہت سے کفار، مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور قریش مکہ کے مسلمان ہونے کا انتظار کرتے تھے، کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں، یا مکہ مکرمہ فتح ہو جائے، تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تو جس طرح قریش حالت کفر میں دیگر کافروں کے سردار تھے، اسی طرح حالت اسلام میں بھی قریش دیگر مسلمانوں کے سردار ہیں، خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حدثنا قتیبہ بن سعید، (الی قولہ) عن جابر بن سمرة، قال: دخلت مع  
أبي علي النبي صلى الله عليه وسلم، فسمعتہ يقول: إن هذا الأمر لا  
ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة..... الحديث (ص ۱۱۹  
سطر ۷ تا ۹)

### دوسرا مسئلہ: بارہ خلفاء ہونے کا کیا مطلب ہے؟

قوله: إن هذا الأمر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة  
(ص ۱۱۹ سطر ۹)  
حضور ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے، یہ حدیث اپنے مصداق کے اعتبار سے ”مشکلات“ میں شمار ہوتی ہے، کیونکہ ان بارہ خلفاء سے کیا مراد ہے؟ اس کے مصداق میں شراح کا بہت اختلاف ہے، اس میں تقریباً پانچ قول ہیں۔  
ان میں سے ایک قول جو سب سے زیادہ صحیح، رائج اور الفاظ حدیث کے زیادہ قریب ہے، وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں خلافت اور امارت بہت مضبوط ہوگی، اور اسلام کو قوت حاصل ہوگی، مسلمانوں کے معاملات درست ہوں گے، اور سب کے سب ایک خلیفہ پر متفق ہوں گے، تو اس زمانہ میں بارہ خلیفہ میری امت میں ہوں گے، یعنی ان میں سے ہر ایک کے زمانے میں اسلام کو دنیا میں عروج حاصل ہوگا، مسلمان متفق اور متحد ہوں گے، تمام امور درست ہوں گے، امور خلافت صحیح صحیح انجام پائیں گے، اور لوگ سکون و اطمینان کا سانس لیں گے، امن و امان



کا دور دورہ ہوگا، ہر آدمی آرام و سکون سے رہ رہا ہوگا، یہ بشارت پوری ہو چکی ہے اور ایسے بارہ خلفاء گزر چکے ہیں، ان میں سے چار حضرات خلفاء راشدینؓ، اور پانچویں اور چھٹے حضرت معاویہؓ اور ان کا بیٹا یزید، اور ساتویں عبد الملک بن مروان، اور چار اس کے بیٹے، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک، اور ان کا پوتا یعنی ولید بن یزید، یہ بارہ خلیفہ گزر چکے، اور آپ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ (۱)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ غَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ: كَتَبْتُ إِلَى جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ مَعَ غُلَامِي نَافِعٍ، أَنْ أَخْبِرَنِي بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيَّ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جُمُعَةٍ عَشِيَّةَ رَجَمَ الْأَسْلَمِيَّ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الَّذِينَ قَائِمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُونَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: غُصْبِيَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَفْتَحُونَ الْبَيْتَ الْأَبْيَضَ، بَيْتَ كِسْرَى أَوْ آلِ كِسْرَى وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِينَ فَاحْذَرُوهُمْ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِذَا أَعْطَى اللَّهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَنَا الْفَرَطُ عَلَى الْحَوْضِ. (ص ۱۱۹ سطر ۱۸ تا ۱۲۰ سطر ۲)

### تشریح

قوله: يفتحون البيت الأبيض الخ (۱۲۰ سطر ۱)

بیت ابیض، بیت کسری کا نام ہے۔ (۲)

قوله: إذا أعطى الله تعالى أحدكم خيرا فليبدأ بنفسه وأهل بيته الخ

(۱۲۰ سطر ۱، ۲)

خیر سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ خیر سے مراد مال ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کو حلال مال عطا فرمائیں، تو وہ سب سے پہلے اپنے اوپر خرچ کرے، پھر اپنے اہل و عیال پر خرچ

(۱) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۱۹

(۲) اور بیت یعنی بیت کسری کو مسلمانوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح کیا (شرح بیہقی)

کرے، اس کے بعد دوسرے عزیز و اقارب اور دوست احباب، اور دیگر مسلمانوں پر خرچ کرے۔  
 دوسرا قول یہ ہے کہ خیر سے مراد علم و عمل، وعظ و نصیحت، اور تبلیغ ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو علم و عمل، تقویٰ و طہارت اور تبلیغ کی نعمت عطا فرمائیں، تو وہ سب سے پہلے اپنی ذات سے اس کو شروع کرے، اس کے بعد اپنے گھر والوں کو دعوت دے، اس کے بعد دیگر لوگوں کو دعوت دے۔

قوله: أَنَا الْفَرَطُ عَلَى الْحَوْضِ الخ (۱۲۰ سطر ۲)

فرط قافلے سے آگے چلنے والی اس جماعت کو کہتے ہیں جو آگے جا کر قافلے کے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرے، (۱) حضور ﷺ کے اپنے آپ کو ”الفرط“ فرمانے سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا، اور وہاں تمہارے آنے کا انتظار کروں گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قوله) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّهُ أُرْسِلَ إِلَى ابْنِ سَمُرَةَ الْعَدَوِيِّ، حَدَّثَنَا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ خَاتِمٍ. (ص ۱۲۰ سطر ۲، ۳)

### تشریح

قوله: عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّهُ أُرْسِلَ إِلَى ابْنِ سَمُرَةَ الْعَدَوِيِّ، (ص ۱۲۰ سطر ۲، ۳)

اکثر نسخوں میں لفظ ”العدوی“ لکھا ہے، لیکن شارح فرماتے ہیں کہ اصل میں ”عامری“ ہے، کتابت کی غلطی سے ”العدوی“ لکھا گیا۔ (۲)

### باب الاستخلاف وترکہ

(اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانا یا نہ بنانا)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَضَرْتُ أَبِي حِينَ أُصِيبَ، فَأَثْنُوا عَلَيْهِ، وَقَالُوا: جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا، فَقَالَ:

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۲۰

(۲) شرح النووي ج ۲ ص ۱۲۰

رَاغِبٌ وَرَاهِبٌ، قَالُوا : اِسْتَخْلَفَ، فَقَالَ : اَتَحْمِلُ اَمْرَكُمْ حَيًّا وَمَيِّتًا،  
لَوِدِدْتُ اَنْ حَظَى مِنْهَا الْكَفَافَ، لَا عَلَيَّ وَلَا لِي، فَاِنْ اِسْتَخْلَفَ فَقَدْ  
اِسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي - يَعْنِي اَبَا بَكْرٍ - وَاِنْ اَتْرُكُكُمْ فَقَدْ تَرُكْتُكُمْ مَنْ  
هُوَ خَيْرٌ مِنِّي، رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عَبْدُ اللهِ : فَعَرَفْتُ اَنَّهُ  
حِيْنَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ مُسْتَخْلَفٍ. (ص ۱۲۰ سطر

(۶۵۳)

### تشریح

یہ باب اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنانے اور نہ بنانے کے بارے میں ہے، اس باب میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جب ابو لؤلؤ فیروز نے حضرت عمرؓ کو زخمی کر دیا، تو آپؓ چند روز تک زندہ رہے، اس کے بعد آپؓ کی وفات ہوئی، اور آپؓ شہید ہو گئے، زخمی ہو جانے کے بعد جب آپؓ حیات تھے، آپؓ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپؓ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنادیں، آپؓ نے فرمایا کہ میرے پاس دو راستے ہیں، ایک راستہ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہ انہوں نے اپنے بعد مجھے خلیفہ بنایا، اور دوسرا یہ کہ میں کسی کو بھی اپنے بعد خلیفہ نہ بناؤں، اور اس سلسلے میں میرے سامنے آپؓ ﷺ کی ذات اقدس کی مثال موجود ہے، کہ آپؓ ﷺ نے اپنے بعد کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ بات سنی، تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ آپؓ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، کیونکہ حضور ﷺ کے برابر آپؓ کی نظر میں کوئی نہ تھا، اور حضور ﷺ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، لہذا آپؓ بھی کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، اگرچہ حضرت ابن عمرؓ کی خواہش یہ تھی کہ آپؓ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں، تاکہ آپؓ کے بعد کسی قسم کا کوئی نزاع نہ ہو، لیکن حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں ایک درمیانی راہ اختیار کی، نہ تو کسی کو اپنے بعد خلافت کے لئے متعین کیا، اور نہ ہی بالکل خاموشی اختیار کی، بلکہ ایک جماعت مقرر کر دی، جس میں حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر عشرہ مبشرہ صحابہ کرامؓ تھے، اور ان کے بارے میں فرما دیا کہ یہ حضرات میرے بعد اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں، چنانچہ ان حضرات نے آپؓ کے بعد بالاتفاق حضرت عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ بنالیا۔

## حدیث کی تشریح

قوله : فائتوا علیہ (۱۲۰ سطر ۴)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد زخمی ہوئے، تو میں ان کے پاس حاضر تھا، لوگوں نے ان کی تعریف کی، اور جزاک اللہ خیرا کہا، اس پر انہوں نے فرمایا: ”راغب وراغب“ اس کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور درجات کی طرف رغبت رکھتا ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف بھی ہے، مجھے تمہاری تعریف کی حاجت نہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ مجھ سے خلافت کے معاملے میں رغبت رکھتے ہیں کہ میں کسی کو خلیفہ بنادوں، اور بعض مجھ سے ڈرتے ہیں،<sup>(۱)</sup> بہر حال لوگوں نے کہا ”استخلف“ آپ کسی کو خلیفہ مقرر فرمادیجئے، آپ نے فرمایا: ”اتحمل امرکم حیا ومیتا“ میں زندگی اور مرنے کے بعد دونوں حالتوں میں تمہارا بوجھ اٹھاؤں، زندگی میں بوجھ اٹھانے کا معاملہ تو واضح ہے کہ دس سال تک آپؐ نے خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا، اور اس کا حق ادا فرمایا، لیکن ”میتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ مقرر کر کے جاؤں گا، تو اس کی ذمہ داری بھی میری گردن پر ہوگی، حالانکہ میں اس دنیا سے جا چکا ہوں گا۔

قوله : ”لوددت أن حظی منها الکفاف“ (ص ۱۲۰ سطر ۵)

فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ خلافت کے معاملے میں میرا حصہ کفاف ہو، یعنی برابر برابر ہو، اس معاملے میں نہ مجھ پر کوئی دہال ہو، اور نہ مجھے کچھ ثواب ہو، آپؐ کا یہ فرمانا آپ کی شدت خشیت اور ورع و تقویٰ کی وجہ سے تھا۔

بعض حضرات نے اس کے برخلاف ایک دوسرے معنی بیان فرمائے ہیں کہ میں اس خلافت کے دوران اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے بقدر کفاف رزق لیتا ہوں، اپنے بعد میں کسی پر کیسے اطمینان کر لوں کہ وہ بھی اسی طرح کرے گا، لیکن ظاہر یہی ہے کہ اس کا تعلق اس امر خلافت کے بارے میں، آخرت کے حساب و کتاب سے ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح السنہ ج ۲ ص ۱۳۰

(۲) بحکمہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۹-۲۹۰

## ولی عہد کی نامزدگی کا حکم

یہاں یہ مسئلہ سمجھنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر سکتا ہے، یا نہیں؟ اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ اپنے باپ اور اولاد کے علاوہ کسی اور شخص کو خلیفہ نامزد کرتا ہے، اور اس میں امور خلافت سنبھالنے کی اہلیت ہو، اور اصحاب حل و عقد بھی اس کی تائید کرتے ہوں، تو اس طرح اپنے بعد کسی کو خلیفہ اور ولی عہد نامزد کرنا درست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خلیفہ جس کو اپنے بعد ولی عہد نامزد کرنا چاہتا ہے، اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت موجود ہو، لیکن اصحاب حل و عقد اس کی تائید نہیں کرتے، تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کی بھی گنجائش دیتے ہیں، کہ اگر اس کے باوجود اس نے اس کو خلیفہ نامزد کر دیا، تو بھی درست ہے۔

اور اگر کوئی خلیفہ اپنی اولاد یا اپنے والد کو ولی عہد نامزد کرتا ہے، تو اس سلسلے میں تین مذہب ہیں:

### پہلا مذہب

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر اصحاب حل و عقد اجازت دیں، تو خلیفہ اپنی اولاد اور اپنے والد کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور ولی عہد مقرر کر سکتا ہے، اور اگر وہ اجازت نہ دیں، تو نہیں کر سکتا۔

### دوسرا مذہب

دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً کر سکتا ہے، چاہے اصحاب حل و عقد اس کی تائید کریں، یا نہ کریں، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ خلیفہ ہے، صاحب اختیار ہے، لہذا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے بعد جس کو مناسب سمجھے، اس کو ولی عہد مقرر کرے۔

### تیسرا مذہب

تیسرا مذہب یہ ہے کہ خلیفہ اپنے والد کو اپنا ولی عہد مقرر کر سکتا ہے، اپنی اولاد کو نہیں کر سکتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اولاد کی طرف آدمی کا طبعی طور پر میلان زیادہ ہوتا ہے، لہذا اس میں ہو سکتا ہے کہ اولاد کی خیر خواہی کا پہلو مسلمانوں کی خیر خواہی کے پہلو پر غالب آجائے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنا رجحان پہلے مذہب

کی طرف ظاہر فرمایا ہے، یعنی خلیفہ اپنے والد یا اولاد کو اصحابِ حلن و عقد کی تائید سے ولی عہد بنا سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں اصحابِ حلن و عقد کے مشورے کے بغیر اپنی اولاد کو خلیفہ بنانے کے مفاسد اظہر من الشمس ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب النہی عن طلب الإمارة والحرص علیہا (حکومت طلب کرنے اور اس کی خواہش کی ممانعت)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قولہ) عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ أَكَلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتُ عَلَيْهَا. (ص ۱۲۰ سطر ۱۲، ۱۳)

#### تشریح

#### حکومتی عہدہ طلب کرنے کا مسئلہ

قولہ: یا عبد الرحمن، لا تسأل الإمارة، الخ (ص ۱۲۰ سطر ۱۳)  
بعض حضرات نے اس حدیث کی رد سے فرمایا ہے کہ مطلقاً حکومت طلب کرنا، یا حکومت کا کوئی عہدہ طلب کرنا ممنوع ہے، لیکن دیگر نصوص سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ (یوسف ۵۵)

اگر کوئی حکومتی عہدہ یا ذمہ داری طلب کرنا ناجائز ہوتا، تو حضرت یوسف علیہ السلام کیسے طلب کرتے؟ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے منصب قضاء طلب کیا، اور پھر اس کا انصاف اس کے ظلم پر غالب آگیا، تو اس کے لئے جنت ہے، اور اگر اس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب آگیا، تو اس کے لئے (دوزخ کی) آگ ہے<sup>(۲)</sup>، آپ ﷺ کا منصب قضاء طلب کرنے کے بعد اس طرح سے تفصیل فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ عہدہ طلب کرنا بذاتِ خود ناجائز اور ممنوع نہیں ہے، ورنہ تو شروع میں ہی منع فرما دیتے کہ منصب طلب کرنا جائز نہیں۔

(۱) مکملہ فتح مبینہ ج ۳ ص ۲۹۱ منہج ہذا الحدیث۔

(۲) سنن سیوطی کتاب الاصلیۃ باب فی الناحی یخطی رقم الحدیث ۳۱۰۴



اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت یا حکومت کا کوئی عہدہ طلب کرنا فی نفسہ جائز ہے، ان متعارض احادیث کی وجہ سے حضرات فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں تفصیل<sup>(۱)</sup> بیان فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس آدمی میں کسی عہدے اور منصب کی ذمہ داری پوری کرنے کی صلاحیت نہ ہو، اور اس کے باوجود وہ مطالبہ کر رہا ہو، یا صلاحیت تو ہے، لیکن اس کا طلب کرنا حجت دنیا کی وجہ سے ہے، یا حجت جاہ کی وجہ سے ہے، تو ان صورتوں میں عہدہ طلب کرنا جائز نہیں ہے، اور منصب و عہدے کا سوال کرنے کی ممانعت کی احادیث کا مصداق یہی صورتیں ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی آدمی کے اندر عہدہ اور منصب کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور اس کا طلب کرنا حجت جاہ اور حجت دنیا کی وجہ سے بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے پیش نظر ملک و ملت کی خدمت ہے، تو اس کے لئے عہدہ طلب کرنے کی گنجائش ہے، اور اس میں بھی یہ احتیاط کرے کہ وہ خود اپنے آپ کو کسی عہدے کے لئے پیش نہ کرے، بلکہ اصحاب حل و عقد کو اسے آگے کرنا چاہئے، جو احادیث طلب منصب کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان کا مصداق یہی صورت ہے۔

### دور حاضر کے الیکشن کا حکم

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو انتخابات کا طریقہ کار رائج ہے، اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے، کیونکہ اول تو ان انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں میں اکثر اہلیت نہیں ہوتی، دوسرا یہ کہ عموماً ان کے پیش نظر حجت جاہ اور حجت مال ہوتا ہے،<sup>(۲)</sup> دراصل یہ لوگوں کا کاروبار ہے، مثلاً اگر کسی کو انتخابات کے بعد جیت کر دس کروڑ کمانے ہیں، تو وہ جیتنے کے لئے دس لاکھ روپے خرچ کرے گا، اور پیسوں کے ذریعے لوگوں کے ووٹ خریدے گا، کہیں دھونس، دھاندلی اور غنڈہ گردی کے ذریعے لوگوں کے ووٹ لے گا، لہذا اس مروجہ انتخابی عمل کا اسلام سے دور کا کوئی واسطہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس کے ذریعہ منتخب ہو گیا، اور اس میں صلاحیت بھی موجود ہے، اور اس کے پیش نظر حجت جاہ اور حجت مال بھی نہیں ہے، تو اس کا مقرر ہو جانا درست ہو جائے گا۔ اور حدیث ابو ذرؓ کی تشریح اگلے باب میں آ رہی ہے۔

(۱) مکملہ فتح المعجم ج ۳ ص ۲۹۲

(۲) مکملہ فتح المعجم ج ۳ ص ۲۹۵

## باب کراہۃ الإمارة بغير ضرورة

(بلا ضرورت حکومت طلب کرنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ بْنُ اللَّيْثِ، (الِی قولہ) عَنْ ابْنِ حُجْرَةَ الْأَكْبَرِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي؟ قَالَ: فَضْرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكَبِي، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا. (ص ۱۲۱ سطر ۶ تا ۳)

### تشریح

اس باب میں بیان کی گئی حدیث ”حدیث ابو ذر“ کہلاتی ہے، یہ اس بات کی اصل ہے کہ کسی شخص کو از خود کوئی عہدہ طلب نہیں کرنا چاہئے، بالخصوص جس شخص میں اس عہدہ اور منصب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس کو ہرگز خلافت، وزارت، یا کسی عہدے اور منصب کے لئے اپنی خواہش طلب کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔

البتہ جس شخص میں کسی عہدہ اور منصب کے حقوق و فرائض ادا کرنے کی صلاحیت ہو تو بغیر ضرورت اس کے لئے عہدہ اور منصب طلب کرنے کی دیگر نصوص کی بناء پر گنجائش ہے اور اس حدیث میں عہدہ و منصب کو جو ذلت و ندامت فرمایا ہے وہ اس شخص کے لئے ہے جس میں اس کی اہلیت نہ ہو یا اہلیت ہو مگر وہ عدل و انصاف سے کام نہ لے سکتا ہو تو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا فرمائیں گے اور وہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوگا۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، كِلَاهُمَا عَنْ الْمُقْرِئِ، قَالَ زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ الْقُرَشِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ، عَنْ أَبِيهِ..... (الحدیث) (ص ۱۲۱ سطر ۷، ۸)

### تشریح

مذکورہ بالا حدیث میں ابن حجیر الاکبر سے مراد عبد الرحمن بن حجیر الاکبر

خولانی ہیں۔

قوله: كلاهما عن المقرئ (ص ۱۲۱ سطر ۶)

المقرئ سے مراد عبد اللہ بن یزید ہیں،

قوله: الجیشانی (ص ۱۲۱ سطر ۷)

جیشان کی طرف منسوب ہے، جو یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔<sup>(۱)</sup>

باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق

بالرعية، والنهي عن إدخال المشقة عليهم

(امام عادل کی فضیلت اور ظالم حاکم کی سزا وغیرہ)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، (الی قوله) عَنْ

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، (الی قوله) قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرٍ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ،

وَكَلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا. (ص ۲۱

سطر ۸ تا ۱۰)

## تشریح

قوله: وکلتا یدیه یمین، الخ (ص ۱۲۱ سطر ۱۰)

اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داسنے ہیں۔

اس سلسلے میں جمہور سلف صالحین اور علماء متکلمین کا موقف یہ ہے کہ یہ تشابہات میں سے

ہے، اس میں توقف کیا جائے گا، ان کلمات کی حقیقت اور مراد جاننے کی کوشش کرنے سے بچنا چاہئے،

صرف یہ ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کے داسنے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے،

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

لیکن علماء متکلمین میں سے اکثر کا خیال یہ ہے کہ ایسے کلمات کی کوئی مناسب تعبیر کر سکتے ہیں،

کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داسنے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرماتے

ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح بودنی ج ۲ ص ۱۲۱

(۲) شرح بودنی ج ۲ ص ۱۲۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: أَلَا كُلكُمْ رَاعٍ، وَكُلكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَأَلَامِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلكُمْ رَاعٍ، وَكُلكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (ص ۱۲۲ سطر ۶۵۳)

### تشریح

قوله: أَلَا كُلكُمْ رَاعٍ، وَكُلكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الخ (ص ۱۲۲ سطر ۴)  
اس میں تمام وہ لوگ بھی آگئے، جو کوئی عام سرکاری عہدہ رکھتے ہیں، صدر، وزیراعظم سے لیکر، تھانیدار تک سب آگئے، اور اسی طرح غیر سرکاری عہدے اور مناصب رکھنے والے لوگ بھی آگئے، جیسے چوہدری، سرچنگ، سردار، نواب، وڈیرہ، جس کے ماتحت بہت سے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح باپ اپنی اولاد کے سلسلے میں، پیر اپنے مریدوں کے سلسلے میں، شوہر اپنی بیوی بچوں کے سلسلے میں، استاد اپنے شاگردوں کے بارے میں، اور ہر وہ شخص جس کے ماتحت کوئی ہے، وہ اس کا ذمہ دار ہے، اور قیامت کے دن اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا، یہاں تک کہ اگر کسی کے ماتحت کوئی بھی نہیں ہے، تب بھی اس کی اپنی ذات ہے، تو وہ بھی اپنے جسم اور جان کا نگران اور راعی ہے، اور اس کی رعایا اس کا جسم ہے، اس کے اعضاء و جوارح ہیں، اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، کہ تم نے اپنے اعضاء و جوارح اور اپنے ظاہر و باطن کو کس طرح استعمال کیا؟ طاعت میں لگایا یا نافرمانی میں؟<sup>(۱)</sup>

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کا جواب دینے کی تیاری کرو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! اس کے جواب دینے کی تیاری کیا ہے؟ فرمایا: کہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے ماتحتوں کو اچھی باتوں کی تلقین کی تھی یا نہیں؟ بری باتوں سے بچنے کے لئے کہا تھا یا نہیں؟ اور جس کے ماتحت کوئی نہیں ہے، اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے آپ کو نیک بنایا تھا، یا نہیں؟<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قوله) فَقَالَ مَعْقِلٌ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا

(۱) فتح الباری ج ۲۰ ص ۱۵۳ کتاب الأحکام باب قول الله تعالى واطيعوا الله واطيعوا الرسول الخ

(۲) فتح الباری ج ۲۰ ص ۱۵۳ و تکملة فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۲

سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (ص ۱۲۲ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

قولہ: وهو غاش الخ (ص ۱۲۲ سطر ۱۷)

”غاش“ کے معنی خیانت کرنے والے کے ہیں، یعنی جو اپنی رعایت کا حق ادا کرنے میں خیانت کرے گا، ان کا جو حق اور جو ذمہ داری ہے، اس کو پورا نہیں کرے گا، تو اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔ (۱)

### جنت حرام ہونے کے دو مطلب

پہلا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ خیانت کرنے کو حلال سمجھتا تھا، تو حلال سمجھنے کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا، اور کافر پر ہمیشہ کے لئے جنت حرام ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ خیانت کو حلال تو نہیں سمجھتا، لیکن کوتاہی اور غفلت برتا ہے، ایسی صورت میں ابتداءً اس کے لئے جنت میں جانا حرام ہوگا، اپنے کئے کی سزا پا کر جنت میں جاسکے گا۔ (۲)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قولہ) أَنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرِو، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ، فَقَالَ: أَيُّ بَنِي، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ، فَقَالَ لَهُ: اجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُحَالَةٍ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُحَالَةٌ؟ إِنَّمَا كَانَتْ النُّحَالَةُ بَعْدَهُمْ، وَفِي غَيْرِهِمْ. (ص ۱۲۲ سطر ۲۲ تا ۲۵)

### تشریح

قولہ: إن شر الرعاء الحطمة، الخ (ص ۱۲۲ سطر ۲۴)

”الحطمة“، حطم سے مشتق ہے، اور الحطمة میں مبالغہ ہے، اس کے معنی ہیں: بہت

(۱) مرقہ المفاتیح کتاب الاملۃ والقضاء ج ۱ ص ۳۳۳۔

(۲) شرح السنن ج ۲ ص ۱۲۲۔

## باب غلظ تحریم الغلول

مال غنیمت میں خیانت سخت حرام ہے

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے کوئی چیز پُرانا قطعاً حرام اور ناجائز ہے، اور چرایا ہوا مال کل قیامت میں چور کی گردن پر سوار ہوگا۔

### چوری شدہ مال غنیمت کا حکم

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اگر کوئی خیانت کر لے، تو اگر مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں واپس کرے، تاکہ وہ تقسیم میں شامل ہو جائے، اور اگر مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ اور علماء کی ایک جماعت کا یہ فرمانا ہے کہ یہ مال حاکم کے حوالے کر دیا جائے، اس لئے کہ جتنے بھی لقمے اور مسلمانوں کے گمشدہ اموال ہوتے ہیں، وہ سب حاکم کے پاس جمع ہوتے ہیں، وہ اپنی صوابدید پر شرعی طریقے کے مطابق ان کو خرچ کرتا ہے۔

جمہور صحابہؓ، تابعین، ائمہ مجتہدین، مالکیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ اس کا ٹمبس امام کو دے دیا جائے، اور باقی چار حصے خیرات کر دیے جائیں۔<sup>(۲)</sup>

### مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

مال غنیمت میں چوری اور خیانت کرنے والے کی سزا کے بارے میں جمہور علماء و ائمہ مجتہدین کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اس کو اپنی صوابدید کے مطابق تعزیر دے گا، لیکن اس کے ساز و سامان کو نہیں جلا سکتا، سامان نہ جلانا اس لئے کہا کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے مال و اسباب کو بھی جلا دیا جائے، جیسا کہ امام کھولؒ، امام حسنؒ اور امام اوزاعیؒ کا مسلک ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ سارا ساز و سامان نہیں جلایا جائے گا، بلکہ اس میں سے چند چیزیں مستثنیٰ رہیں گی، مثلاً اس کے جسم کے کپڑے، اس کے ہتھیار، اس کے مویشی اور قرآن کریم، ان کو نہیں جلایا

(۱) سورہ بقرہ ص ۲۳

(۲) شرح صحیح ج ۲ ص ۲۳



جائے گا، باقی سب کو جلا دیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

جلانے کے قائل حضرات اس سلسلے میں جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جمہور کے

نزدیک وہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، اور حدیث ضعیف سے استدلال درست نہیں۔<sup>(۲)</sup>

حدیثی زہیر بن حرب (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَذَكَرَ الْغُلُولَ، فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ، ثُمَّ قَالَ: لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثَغَاءٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَاخٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أَلْفَيْنَ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ، يَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اغْنِنِي، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ (ص ۱۲۲ سطر ۲۲ تا ص ۱۲۳ سطر ۴)

### تشریح

قوله: رُغَاءٌ..... حَمْحَمَةٌ..... ثَغَاءٌ..... صِيَاخٌ..... رِقَاعٌ. الخ

(ص ۱۲۲ تا ص ۱۲۳ سطر ۲۲ تا ۴)

رُغَاءٌ: اونٹ کا بلبلانا، حَمْحَمَةٌ: گھوڑے کا ہنہانا، ثَغَاءٌ: بکری کا منہانا، صِيَاخٌ: انسان کا چلانا، رِقَاعٌ: کپڑے، تَخْفِقُ: اڑ رہے ہوں گے، صَامِتٌ: سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، اس لئے کہ یہ

(۱) شرح بیرونی ج ۲ ص ۱۲۳

(۲) شرح بیرونی ج ۲ ص ۱۲۳

خاموش ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## باب تحریم ہدایا العمال

(حاکموں اور عاملوں کے ہدایا حرام ہیں)

اس باب میں عاملین حکومت کو ہدیہ یا تحفہ دینے کے بارے میں حکم بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص، کسی حاکم، گورنر، عامل، صدر، وزیر کو ہدیہ دینا چاہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس باب میں بیان کی گئیں احادیث سے ان سب کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن علماء کرام نے تمام نصوص کو سامنے رکھ کر اس کا جو خلاصہ بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

## حاکم کو ہدیہ دینے کی تین صورتیں

حاکم کو ہدیہ دینے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ... پہلی صورت یہ ہے کہ ہدیہ دینے والے کا اس کے حاکم بننے سے پہلے بھی اس کو ہدیہ دینے کا معمول تھا، اسی معمول کے مطابق وہ اس کے حاکم اور عامل بننے کے بعد بھی ہدیہ دے رہا ہے، اور اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کر رہا ہے، تو یہ جائز ہے، اور یہ ان احادیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عامل بننے کے بعد ہدیہ دے رہا ہے، لیکن یہ ہدیہ دینا اخلاص کی وجہ سے ہے، اس سے پر خلوص محبت کی وجہ سے ہے، یا کسی اور دینی یا دنیاوی تعلق اور محبت کی وجہ سے ہے، اسکے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، تو یہ صورت بھی جائز ہے، اور یہ ان احادیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

(۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی عامل کو بحیثیت عامل ہونے کے ہدیہ دے، اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ... اس کو اس حاکم سے اپنا کوئی کام نکالنا مقصود ہے، جیسا کہ آج کل عام طور پر یہ

صورت ہوتی ہے، تو یہ بلاشبہ رشوت ہے، اس کا دینا لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے کوئی کام نکالنا مقصود نہیں ہے، لیکن وہ چونکہ وزیر بن

گیا، وزیر اعظم بن گیا، اب وہ اس کو ہدیہ اس لئے دے رہا ہے، تاکہ یہ ہمارا خیال رکھے، یہ صورت حقیقت رشوت تو نہیں ہے، لیکن حکم رشوت ہے، اور وہ بھی ان احادیث کی وعید میں داخل ہے،<sup>(۱)</sup> اور ناجائز ہے۔

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ (الی قوله) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنَ الْأَسَدِ، يُقَالُ لَهُ ابْنُ اللَّتْبِيَةِ وَ قَالَ عُمَرُو وَابْنُ أَبِي عُمَرَ: عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، قَالَ: فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللَّهَ، وَاتْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: مَا بَالُ غَامِلٍ أُبْعِثُ، فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ، حَتَّى يَنْظُرَ أَيُّهُدَى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى عُنُقِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةٌ لَهَا خُورٌ، أَوْ شَاةٌ تَعِيرُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَتِي إِبْطِيهِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ، هَلْ بَلَغْتُ؟ مَرَّتَيْنِ (ص ۱۲۳ سطر ۹ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: رجلا من الأسد. الخ (ص ۱۲۳ سطر ۱۰)

اس کو اسد اور اژدہ دونوں طرح کہتے ہیں، ابن اللتبیہ، اور آگے ہے: ابن اللتبیہ، یہ اگلی کنیت ہے، اور ان کا نام عبداللہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: عُفْرَتِي إِبْطِيهِ.... الخ (ص ۱۲۳ سطر ۱۳)

عفرتی إبطیہ: بغلوں کی سفیدی۔<sup>(۳)</sup>

حدثنا اسحاق بن ابراهیم۔ (الی قوله) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ، فَجَاءَ

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، المعایہ شرح، التہذیبۃ کتاب ادب المفاصی ج ۱۰ ص ۲۲۲، ۲۲۳

(۲) شرح معانی ج ۲ ص ۱۲۳۔

(۳) شرح معانی ج ۲ ص ۲۳۔

بِسَوَادٍ كَثِيرٍ، فَجَعَلَ يَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذَا أُهْدِي إِلَى ...  
الحديث..... (ص ۱۲۳ سطر ۲، ۳)

### تشریح

قوله : فجاء بسواد كثير، (ص ۱۲۳ سطر ۳) سواد کے معنی اشیاء، (۱)

حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة (الى قوله) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ هُدَيْ  
بْنِ غَمِيرَةَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:  
مَنْ اسْتَعْمَلَنَا مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمْنَا مَخِطًا، فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي  
بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ص ۱۲۳ سطر ۴ تا ۶)

### تشریح

قوله : عن عدی بن عمیرة الکندی: (ص ۱۲۳ سطر ۵)

ان کی کنیت ابو زرارہ ہے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے، یہ فرماتے ہیں  
کہ میرے علاقے میں ایک یہودی عالم تھا، جس کا نام ابن شہلہ تھا، اور اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ  
کی کتاب (توریت، زبور یا انجیل) میں یہ پڑھا ہے کہ جنت الفردوس میں وہ لوگ جائیں گے، جو زمین  
پر پیشانی رکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوں گے، اور اس یہودی عالم نے کہا کہ اس کا مصداق ہم  
یہودی، یا پھر وہ نبی آخر الزماں ہیں، جو عرب کے اندر ظاہر ہوں گے، یہ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ دن  
بعد ہی مجھے اطلاع ملی کہ مکہ مکرمہ میں بنو ہاشم میں سے ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جیسے ہی میں  
نے یہ سنا، تو مجھے ابن شہلہ کی بتائی ہوئی بات یاد آگئی، تو میں اپنے علاقے سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی  
زیارت کے لئے چلا، جب میں مکہ مکرمہ پہنچا، تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابہؓ  
سجدے میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں، یہ علامت دیکھ کر میں مسلمان ہو گیا۔ (۲)

باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في

### المعصية

(غیر معصیت میں حکام کی اطاعت ضروری ہے اور معصیت میں حرام ہے)

حدثني زهير بن حرب (الى قوله) قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: نَزَلَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

(۱) شرح ص ۱۲۳ سطر ۴ تا ۶

(۲) مکتب فتح السہیل ص ۳۳ سطر ۳۱۴

آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
حَذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيِّ، بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي  
سَرِيَّةٍ، أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (۱۲۳) ۱۰ تا ۱۲ سطر

### تشریح

قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
(۱۲۳) ۱۰ تا ۱۱ سطر

یہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۹ ہے، یہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی  
السهمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اولو الامر سے کون مراد ہیں؟  
اس آیت میں اولو الامر سے کون مراد ہیں؟ اس میں تین قول ہیں:  
(۱) ... امراء و حکام،  
(۲) ... علماء کرام،  
(۳) ... صحابہ،

اس میں رائج قول پہلا ہے، یعنی امراء و حکام کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے۔ (۱)  
حدثنا سعيد بن منصور (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ  
وَمَكْرَهِكَ، وَآثَرَةِ عَلَيْكَ (۱۲۳) ۱۰ تا ۱۲ سطر

### تشریح

قوله: عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ، الخ

(۱۲۳) ۱۰ تا ۱۲ سطر

تم پر لازم ہے سنا اور ماننا تنگی میں، آسانی میں، خوشی میں اور ناگواری میں، واثرة عليك: اور تم  
پر دوسروں کو ترجیح دینے کے سلسلے میں بھی، لفظ اثرة کو اثرة، اثرة اور اثرة تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، اور

اس کے معنی ہیں: ترجیح دینا۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأَطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ. (۱۲۳ سطر ۲۳ تا ۲۵)

### تشریح

قوله: مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ (۱۲۳ سطر ۲۵)

اس کے معنی ہیں: مقطوع الأطراف<sup>(۲)</sup>، یعنی جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، وہ بھی اگر تمہارا حاکم بن جائے، اور تمہیں کتاب و سنت کے مطابق چلائے، تو اس کی اطاعت تم پر لازم ہے۔

حدثنا محمد بن مثنیٰ (الی قولہ) عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا، فَأَوْقَدَ نَارًا، وَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَأَرَادَ نَاسٌ أَنْ يَدْخُلُوهَا، وَقَالَ الْآخَرُونَ: إِنَّا فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا: لَوْ دَخَلْتُمُوهَا لَمْ تَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَقَالَ لِلْآخَرِينَ قَوْلًا حَسَنًا، وَقَالَ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (ص ۱۲۵ سطر ۹ تا ۱۲)

### تشریح

قوله: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا، الخ

(ص ۱۲۵ سطر ۹ تا ۱۱)

### نافرمانی میں اطاعتِ امیر نہیں

اس حدیث میں اور اس کے بعد والی حدیث میں بیان کیا جانے والا واقعہ ایک ہی نوعیت کا ہے، دونوں حدیثوں میں لشکر پر امیر بنائے جانے والے شخص کا نام مذکور نہیں ہے، لیکن شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن حذافہ مہمیؓ ہیں، بہر حال! واقعہ یہ ہے کہ کسی بات پر امیر لشکر کو غصہ آیا، تو انہوں نے حکم دیا کہ تم لکڑیاں جلاؤ، چنانچہ لکڑیاں جلائی گئیں، اس کے بعد امیر نے

(۱) شرح بروقی ج ۲ ص ۱۲۳۔

(۲) شرح بروقی ج ۲ ص ۱۲۳۔



کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ امیر کی اطاعت لازم ہے، انہوں نے کہا کہ ہاں! فرمایا تھا، امیر نے کہا کہ میرا حکم ہے کہ تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ، بعض لوگوں نے ارادہ کیا کہ امیر کی اطاعت لازم ہے، چنانچہ حکم مان کر آگ میں داخل ہو جانا چاہئے، جبکہ بعض دیگر اصحاب نے کہا کہ ہم آگ سے بچ کر ہی تو حضور ﷺ کے پاس آئے تھے، یعنی ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچے، اور امیر صاحب ہمیں پھر آگ میں جانے کا حکم دے رہے ہیں، جب آپ ﷺ کے پاس یہ واقعہ پہنچا، تو آپ ﷺ نے آگ میں جانے سے رک جانے والوں کو شاباش دی، اور جنہوں نے آگ میں جانے کا ارادہ کیا تھا، ان کو آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم آگ میں چلے جاتے، تو ہمیشہ دوزخ میں رہتے، کیونکہ یہ خودکشی ہوتی، اور خودکشی حرام اور ناجائز ہے، اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت صرف جائز امور میں ہے، ناجائز امور میں امیر کی اطاعت درست نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا احمد بن عبد الرحمن بن وهب بن مسلم (الى قوله) عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةٍ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللَّهُ، بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهَ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَنَا، فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَآثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَلَا تَنَازِعَ الْأُمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (ص ۱۲۵ سطر ۲۱ تا ۲۵)

### تشریح

قوله: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا. الخ (ص ۱۲۵ سطر ۲۵)

بواحا، باح یبوح بوحا سے ہے، اس کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، بعض روایات میں ہراحا، اور بعض میں سراحا کا لفظ ہے، سب کے معنی ایک ہی ہیں۔<sup>(۲)</sup>

فاسق و فاجر حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کا حکم

شارحین نے یہاں ایک بحث فرمائی ہے کہ اگر مسلمانوں کا حاکم عادل نہ ہو، بلکہ فاسق

(۱) مکملہ فتح المصنوع ج ۳ ص ۲۲۱، ۲۲۲

(۲) شرح البیرونی ج ۲ ص ۱۲۵

وفاجر ہو، تو پھر کیا حکم ہے؟ اس بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ اگر حاکم فاسق و فاجر بھی ہو، تب بھی وہ خود بخود حکومت سے معزول نہیں ہوگا، اور جب معزول نہیں ہوگا، تو اس کی بغاوت جائز نہیں ہوگی۔

اور اسی طرح اگر کوئی حاکم زبردستی حاکم بن گیا، جیسا کہ پاکستان میں کئی مرتبہ ایسا ہو چکا ہے، اس صورت میں اس کے خلاف بغاوت کرنا اور اس کی مخالفت کرنی درست نہ ہوگی۔

لیکن اس قسم کی نصوص اور صراحتوں سے امام کی مخالفت اور اس کے خلاف بغاوت مطلقاً درست نہ ہونا صحیح نہیں، چنانچہ امام ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم نے ”احکام القرآن“ میں آیت ”لَا يَنْتَهِى عَنِ الظُّلْمِ“ بقرہ ۱۲۳ کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر حاکم فاسق و فاجر ہو، تو اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس کو معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز ہے، اور تاریخ اسلام میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں، جیسے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں زید بن علیؒ نے خلفاء بنو امیہ کے خلاف بغاوت کی، اور ان کا مقابلہ کیا، ان کو ہٹانے کی کوشش کی، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ان کی حمایت کی، نہ صرف حمایت کی، بلکہ دس ہزار درہم ان کی معاونت کے لئے روانہ فرمائے، اور ساتھ ہی اپنے کچھ اعزاء کی بناء پر ان کے ساتھ عملی شرکت کرنے سے معذرت کی۔

اسی طرح امام صاحبؒ کے زمانے میں محمد النفس الذکیۃ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ نے منصور کے خلاف آواز اٹھائی، اور اس کے خلاف اس کے مقابلے میں لڑائی کی، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ان کی بھی حمایت کی، اور لوگوں کو ان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادہ کیا، یہاں تک کہ جب منصور کو پتہ چلا کہ امام صاحبؒ درپردہ ان کی حمایت کر رہے ہیں، تو اس نے حضرت امام صاحبؒ کو زہر دلوادیا، جس سے حضرت امام صاحبؒ کی وفات ہو گئی۔

اسی طرح حضرت حسینؒ نے یزید کے خلاف لڑائی کی، جس میں وہ شہید ہو گئے، اور متقی، پرہیزگاروں کی ایک جماعت نے حجاج بن یوسف کے خلاف آواز اٹھائی اور اس کا مقابلہ کیا۔

یہ وہ واقعات ہیں، جو تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لئے حضرات علماء کرام اور فقہاء عظام نے ان تمام واقعات اور احادیث طیبہ کو سامنے رکھ کر حکم بیان کیا ہے، جس میں سب سے زیادہ جامع، بہترین اور مکمل حکم وہ ہے، جو حضرت حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ کی پانچویں جلد کے ایک

رسالہ میں لکھا ہے، جس کا نام ہے: ”جزل الکلام فی عزل الإمام“ ہے، اس رسالے میں حضرت تھانویؒ نے یہ مسئلہ نہایت تفصیل سے مع دلائل ذکر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام سے خدا نخواستہ! کفر صریح ظاہر ہو جائے، تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا، اس کے خلاف آواز اٹھانا، اور اس کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی دوسرے مسلمان اور عادل حکمران کو لانا بشرط قدرت لازم ہوگا، قدرت کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کفر ظاہر نہ ہو، لیکن حاکم کا فسق ظاہر ہو جائے، اور وہ کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے، تو پھر کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں سمجھئے کہ فسق و فجور کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ... فسق متعدی، (۲) ... فسق غیر متعدی۔

فسق متعدی اس فسق کو کہتے ہیں، جس میں وہ خود بھی مبتلا ہے، اور دوسروں کو بھی مبتلا کر رہا ہے، مثلاً خود بھی شراب پی رہا ہے، اور دوسروں سے بھی کہہ رہا ہے کہ تم بھی شراب پیو، خود بھی جو اکیلے ہے، دوسروں کو بھی جو اکیلے کے لئے بلاتا ہے، خود بھی بدکاری میں مبتلا ہے، دوسروں کو بھی دعوت دیتا ہے، یہ فسق متعدی ہے، اس کا حکم وہی ہے، جو کفر بواح کا ہے، بشرط قدرت اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کرنا ضروری ہے۔

اگر فسق غیر متعدی ہو، یعنی وہ اپنی ذات کی حد تک گناہوں میں مبتلا ہے، لیکن دوسروں کو دعوت نہیں دیتا، اس پر مجبور نہیں کرتا، تو پھر اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں ہے، اس کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا جائے، اس کے لئے دعا کریں، یا صبر کریں، لیکن اس سے لڑنا اس کے خلاف بغاوت کرنا جائز نہیں۔

لہذا کفر بواح یا فسق متعدی کی صورت میں بشرط قدرت اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس سے لڑنا درست ہے۔ (۱)

### قدرت کا مطلب

قدرت کا مطلب یہ ہے کہ کسی جماعت میں تین باتیں پائی جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ اس کو قدرت حاصل ہے:

- (۱) ... ان کا کوئی امیر ہو، کیونکہ امیر کے بغیر نظم و ضبط نہیں ہو سکتا۔  
 (۲) ... ان کے پاس اتنی قوت ہو کہ حاکم وقت کا مقابلہ کرنے میں فتح کا یقین یا غالب گمان ہو۔  
 (۳) ... تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو ہٹانے میں اس سے بڑے کسی دوسرے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

ان تین شرائط کے ساتھ قدرت حاصل ہوگی، جس کے ذریعے کھر بواح، یا فسق متعدی میں مبتلا حاکم کو ہٹایا جاسکتا ہے، ورنہ صبر کرنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء، الأول فالأول

(پہلے خلیفہ کی بیعت کا حق ادا کرنے کا حکم)

حدثنا محمد بن بشار (الی قوله) عَنْ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (ص ۱۲۶ سطر ۲ تا ۴)

### تشریح

قوله: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۳)  
 بنو اسرائیل کے انبیاء کرام ان کا انتظام سنبھالتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو دوسرے نبی آکر ان کا انتظام سنبھال لیتے، یعنی بنی اسرائیل میں انبیاء کرام حکومت بھی کیا کرتے تھے۔

قوله: فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ، فَالْأَوَّلِ، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۴)

پہلے خلیفہ کی بیعت کرو، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے، اور یہ بات بھی ناجائز ہے کہ جب ایک شخص خلیفہ بنادیا گیا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی، تو

اب اس کی موجودگی میں دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، یہ دوسری بیعت باطل ہوگی، چاہے پہلے خلیفہ کے خلیفہ ہونے کا کسی کو علم ہو، یا نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا زهير بن حرب (الى قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو بْنُ الْعَاصِ جَالِسًا فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَالنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلَيْهِ، فَأَتَيْتُهُمْ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَتَزَلَّنَا مَنْزِلًا — إِذْ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ، فَاجْتَمَعْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ — وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقَّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا — وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةً يَدِهِ، وَثَمَرَةً قَلْبِهِ، فَلْيُطْعَمْهُ إِنْ اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخِرِ، فَذَنُوتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ لَهُ: أَلَشُّدَكَ اللَّهُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَأَهْوَى إِلَى أُذُنِيهِ، وَقَلْبِهِ بِيَدَيْهِ، وَقَالَ: سَمِعْتُهُ أَذْنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي فَقُلْتُ لَهُ: هَذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ، يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ، وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا، وَاللَّهُ يَقُولُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" قَالَ: فَسَكَتَ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: أَطِيعُهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ، وَاعْصِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ

عز وجل (ص ۱۲۶ سطر ۸ تا ۱۲ سطر ۱)

### تشریح

قوله: وَتَجِيءُ فِتْنَةٌ فَيُرَقَّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۱۲)

بعض فتنہ بعض کو پتلا کر دے گا، مراد یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، جس کو لوگ بہت بڑا سمجھیں گے

کہ یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے، بہت بڑا سانحہ ہے، لیکن جب دوسرا فتنہ آئے گا، تو وہ اس سے بھی

بڑا ہوگا، اس کے مقابلے میں پہلے والا بالکل ہلکا معمولی معلوم ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: ومن بايع إماماً فأعطاه صفقة يده و ثمرة قلبه، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۱۴)  
جس نے کسی امام سے بیعت کر لی، اپنے ہاتھ کا معاملہ اس کو دیدیا، (یعنی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی)، اور دل سے اس پر راضی ہو گیا۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمن بن عبد رب کعبہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے ایک سفر کا حال بتا رہے تھے، جب انہوں نے یہ فرمایا کہ ایک امام کی بیعت کرنے اور دل سے اس کی امامت مان لینے کے بعد جہاں تک ہو سکے، اس کی اطاعت کرو، اگر کوئی دوسرا شخص امامت و امارت کے لئے اٹھے، تو اس کو قتل کر دو، تو حضرت عبدالرحمن بن عبد رب کعبہ فرماتے ہیں کہ میں ان سے ذرا قریب ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ تو انہوں نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ فرمایا کہ میرے کانوں نے یہ بات سنی ہے، اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا آپ اپنے چچا زاد بھائی حضرت معاویہؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

قولہ: هذا ابن عمك معاوية، يأمرنا أن ناكل أموالنا بيننا بالباطل، الخ

(ص ۱۲۶ سطر ۱۵، ۱۶)

لیکن حضرت عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ کا یہ کہنا بطور اعتراض کے نہ تھا، نہ ہی ان کا معاذ اللہ! حضرت معاویہؓ پر طعن کرنا مقصود تھا، بلکہ جب انہوں نے دوسرے خلیفہ کو قتل کرنے کی بات سنی، تو چونکہ حضرت معاویہؓ کی بیعت بعد میں ہوئی، اس سے پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی، تو انہوں نے سمجھا کہ حضرت معاویہؓ کی بیعت باطل ہوئی، تو گویا حضرت معاویہؓ نے جو مال بیت المال کا استعمال کیا، یا کسی کو استعمال کرنے کا حکم دیا، وہ اکل بالباطل کے زمرے میں آیا ہے۔<sup>(۲)</sup> وہ اس کا حکم دریافت کرنا چاہتے تھے، جبکہ حضرت معاویہؓ کی شان اس سے بالاتر تھی کہ وہ جانتے بوجھتے یہ کام کرتے،

(۱) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۲۶۔

(۲) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۲۴۔



کیونکہ وہ حضور ﷺ کے خاص الخاص صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، تاہم ان کی حضرت علیؓ سے جوڑائی ہوئی، جس کو جنگ صفین کہتے ہیں، یہ ان کی اجتہادی خطا تھی، اور حدیث پاک میں ہے کہ مجتہد کا کوئی فیصلہ اور مسئلہ اگر صحیح ہو، تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور اگر خطا ہو جائے، تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: فسكت ساعة، الخ (ص ۱۲۶ سطر ۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے، پھر گویا ہوئے کہ وہ تم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو حکم دیں، اس میں ان کی اطاعت کرو، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی حکم دیں، تو اس میں تم ان کی اطاعت نہ کرو، مطلب یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہیں، انہوں نے جو کچھ کیا ہے، وہ اجتہاد کی بنیاد پر کیا ہے، لہذا جو کچھ انہوں نے کیا، وہ اپنے نزدیک درست سمجھ کر کیا، جب وہ درست ہے، تو ان کی بیعت کرنے والے کو ان کی اطاعت کرنی چاہئے، نہ کہ نافرمانی۔

دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی ہو، جس وقت حضرت علیؓ شہید ہو چکے ہوں، ایسی صورت میں حضرت معاویہؓ ہی خلیفہ برحق تھے۔<sup>(۲)</sup> اس صورت میں مذکورہ حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے درست ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔

حدثني محمد بن رافع (الى قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ الصَّائِدِيِّ، قَالَ: رَأَيْتُ جَمَاعَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ (ص ۱۲۷ سطر ۳، ۲)

## تشریح

قوله: عن عبد الرحمن بن عبد رب الكعبة الصائدي، (ص ۱۲۷ سطر ۳)  
الصائدي کے بجائے صحیح لفظ العائدي ہے۔<sup>(۳)</sup>

باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر

(جماعتِ حقہ سے وابستہ رہنا فتنوں کے زمانہ میں)

حدثني محمد بن مُثَنَّى العنزي (الى قوله) سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ،

(۱) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اذ حکم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد لم يصب منه اجر.

صحيح البخاري كتاب الاحكام باب اجر الحاكم الخ رقم الحديث ۶۸۰۵

(۲) كعبه فتح الميم ج ۳ ص ۳۴۸

(۳) شرح سوي ج ۲ ص ۱۲۷

يَقُولُ . كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ . وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةً أَنْ يُذَكِّرَنِي (الى قوله) فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ، قَالَ: قُلْتُ: وَمَا دَخْنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنْتُونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي، وَيَهْتَدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي۔ (ص ۱۲۷ سطر ۱۰ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: نعم، وفيه دخن الخ (۱۲۷ سطر ۱۳)

یعنی شر کے بعد آنے والی خیر بھی خالص نہیں ہوگی، اس میں کچھ نہ کچھ ضرور کی ہوگی۔

حدثني محمد بن سهل بن عسكر التميمي (الى قوله) عن ابي السلام قال: قال حذيفة بن اليمان قلت يا رسول الله! انا كنا بشر (الى قوله) وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ، قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنْ أَذْرَكَ ذَلِكَ؟ قَالَ تَسْمَعُ وَتَطِيعُ لِلْأَمِيرِ، وَإِنْ ضَرَبَ ظَهْرُكَ، وَأَخَذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِع (ص ۱۲۷ سطر ۱۶ تا ۲۰)

### تشریح

قوله: فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ الخ (ص ۱۲۷ سطر ۱۹)

جثمان سے مراد جسم ہے۔

حدثنا شيبان بن فروخ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ يَغْضِبُ لِعَصْبَةٍ (ص ۱۲۷ سطر ۲۰، ۲۱)

### تشریح

قوله: وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عَمِيَّةٍ، (ص ۱۲۷ سطر ۲۱)

اندھے جھنڈے سے مراد یہ ہے کہ اس کا حق اور ناحق ہونا واضح نہ ہو۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا حسن بن الربيع (الى قوله) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَرْوِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم: مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ  
مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (ص ۱۲۸ سطر ۸، ۷)

### تشریح

قوله: فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ الْخ

(ص ۱۲۸ سطر ۸)

یعنی جماعتِ حقہ سے ذرا بھی جدا نہ ہونا جاہلیت کا مرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بلا عذر شرعی امام کی بیعت تھوڑی سی بھی توڑ دے، تو اس کا مرنا جاہلیت کا مرنا ہوگا، جاہلیت کے مرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ کسی امیر کے تابع نہ ہوتے تھے اور اس کی اطاعت سے بیزار رہ کر اظہار کیا کرتے تھے، اسی طرح ناحق امام کی بیعت توڑنے والے کا مرنا بھی حق پر نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبري (الى قوله) عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ  
بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ مَا كَانَ زَمَنَ يَزِيدَ  
بْنِ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: اطْرَحُوا لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَسَادَةً، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ آتِكَ  
لِأَجْلِسَ، أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ  
مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (ص ۱۲۸ سطر ۱۱ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُطِيعٍ حِينَ كَانَ مِنْ أَمْرِ الْحَرَّةِ

مَا كَانَ، (ص ۱۲۸ سطر ۱۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے، جب حرہ کا معاملہ چل رہا تھا، عبداللہ بن مطیعؓ نے ان کے لئے تکیہ لگانے کا حکم دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ ایک حدیث سنانے کے لئے آیا ہوں، اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث سنائی، جو کتاب میں مذکور ہے۔

### واقعہ حرہ کا خلاصہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کو سمجھانے آئے تھے کہ تم جو امام وقت سے لڑائی

کی تیاری کر رہے ہو، ایسے شخص کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کا مرنا جاہلیت کا مرنا ہوگا۔

حرہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا، اور ان کے بعد ان کا بیٹا یزید بن معاویہ خلیفہ بنا، تو اہل مدینہ نے اس کی خلافت کو قبول نہیں کیا، اور انہوں نے ارادہ کیا کہ یزید کو اس عہدے سے ہٹایا جائے، اور کسی دوسرے صالح شخص کو مقرر کیا جائے، یزید کا عامل، جو مدینہ میں مقرر تھا، اس نے پہلے ان حضرات کو منانے کی کوشش کی، ان حضرات کے اشراف اور بڑے بڑے حضرات کا ایک وفد یزید کے پاس بھیجا، جب یہ وفد یزید کے پاس پہنچا، تو یزید نے ان حضرات کی بڑی خاطر تواضع کی، بڑا اعزاز و اکرام کیا، اور ان کو بڑے بڑے تحائف دیے، اور یہ سب لوگ وہاں سے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت ہوئے، مدینہ منورہ میں آ کر ان کی رائے تبدیل ہو گئی، بلکہ رائے تو شروع سے نہ تھی، لیکن یزید کے پاس سے آنے کے بعد انہیں اصل صورتحال کا اندازہ ہوا، اور انہوں نے کہا کہ ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں، جس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، جو شرابی کبابی آدمی ہے، گانے بجانے کا شوق رکھتا ہے، یہ ہرگز لائق امامت اور لائق خلافت نہیں۔

اہل مدینہ میں مہاجرین و انصار دونوں تھے، مہاجرین نے حضرت عبداللہ بن مطہج کو اپنا رئیس مقرر کر لیا، اور انصار نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کو اپنا امیر مقرر کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ یزید کے عامل اور بنو امیہ کے لوگوں کو مدینے سے بے دخل کیا جائے، اس پر انہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سمجھایا، اور وہ حدیث سنائی، جو اس باب میں آئی ہے، کہ تم لڑائی نہ کرو، اس سے خون خرابہ اور فساد ہوگا، تباہی ہوگی، اور حاصل کچھ نہ ہوگا، مگر یہ لوگ باز نہیں آئے، چنانچہ بنو امیہ کے سارے لوگ مروان بن حکم کے گھر میں جمع ہو گئے، اور اہل مدینہ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان کا کھانا، پانی بند کر دیا، انہوں نے یزید کو اطلاع دی، کہ ہم بھوکے پیاسے ہیں، اور محصور ہیں، ہماری مدد کی جائے، تو ایک روایت کے مطابق یزید نے دس ہزار، دوسری روایت کے مطابق بارہ ہزار، اور تیسری روایت کے مطابق پندرہ ہزار کا ایک لشکر مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں روانہ کیا، وہ آ کر مقام حرہ میں ٹھہر گیا، یزید نے مدینہ پر لشکر کشی سے پہلے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو اہل مدینہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہوں نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح اہل مدینہ کو سمجھایا، انہوں نے کہا کہ بے شک یزید فاسق سہی، لیکن جب

حکم فاسق ہو، اور اس کا فسق متعدی نہ ہو، تو اس کی بیعت کرنی چاہئے، اور اس کی بیعت کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، اور لڑائی میں سوائے قتل و غارت گری اور ذلت و رسوائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، لیکن انہوں نے ان کی بات بھی نہ مانی، بہر حال یزید نے جو لشکر ان سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا اس نے اہل لشکر کو تلقین کی، کہ تم تین دن تک اہل مدینہ کو مصالحت کی دعوت دینا، اور ان کو لڑائی کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا، اگر وہ پھر بھی نہ مانیں، تو تم حملہ کر دینا، چنانچہ مسلم بن عقبہ نے تین دن تک اہل مدینہ کو سمجھایا، لیکن اہل مدینہ اپنی بات پر مصر رہے، چنانچہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں زبردست قتل و غارت گری ہوئی، مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ منورہ کو اپنی فوج کے لئے حلال رکھا، چنانچہ عبداللہ بن مطیعؓ کو شکست ہوئی، مدینہ منورہ میں موجود بڑے بڑے صحابہؓ، تابعینؓ، سرداران قوم اور شرفاء کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہو گئی، تین دن تک مسجد نبویؐ بھی بند رہی، جس میں اذان و نماز تک نہ ہو سکی، اور مدینہ منورہ، جو امن و امان کا گہوارہ تھا، وہاں خون کی ندیاں بہہ گئیں، یہ خلاصہ ہے حرہ کے واقعہ کا۔<sup>(۱)</sup>

### باب حکم من فرق أمر المسلمین وهو مجتمع (مسلمانوں کی متفقہ حکومت کی مخالفت کرنے والے کا حکم)

حدیث ابو بکر بن نافع و محمد بن بشار (عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عُرْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَمَا نَبَأْنَا مَنْ كَانَ) (ص ۱۲۸ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قوله: إنه ستكون هنات وهنات الخ (ص ۱۲۸ سطر ۱۸)

هنات جمع ہے: ہنہ کی، جس کے معنی ہیں: گندی اور بری چیز، مراد اس سے فتنے ہیں<sup>(۲)</sup>، کہ عنقریب فتنے ہی فتنے برپا ہوں گے، فتنوں کے دور میں لائحہ عمل یہ بتایا گیا ہے، کہ اس وقت بھی حکومت کی اطاعت کرنا ضروری ہے، اس کی مخالفت کرنا درست نہیں، جب تک وہ لائق حکومت رہے۔

(۱) مکملہ فتح المہدیہ ج ۳ ص ۲۳۸-۲۵۰

(۲) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۲۸

## باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما يخالف الشرع الخ

(جو حکام خلاف شرع کام کا حکم دیں اس کو نہ ماننا)

حدثنا هدا بن خالد الأزدي (الی قولہ) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِيًّا، وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِيمًا، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا: أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلُّوا (ص ۱۲۸ سطر ۲۴، ۲۵)

## تشریح

قولہ : سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، الخ (ص ۱۲۸ سطر ۲۴، ۲۵)  
یعنی آئندہ زمانے میں ایسے حکمران آئیں گے، جن کے اندر کچھ اچھی باتیں بھی ہوں گی، اور بری باتیں بھی ہوں گی۔

قولہ : فَمَنْ عَرَفَ بَرِيًّا (ص ۱۲۸ سطر ۲۵)  
جو ان میں بری بات دیکھ کر اس پر نکیر کرے گا، وہ نفاق سے بری ہو جائے گا،  
قولہ : وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِيمًا (ص ۱۲۸ سطر ۲۵) اور جو دل سے برا سمجھے گا، وہ بھی سلامت رہے گا، کیونکہ امیر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

قولہ : وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ (فقد هلك) (ص ۱۲۸ سطر ۲۵)  
اور جو شخص اپنے امیر کی برائی پر راضی ہو گیا، اور اس برائی میں اس کی پیروی کر لی، تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

قولہ : أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ: مَا صَلُّوا (ص ۱۲۸ سطر ۲۵)  
صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضور! کیا ہم ایسے امراء سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں، ان کی بغاوت نہ کرنا، اور ”ما صلوا“ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں اسلام اور نماز لازم و ملزوم تھے، جو مسلمان ہوتا تھا، وہ نمازی بھی ہوتا تھا۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا ابو غسان المسمعي (الی قولہ) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ  
أُمَرَاءُ، فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرَّءٌ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ۔  
(الحديث) (ص ۱۲۸ سطر ۲۵ تا ص ۱۲۹ سطر ۱)

### تشریح

قوله: فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرَّءَ الْخ (ص ۱۲۹ سطر ۱)

مطلب یہ ہے کہ جس نے ان امراء کی برائی کو برا سمجھا، اس کو ناپسند کیا، وہ بھی تفاق سے بری ہو جائے گا۔

### باب خيار الأئمة وشرارهم

(اچھے اور بُرے حکام)

حدثنا داؤد بن رشيد (الى قوله) عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يَزِيدَ ابْنِ جَابِرٍ، قَالَ  
أَخْبَرَنِي مَوْلَى بَنِي فِزَارَةَ، وَهُوَ رَزِيقُ بْنُ حَيَّانَ، أَنَّهُ سَمِعَ مُسْلِمَ بْنَ قَرْظَةَ  
ابْنَ عَمِّ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ الْأَشْجَعِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكِ  
الْأَشْجَعِيِّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خِيَارُ  
أَيِّمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ،  
وَشِرَارُ أَيِّمَتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ،  
(الى قوله) قَالَ ابْنُ جَابِرٍ: فَقُلْتُ: يَعْنِي لِرَزِيقٍ حِينَ حَدَّثَنِي بِهَذَا  
الْحَدِيثِ: اللَّهُ، يَا أَبَا الْمُقْدَامِ، لِحَدَّثَكَ بِهَذَا، أَوْ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ مُسْلِمِ  
بْنِ قَرْظَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَوْفًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ؟ قَالَ: فَجِئْنَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَقَالَ: إِي وَاللَّهِ الَّذِي لَا  
إِلَهَ إِلَّا هُوَ، لَسَمِعْتُهُ مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرْظَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكِ،  
يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۲۹ سطر ۷ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: اللَّهُ، يَا أَبَا الْمُقْدَامِ، الْخ (ص ۱۲۹ سطر ۱۲)

اللہ، یہ واللہ کے قائم مقام ہے، اور واللہ اصل میں ہے: ا واللہ۔<sup>(۱)</sup>

باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال،

وبیان بیعة الرضوان تحت الشجرة

لڑائی کے ارادہ پر بیعت مستحب ہے اور بیعت رضوان

حدثنا قتيبة بن سعيد (الى قوله) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا

وَأَرْبَع مِائَةٍ، فَبَايَعْنَاهُ وَعُمَرُ أَخَذَ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، وَقَالَ:

بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَ، وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ (ص ۱۲۹ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

قوله: كنا يوم الحديبية ألفا وأربع مائة، (ص ۱۲۹ سطر ۱۶)

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام تیرہ سو تھے،

(۲) ... دوسرا قول چودہ سو کا ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ وہ پندرہ سو تھے۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے شروع میں تیرہ سو ہوں، پھر کچھ اور صحابہ

کرام آ ملے ہوں، تو چودہ سو ہو گئے، پھر کچھ اور آ گئے، تو پندرہ سو ہو گئے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، الخ (ص ۱۲۹ سطر ۱۶، ۱۷)

سَمُرَةٌ: سَمُرَةٌ کے معنی ہیں: کیکر کا درخت۔

قوله: بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَ، وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ (ص ۱۲۹ سطر ۱۷)

راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے دشمن کے مقابلے میں فرار نہ ہونے پر بیعت کی تھی، نہ کہ موت

پر جبکہ اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے موت پر بیعت کی تھی۔ اس طرح

دونوں میں تعارض ہو گیا۔

(۱) بحکمہ تصحیح المعتمد ج ۳ ص ۲۵۹

(۲) روایات مختلفہ میں تطبیق کی ایک صورت علامہ نووی نے بھی اپنی شرح میں لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ج ۲ ص ۱۲۹۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صورت بیعت کا ذکر ہے کہ ہم نے حضور ﷺ سے جنگ میں فرار نہ ہونے پر بیعت کی، اور آخری حدیث میں لازم بیعت کا ذکر ہے، کیونکہ جب ثابت قدمی کے ساتھ لڑائی کی جائے گی، اور دشمن کے مقابلے میں نہ بھاگا جائے گا، تو پھر دو چیزوں میں سے ایک کا سامنا کرنا پڑے گا:

(۱) ... قید یا (۲) ... شہادت،

تو اس شہادت کے احتمال کی وجہ سے آخری حدیث میں اس بیعت کو بیعت علی الموت سے تعبیر کیا۔<sup>(۱)</sup>

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ابتداء بیعت کا ذکر ہے، اور آخری حدیث میں انتہاء بیعت کا ذکر ہے۔<sup>(۲)</sup>

حدثنا محمد بن حاتم (الی قوله) جَابِرًا، يَسْأَلُ، كَمْ كَانُوا يَوْمَ الْخُذْيَةِ؟ قَالَ: كُنَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً، فَبَايَعْنَاهُ، وَعُمَرُ أَخَذَ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، وَهِيَ سَمُرَةٌ، فَبَايَعْنَاهُ غَيْرَ جَدِّ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ، اخْتِبَاءً تَحْتَ بَطْنِ بَعِيرِهِ. (ص ۱۲۹ سطر ۱۸ تا ۲۰)

### تشریح

قوله: فَبَايَعْنَاهُ غَيْرَ جَدِّ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ، الخ (ص ۱۲۹ سطر ۱۹، ۲۰) صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ کے دست مبارک پر جد بن قیس انصاری نے بیعت نہیں کی، وہ اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا، شارحین فرماتے ہیں کہ اس کے بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص منافق تھا۔<sup>(۳)</sup>

قوله: أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ الْخ (ص ۱۲۹ سطر ۲۳، ۲۴) آج کے دن تم روئے زمین کے لوگوں میں سب سے بہتر ہو، جن صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان میں حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس بیعت کی وجہ سے یہ لوگ زمین

(۱) شرح بروی ج ۲ ص ۱۲۹۔

(۲) مکملہ فتح المہم ج ۲ ص ۲۵۸۔

(۳) مکملہ فتح المہم ج ۲ ص ۲۵۸۔

پر سب سے افضل لوگ قرار پائے، ان مسلمانوں سے بھی، جو مکہ مکرمہ میں تھے، اور ان مسلمانوں سے بھی، جو مدینہ منورہ میں تھے، اور ان مسلمانوں سے بھی، جو ان کے علاوہ کہیں اور تھے۔<sup>(۱)</sup>

حدثنا عید اللہ بن معاذ (الی قوله) قال: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى،  
قَالَ: كَانَ أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ أَلْفًا وَثَلَاثَ مِائَةٍ، وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثَمَنُ  
الْمُهَاجِرِينَ (ص ۱۳۰ سطر ۲، ۳)

### تشریح

قوله: وَكَانَتْ أَسْلَمُ ثَمَنُ الْمُهَاجِرِينَ الخ (ص ۱۳۰ سطر ۳)  
قبیلہ اسلم کے آدمی مہاجرین کا ثمن تھے، مہاجرین کی تعداد آٹھ سو تھی، اور قبیلہ اسلم کے لوگوں  
کی تعداد سو تھی، سو (۱۰۰) آٹھ سو (۸۰۰) کا ثمن یعنی آٹھواں حصہ ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیاء عظامؑ کے آثار سے برکت حاصل کرنے

### کاملہ

یہاں یہ مسئلہ سمجھنے کا ہے کہ جس میدان میں صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے میدان جہاد میں نہ  
بھاگنے کی بیعت کی تھی، وہ درخت پھر بعد میں کاٹ دیا گیا، اس سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا کہ  
انبیاء اور اولیاء کی مبارک اشیاء سے تبرک حاصل کرنا منع ہے، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، درست  
بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک لوگوں کے آثار اور اشیاء سے برکت حاصل کرنا نہ صرف  
جائز، بلکہ ثابت ہے، اور میدان حدیبیہ کے اس درخت کے کاٹنے کی وجہ دوسری ہے، وہ یہ ہے کہ دراصل  
لوگ وہاں جا کر عبادت کرنے لگے تھے، نمازیں پڑھنے لگے تھے، اور کچھ حد سے تجاوز کر کے اس جگہ کی  
بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنے لگے تھے، جس کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ آگے چل کر اس جگہ اور اس درخت  
کو نفع و نقصان پہنچانے والا سمجھ کر لوگ شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس وجہ سے ایک قول کی بناء پر حضرت  
عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا<sup>(۲)</sup> تھا۔

لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظامؑ کے آثار سے برکت حاصل کرنا متعدد حدیثوں میں

(۱) بحکمہ فتح المہم ج ۳ ص ۳۶۰ انجبت هذا الحديث

(۲) فتح بازی ج ۱ ص ۹۴۰ کتاب المعاری باب عروہ الحدیبیہ

آیا ہے، جن میں سے ایک اثر حضرت اہم سلمہؓ سے مروی ہے کہ ان کے پاس سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال مبارک تھے، جو انہوں نے ایک ٹکلی کے اندر رکھے ہوئے تھے، جب کسی کے گھر میں کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کو کوئی تکلیف ہوتی، تو اس کے گھر والے پانی کا ایک پیالہ ان کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے، اور حضرت اہم سلمہؓ اس ٹکلی میں سے آپ ﷺ کے بال مبارک نکال کر اس میں ڈبو کر اور گھما کر وہ پیالہ واپس دے دیا کرتی تھیں، پھر وہ پانی مریض کو پلاتے، تو وہ ٹھیک اور صحت یاب ہو جاتا تھا۔<sup>(۱)</sup> یہ حضور ﷺ کے بالوں کی برکت ہوتی تھی۔

دوسری دلیل حضرت اہم سلیمؓ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ اکثر ان کے ہاں دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کے آرام کیلئے چڑے کا ایک بستر بچھا دیا کرتی تھیں، اور نیند میں آپ ﷺ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا، پسینہ مبارک کچھ چڑے کے بستر پر، اور کچھ پیشانی مبارک پر بھی جمع ہو جاتا تھا، حضرت اہم سلیمؓ آپ ﷺ کے سونے کے بعد ایک تنکا اور شیشی لے کر آپ ﷺ کے پسینے مبارک کا ایک ایک قطرہ شیشی میں ڈالتی رہتی تھیں، اور یہ فرماتی تھیں کہ یہ اَطِيبُ الطَّيِّبِ ہے<sup>(۲)</sup>، اور جس خوشبو میں آپ ﷺ کا پسینہ مبارک شامل فرماتیں، وہ خوشبو دوسری ساری خوشبوؤں سے بہتر ہو جاتی تھی، اور وہ شادی بیاہ میں دولہا، دلہن کو لگائی جاتی تھی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے پاس ایک پیالہ تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو اس پیالے میں ہر چیز پلائی، یعنی پانی بھی پلایا، نیبذ بھی پلائی، شہد بھی پلایا، دودھ بھی پلایا،<sup>(۳)</sup> حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب یہ سنا کہ یہ ایسا بابرکت پیالہ ہے، تو انہوں نے ان سے وہ پیالہ مانگ لیا، جس پر انہوں نے یہ پیالہ ان کو دے دیا۔

ایسے ہی حضرت ہبل بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ثقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف لائے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ہبل! کچھ پلاؤ، تو میں نے حضور ﷺ کو ایک پیالے میں پانی پلایا، اس

(۱) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہ والرقی رقم الحدیث ۳۵۶۸۔

(۲) مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفضائل باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث ۵۷۸۸ وصحیح مسلم کتاب

فضائل باب طیب عرق النسی صلی اللہ علیہ وسلم والنیرک بہ رقم الحدیث ۴۳۰۱۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الاشرہ باب اباحہ السد الح رقم الحدیث ۳۷۴۸۔

کے بعد انہوں نے وہ پیالہ نکال کر دکھایا کہ یہ وہ پیالہ ہے، جس سے حضور ﷺ نے پانی پیا ہے، لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں بھی اس میں کچھ پانی ڈال کر پانی پلائیے۔<sup>(۱)</sup>

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے آثار سے تبرک حاصل کرنا نہ صرف جائز، بلکہ بہت مبارک ہے، لیکن اس میں اعتدال سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

### مبارک اور تاریخی مقامات کی زیارت کا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو مبارک اور تاریخی مقامات ہیں، جیسے غارِ حرا، غارِ ثور، میدانِ بدر اور میدانِ احد وغیرہ، ان کی زیارت کرنا کیسا ہے؟ تو اس میں بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر آدمی وہاں اعتدال کے ساتھ جائے، اور اس نیت سے جائے کہ وہاں جانے سے وہ تاریخی واقعات تازہ ہوں گے، جس سے ایمان تازہ ہوگا، شرح صدر ہونے میں اضافہ ہوگا، دین کی طرف طبیعت کا جھکاؤ ہوگا، تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے۔<sup>(۲)</sup>

حدثنا اسحاق بن ابراهيم (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: أَتَاهُ آبُ، فَقَالَ: هَذَا ذَاكَ ابْنُ حَنْظَلَةَ يُبَايِعُ النَّاسَ، فَقَالَ: عَلَى مَاذَا؟ قَالَ: عَلَى الْمَوْتِ، قَالَ: لَا أَبَايِعُ عَلَى هَذَا أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۳۰ سطر ۱۲ تا ۱۴)

### تشریح

قوله: لا أبايِعُ على هذا أحدًا بعد رسول الله ﷺ، الخ (ص ۱۳۰ سطر ۱۴) حضرت عبداللہ بن زید کے مذکورہ بالا ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کی، تو آپ ﷺ کے بعد کسی اور کے ہاتھ پر بھی موت کی بیعت نہیں کروں گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر تو موت کی بیعت کی تھی، آپ ﷺ کے بعد میں کسی اور کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کروں گا۔<sup>(۳)</sup>

(۱) صحیح البخاری کتاب الاشریۃ باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وایتہ، رقم الحدیث: ۵۲۰۶۔

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۳ ص ۳۶۶ تا ۳۶۷۔

(۳) مکملہ فتح المسہم ج ۳ ص ۳۶۸۔



## باب تحریم رجوع المهاجر إلى استيطان وطنه

خَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحِجَاجِ، فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ، ارْتَدَدْتَ عَلَى عَقِيكَ؟ تَعَرَّبْتَ؟ قَالَ لَا، وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِي فِي الْبَدْوِ. (ص ۱۳۰ سطر ۱۵، ۱۴)

## تشریح

قولہ: یا ابن الاکوع، ارتددت علی عقیک؟ الخ (ص ۱۳۰ سطر ۱۵)  
حجاج بن یوسف نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے کہا کہ آپ اپنی ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے؟  
قولہ: تعربت؟ (ص ۱۳۰ سطر ۱۵)

آپ نے دیہات میں رہنا اختیار کر لیا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیہات میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے مدینہ سے باہر سکونت اختیار کرنے کی وجہ  
حضرت سلمہ بن اکوعؓ حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے بعد مقام ربذہ میں جا کر مقیم ہو گئے تھے، وہاں جا کر شادی کی اور اولاد بھی ہوئی، پھر وہیں مقیم ہو گئے تھے، انتقال سے کچھ روز قبل مدینہ منورہ آئے تو حجاج بن یوسف سے ملاقات ہوئی اس پر حجاج بن یوسف نے آپ پر طعن کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کے زمانے میں فتح مکہ سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، اور حضور ﷺ کی حیات تک مدینہ چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہنا بحکم مرتد تھا، یعنی ایسے شخص کو مرتد کی طرح سمجھا جاتا تھا، لیکن آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ حکم نہیں تھا، اس لئے حجاج بن یوسف کا آپ کو یہ طعنہ دینا ناجائز تھا؛ کیونکہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو مدینہ منورہ سے جانے کی حضور ﷺ پہلے ہی اجازت دے دی تھی، دوسرا یہ کہ آپ ﷺ سے بچنے کے لئے دیہات میں جا کر مقیم ہوئے تھے، کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کا واقعہ پہلا فتنہ تھا، جو ظاہر ہوا، تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ چھوڑنے کی ممانعت آپ ﷺ کی حیات تک تھی، آپ ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ چھوڑنا جائز تھا۔<sup>(۱)</sup> کیونکہ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہیں تھا۔

## باب المبايعۃ بعد فتح مکة على الإسلام والجهاد والخير، وبيان

معنی ”لا هجرة بعد الفتح“

(فتح مکہ کے بعد اسلام، جہاد اور امور خیر پر بیعت وغیرہ کا حکم)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ (الى قوله) عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، حَدَّثَنِي  
مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ السُّلَمِيُّ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَبَايَعُهُ عَلَى الْهَجْرَةِ، فَقَالَ: إِنَّ الْهَجْرَةَ قَدْ مَضَتْ لِأَهْلِهَا، وَلَكِنْ عَلَى  
الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ. (ص ۱۳۰ سطر ۱۵ تا ۱۷)

## تشریح

قوله: إن الهجرة قد مضت لأهلها، الخ (ص ۱۳۰ سطر ۱۷)

## بیعت طریقت کا ثبوت

وہ ہجرت جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف فرض تھی، وہ فتح مکہ کے بعد ختم ہو گئی، البتہ مطلق  
ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا، لہذا اسلام لانے پر، جہاد کرنے پر بیعت  
کرنا اور اسی طرح بیعت علی الخیر یعنی بیعت علی التقویٰ باقی ہے، خیر سے مراد تمام نیک کام ہیں، اس سے وہ  
بیعت ثابت ہوتی ہے، جو صوفیاء کرام میں جاری و ساری ہے، کیونکہ اس میں مرید اپنے شیخ کے ہاتھ پر یہ  
بیعت کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاروں گا، اپنے ظاہر و باطن کو تقویٰ سے آراستہ  
کروں گا، اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کروں گا، اس کے لئے آپ سے رہنمائی چاہوں گا، اس کو بیعت  
علی الخیر اور بیعت علی التقویٰ کہتے ہیں، یہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتَحَ مَكَّةَ - لَا هَجْرَةَ، وَلَكِنْ جِهَادٌ  
وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَانْفِرُوا. (ص ۱۳۰ سطر ۲۰، ۲۱)

## جہاد کی دو قسمیں

قوله: وَإِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَانْفِرُوا الخ (ص ۱۳۰ سطر ۲۱)

جب تم سے جہاد کے واسطے نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکلا کرو،

جہاد کی دو قسمیں ہیں: ایک جہاد فرض عین، اور ایک جہاد فرض کفایہ، اگر کسی علاقے پر خدا نخواستہ کافر مسلمانوں پر حملہ کر دیں، ایسی صورت میں اس علاقے کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جائے گا، اگر یہ لوگ دشمن کے مقابلے میں کافی ہو جائیں تو پھر دیگر مسلمانوں پر فرض کفایہ ہوگا، اور اگر یہ مسلمان کافی نہ ہوں، دشمن زیادہ ہوں، تو پھر قرب وجوار کے اتنے مسلمانوں پر بھی جہاد فرض عین ہو جائے گا، جن کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اس علاقے کے مسلمان دشمن سے مقابلہ کرنے میں کافی ہو جائیں، اس کے علاوہ باقی مسلمانوں پر فرض کفایہ رہے گا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ، (الی قوله) قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهَجْرَةِ، فَقَالَ: وَيْحَكَ، إِنَّ شَأْنَ الْهَجْرَةِ لَشَدِيدٌ، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَهَلْ تُؤَيِّي صَدَقَتَهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَاغْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبَحَارِ، فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَتْرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا. (ص ۱۳۱ سطر ۵ تا ۵)

### تشریح

قوله: ان اعرابيا سأل رسول الله ﷺ عن الهجرة، فقال: ويحك، الخ (ص ۱۳۱ سطر ۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس اعرابی کو ہجرت کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس کو رخصت دیدی، اس رخصت دینے کی شارحین نے دو وجوہات بیان فرمائی ہیں:

(۱) ... ایک وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، مکہ مکرمہ کے علاوہ دیگر علاقوں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہیں تھا، اور یہ دیہاتی مکہ مکرمہ کا رہنے والا نہیں تھا۔ یا یہ ارشاد فتح مکہ کے بعد کا ہے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض نہ رہا تھا۔

(۲) ... دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اس اعرابی کی خصوصیت ہے، آپ ﷺ نے محسوس فرمایا تھا کہ ہجرت کی مشقت اور قربانی یہ برداشت نہ کر پائے گا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو ہجرت کرنے

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے جمائع النصاب کتاب السير فصل وأما بیان کفایہ فرصیۃ الجہاد ج ۷ ص ۹۷، ۹۸۔

سے منع فرمادیا۔<sup>(۱)</sup>

البحار، جمع ہے بحورہ کی، اور بحورہ کے معنی ہیں: دیہات، لن بترک معنی میں ہے لن ینقص، یعنی اگر تم نے ہجرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ تیرے عمل کے ثواب میں کچھ کمی نہ فرمائیں گے۔<sup>(۲)</sup>

### باب کیفیۃ بیعة النساء

(عورتوں کی بیعت کا طریقہ)

خَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنُ سَرْحٍ، (الی قولہ) أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَتْ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْتَحَنُ بِقَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ" إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ، فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمُخَنَةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقَرَّرَنَ بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ، قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْطَلِقْنَ، فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ وَلَا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ

\_\_\_\_\_الحديث (ص ۱۳۱ سطر ۷ تا ۱۰)

### تشریح

قولہ: کانت المؤمنات إذا هاجرن إلى رسول الله ﷺ یمتحن الخ

(ص ۱۳۱ سطر ۸)

جب مکہ مکرمہ سے عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ پہنچتیں، تو آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے، کیونکہ حدیبیہ میں آپ ﷺ نے کفار مکہ سے اس بات پر صلح فرمائی تھی کہ مکہ مکرمہ کے لوگوں میں سے اگر کوئی مدینہ منورہ آئے گا، تو حضور ﷺ اس کو واپس کریں گے، اگر آنے والے مرد ہوتے تو ان

(۱) حکمتہ فتح المہم ج ۳ ص ۲۷۶ تحت هذا الحديث۔

(۲) شرح البورق ج ۲ ص ۱۳۱۔

کو واپس کر دیا جاتا، خواہ وہ مسلمان ہو کر آئے ہوں، لیکن جب کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ  
اعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ  
(المتحنة: ۱۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو واپس کرنے سے روک دیا، البتہ کافر عورتوں کو واپس کرنے کا حکم باقی رہا، چنانچہ آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں، یا حالت کفر پر رہتے ہوئے محض مدینہ میں رہنے کے لئے آئی ہیں، یا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے آئی ہیں، یا کسی اور دنیاوی غرض سے آئی ہیں۔

علماء کرام نے آپ ﷺ کے مؤمن عورتوں کو واپس نہ کرنے کے سلسلے میں کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ ہوا تھا، وہ مردوں کے بارے میں تھا، نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عورتوں کے بارے میں معاہدہ یہ تھا کہ جو عورت مسلمان ہو کر آئے گی، اسے واپس نہیں کیا جائے گا، اور جو عورت کافر ہو کر آئے گی، اس کو واپس کیا جائے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اصل معاہدہ تو عام تھا، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، سب کو واپس کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے خاص مراد تھی، وہ یہ کہ جب عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو ان کو واپس نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس موقع پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمادی اور مسلمان عورتوں کو واپس کرنے سے منع فرما دیا۔<sup>(۱)</sup>

### عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح مردوں کو بیعت فرماتے تھے، اسی طرح عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زبانی بیعت فرماتے تھے، عورت کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں لگاتے تھے، کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی بھی آپ ﷺ

کو واپس کر دیا جاتا، خواہ وہ مسلمان ہو کر آئے ہوں، لیکن جب کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ  
اعْلَمْ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ  
(الممتحنة: ۱۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن عورتوں کو واپس کرنے سے روک دیا، البتہ کافر عورتوں کو واپس کرنے کا حکم باقی رہا، چنانچہ آپ ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہیں، یا حالت کفر پر رہتے ہوئے محض مدینہ میں رہنے کے لئے آئی ہیں، یا اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے آئی ہیں، یا کسی اور دنیاوی غرض سے آئی ہیں۔

علماء کرام نے آپ ﷺ کے مؤمن عورتوں کو واپس نہ کرنے کے سلسلے میں کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ ہوا تھا، وہ مردوں کے بارے میں تھا، نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عورتوں کے بارے میں معاہدہ یہ تھا کہ جو عورت مسلمان ہو کر آئے گی، اسے واپس نہیں کیا جائے گا، اور جو عورت کافر ہو کر آئے گی، اس کو واپس کیا جائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اصل معاہدہ تو عام تھا، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، سب کو واپس کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے خاص مراد تھی، وہ یہ کہ جب عورتیں مسلمان ہو کر آئیں، تو ان کو واپس نہیں کیا جائے گا چنانچہ اس موقع پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمادی اور مسلمان عورتوں کو واپس کرنے سے منع فرمادیا۔<sup>(۱)</sup>

### عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح مردوں کو بیعت فرماتے تھے، اسی طرح عورتوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، اس باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ زبانی بیعت فرماتے تھے، عورت کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں لگاتے تھے، کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی بھی آپ ﷺ



کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا، حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے کہ ہم نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا، حضور ﷺ نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا<sup>(۱)</sup>، اور بعض روایتوں میں آپ ﷺ کا ہاتھ عورتوں کے ہاتھ میں جانے کا بھی ذکر ہے۔

اس تعرض کو دور کرنے کے لئے شارحینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ام عطیہؓ والی حدیث میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھی ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بھی ہاتھ بڑھایا، ہاتھ بڑھانے سے مصافحہ لازم نہیں آتا۔ لہذا اس حدیث سے بوقت بیعت حضور ﷺ کا عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ثابت نہیں ہوتا۔ جن روایتوں میں ہاتھ سے بیعت کرنے کا ذکر ہے، وہاں بھی بحائل ہے، بلا حائل نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مراسل<sup>(۲)</sup> ابی داؤد میں امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ عورتوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی درخواست کی اور ہاتھ میں ہاتھ لینے کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے چادر منگوائی، اور آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک پر چادر ڈال لی، اور پھر عورتوں کو بیعت فرمایا، اور فرمایا کہ میں عورت کے ہاتھ نہیں لگاتا۔ (اوکا قال ﷺ) (۳)

### باب بیان سن البلوغ (بالغ ہونے کی عمر کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً، فَاسْتَصَفَرَنِي. (ص ۱۳۱ سطر ۱ تا ۱۹)

### تشریح

لڑکے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات اور عمر

قولہ: وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعِ عَشْرَةَ سَنَةً فَاسْتَصَفَرَنِي. (۱۳۱ سطر ۱۹)  
اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے کسی لڑکے یا لڑکی میں بلوغت کی علامات پائی جائیں، تو سب کے نزدیک وہ بالغ سمجھے جائیں گے، اور لڑکے کے لئے علامات بلوغ تین ہیں:

۱۔ مسند احمد حدیث ام عصبہ رضی اللہ عنہا رقم الحدیث ۱۹۸۶۷

۲۔ مراسل ابی داؤد باب ما جاء فی الفی والاملاہ رقم الحدیث ۳۵۰

۳۔ مکشہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰

(۱) ... احتلام، (۲) ... انزال، (۳) ... اور اس کی صحبت سے عورت کے حمل ٹھہرنا۔

اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات بھی تین ہیں:

(۱) ... حیض آنا، (۲) ... احتلام ہونا، (۳) ... اور حمل ٹھہرنا۔

اگر کسی لڑکے یا لڑکی میں پندرہ سال کی عمر سے پہلے پہلے ان علاماتِ بلوغ میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے، تو پھر ان کو بالغ کب سمجھا جائے گا، اس میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی، پندرہ سال کی عمر میں وہ بالغ سمجھے جائیں گے، اور اس پر بلوغت کے تمام احکام نافذ اور جاری ہو جائیں گے، البتہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی سترہ سال کی عمر میں اور لڑکا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لڑکی اٹھارہ سال میں اور لڑکا انیس سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا، اور ایک قول ان کے دونوں کے لئے اٹھارہ سال کا بھی ہے۔<sup>(۱)</sup>

باب النہی أن یسافر بالمصحف إلی أرض الکفار إذا خیف وقوعه

بأیدیہم

(جب قرآن مجید کافروں کے ہاتھ لگنے کا خطرہ ہو تو قرآن کریم لے کر

کافروں کے ملک کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

بْنِ عُمَرَ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ

إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ. (ص ۱۳۱ سطر ۱۹)

تشریح

اس باب میں دو مسئلے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں قرآن شریف کو ساتھ لیجانے کا کیا حکم

ہے؟ دوسرے یہ کہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانے کا کیا حکم ہے؟

دشمن کے علاقے میں قرآن شریف لیجانے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ

لشکر چھوٹا ہے، اس صورت میں خواہ دشمن کی طرف سے قرآن شریف کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو یا نہ

ہو، دونوں صورتوں میں قرآن شریف کو ساتھ لیجانا منع ہے، اور اگر لشکر بڑا ہو، تو پھر قرآن شریف ساتھ لیجانے میں اختلاف ہے، حضرت امام مالکؒ مطلقاً منع کرتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کی طرف سے قرآن شریف کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے تو لیجانا منع ہے، ورنہ جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

### کافروں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے کا حکم

دوسرا مسئلہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانے کا ہے،<sup>(۲)</sup> حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کو قرآن شریف پڑھانا مطلقاً منع ہے، جبکہ ان کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ تھوڑا بہت پڑھا سکتے ہیں، زیادہ نہیں پڑھا سکتے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کی دو روایتیں ہیں،<sup>(۳)</sup>

### باب المسابقة بين الخيل وتضميرها

(گھوڑوں کے درمیان مقابلہ اور مسابقہ کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أَضْمَرْتُ مِنَ الْحَفِيَاءِ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَلَاثَةَ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ، مِنَ الشَّيْءِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا. (ص ۱۳۲ سطر ۲ تا ۳)

### تشریح

قولہ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَابَقَ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أَضْمَرْتُ مِنَ الْحَفِيَاءِ،

..... الخ (ص ۱۳۲ سطر ۳)

(۱) مکملہ فتح المسیم ج ۳ ص ۲۸۵۔

(۲) حاصل یہ مسئلہ کا یہ ہے کہ کافروں کو قرآن کریم دینے سے اس وقت منع کیا جاتا ہے جب قرآن کریم کی احانت دے یعنی تعطیس کا خوف ہو مگر احانت وہ ہے تعطیس کا خوف نہ ہو تو قرآن کریم دینے میں کوئی حرج نہیں اور پڑھانے میں قرآن کریم کی تبلیغ اور تعلیم مقصود ہوتی ہے اس سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں

ت (مکملہ فتح المسیم ج ۳ ص ۲۸۶)

(۳) حصہ فتح المسیم ج ۳ ص ۲۸۶۔

اضمار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے گھوڑے کو آہستہ آہستہ کھلا کھلا کر موٹا کرتے ہیں، پھر اس کی غذا کم کر دیتے ہیں، اور پھر اس کو ایک کمرے میں بند کرتے ہیں اور چادر اڑھا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو بہت پسینہ آتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بہت چست اور چالاک ہو جاتا ہے، ایسے گھوڑوں کو ”مضمّر“ کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### گھوڑ دوڑ کی جائز اور ناجائز صورتیں

آپ ﷺ نے گھوڑوں کے دو مقابلے کروائے، مضمّر گھوڑوں کا مقابلہ ”مقام حفیاء“ سے ”ثنیۃ الوداع“ تک کروایا، ان دونوں مقامات کے درمیان تقریباً ۵ یا ۶ میل کا فاصلہ ہے، اور جو گھوڑے غیر مضمّر تھے، ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی ذریق تک مقابلہ کروایا، جن کے درمیان فاصلہ تقریباً ایک میل تھا، چونکہ غیر مضمّر گھوڑا کم دوڑتا ہے، اس لئے اس کے دوڑنے کا فاصلہ کم رکھا، اور مضمّر گھوڑے کے لئے لمبی مسافت آپ ﷺ نے مقرر فرمائی۔

دوسری روایات میں یہ بھی ہے کہ جو گھوڑا سب سے آگے نکلنے والا تھا، اس کو آپ ﷺ نے دو جوڑے عطا فرمائے، اور جو اس سے کم تھا، اس کو ایک جوڑا عطا فرمایا، پھر جو اس سے کم تھا، اس کو ایک دینار عطا فرمایا، پھر اس سے کم والے کو ایک درہم عطا فرمایا، پھر اس سے کم والے کو کچھ تھوڑی بہت چیز عطا فرمائی۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے مسابقت بھی کروائی اور انعام بھی دیا، مسابقت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں پیسوں کی شرط نہ ہو، تو بالاجماع جائز ہے، اور اگر پیسوں کے ساتھ کروایا جائے، تو اس کی چار صورتیں ہیں:

- (۱) ... ایک صورت یہ ہے کہ جو مقابلے میں شریک ہیں، ان میں سے کوئی پیسے دینے کی کوئی شرط نہ لگائے، بلکہ جو مقابلہ کروا رہا ہے، وہ کسی انعام کا اعلان کرے، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔
- (۲) ... دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں سے کسی ایک یا دونوں کی طرف سے پیسے ہوں، اس میں بھی اگر ایک کی طرف سے پیسے ہوں، دوسرے کی طرف سے پیسے نہ ہوں،

(۱) شرح السنن ج ۲ ص ۱۳۲۔

(۲) عمدہ خبری کتاب الصلاہ باب حل یعال مسجداً ص ۱۱۹/۵

تو ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے، مثلاً زید اور بکر دونوں دودھ نے کا مقابلہ کر رہے ہیں، زید کہتا ہے کہ اگر میں آگے نکل گیا، تو تم اتنے پیسے دینا، اور اگر تم آگے نکل گئے تو میں کچھ نہیں دوں گا۔

(۳) ... تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے پیسے ہوں، مثلاً زید کہتا ہے کہ اگر میں آگے نکل گیا تو تم پچاس روپے دینا اور اگر تم آگے نکل گئے تو میں پچاس روپے دوں گا، یہ صورت بالا جماع حرام ہے، کیونکہ یہ قمار ہے، اور قمار حرام ہے۔

(۴) ... چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی تیسرا آدمی آجائے، جس کو حدیث میں ”مُحِلِّل“ سے تعبیر کیا گیا ہے، بشرطیکہ یہ تیسرا آدمی پہلے دو آدمیوں کی ٹکر کا ہو، گھڑ سواری کے فن میں بھی اور گھوڑے کے اعتبار سے بھی، اب یہ پہلے دو آدمی اس تیسرے کو کہتے ہیں کہ اگر تو آگے نکل گیا تو ہم یہ اتنے پیسے تجھے انعام میں دیں گے اور اگر ہم آگے نکل گئے تو تمہیں کچھ نہیں دینا پڑے گا، مسابقہ کی یہ صورت جائز ہے، اس کی دلیل وہ احادیث طیبہ ہیں<sup>(۱)</sup>، جس میں اس ”مُحِلِّل“ کے شامل کرنے کا ذکر ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو جائز کہتے ہیں، جبکہ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب الخیل فی نواصیہا الخیر إلی یوم القیامۃ

(گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر ہونے کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْخَيْرُ مَعْقُوصٌ بِنَوَاصِي الْخَيْلِ، قَالَ: فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، بِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(ص ۱۳۲ سطر ۱۸، ۱۷)

### تشریح

قوله: الخیر معقوص بنواصی الخیل الخ (۱۳۲ سطر ۱۸)

(۱) ت ۱۵۱ طیبہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی المحلل رقم الحدیث ۹۲۲۱۵ سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد

باب مسودہ برہان فی الحدیث ۲۸۶۷۔

(۲) مکملہ فتح مبینہ ج ۳ ص ۳۹۸، ۳۹۹۔

یہ معنی میں: الخیل معقود فی نواصبھا الخیر کے ہے، گھوڑوں کی پیشانی میں خیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں ان کے ذریعے دنیا کا مال غنیمت اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے، اور پیشانی سے مراد ذات ہے۔<sup>(۱)</sup>

## باب ما یکرہ من صفات الخیل

(گھوڑے کی ناپسندیدہ صفات کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشَّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ (ص ۱۳۲ سطر ۳، ۴)

### تشریح

قولہ: کان رسول اللہ ﷺ یکرہ الشکال من الخیل الخ (ص ۱۳۳ سطر ۴) حضور ﷺ نے ”شکال“ گھوڑے کو ناپسند فرمایا، ”شکال“ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پیر میں سفیدی ہو، اور غالباً آپ ﷺ کے اس کو ناپسند فرمانے کی وجہ اس کی کمزوری ہے۔<sup>(۲)</sup>

## باب فضل الشهادة فی سبیل اللہ تعالیٰ

(اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت کی فضیلت کا بیان)

حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ .... حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ يَعْنِي ابْنَ سَلَامٍ، عَنْ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَلَامٍ، .... الخ (ص ۱۳۲ سطر ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قولہ: معاویہ بن سلام، عن زید بن سلام، أنه سمع أبا سلام، الخ

(ص ۱۳۵ سطر ۱۵)

اس روایت کی سند میں تین جگہ سلام ہے ان کی تشریح یہ ہے کہ معاویہ بیٹے ہیں، سلام کے، زید معاویہ کے بھائی ہیں، اور ابو سلام ان دونوں کے دادا ہیں۔

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۳۲۔

(۲) مکمل فتح المسند ج ۳ ص ۳۹۸۔



## باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ إلا الدین

(جہاد میں شہید ہونے والے کے قرض کے سوا سب گناہ معاف ہونے

کا بیان)

حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ. (ص ۱۳۵ سطر ۱۵)

### تشریح

قولہ: القتل فی سبیل اللہ یکفر کل شیء، إلا الدین. (ص ۱۳۵ سطر ۱۵)  
اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا ہر گناہ کو ختم کر دیتا ہے سوائے دین کے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے اور قتال کرنے کی وجہ سے حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں، یعنی وہ گناہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے، وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، البتہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

باب بیان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم

### یرزقون

(شہداء کی روہیں جنت میں ہیں، اور انہیں اپنے رب کی طرف سے رزق دیا

جانے کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: سَأَلْنَا عَبْدَ اللَّهِ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ" قَالَ: أَمَّا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خَضِرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ..... الحديث (ص ۱۳۵

سطر ۱ تا ۲۰)

قولہ: أرواحهم فی جوف طیر خضر، الخ (ص ۱۳۵ سطر ۱۹)

شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسم میں رہتی ہیں، اور عرش کے نیچے جو قدیلیں لٹکی

ہوئی ہیں، وہاں جا کر وہ رہتے ہیں۔

مرنے کے بعد مؤمنین کی روہیں کہاں رہتی ہیں؟

یہاں یہ مسئلہ سمجھنا ضروری ہے کہ شہادت کے بعد یا طبعی موت کے بعد شہداء اور مؤمنین کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟ اس مسئلے میں قدیم و جدیداً اختلاف ہے، علامہ ابن القیمؒ نے ”کتاب الروح“ میں اس مسئلے پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے، اور اس بارے میں سترہ (۱۷) اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں سے چند اقوال یہ ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ بیان فرمایا ہے کہ شہید کی روح جنت میں رہتی ہے، اور باقی مؤمنین کی ارواح جنت کے قریب رہتی ہیں، جنت کی خوشبو اور ہوا ان کو لگتی رہتی ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمنین کی روہیں اپنی قبروں کے قریب رہتی ہیں۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ انہیں اختیار ہے کہ جہاں چاہیں رہیں۔<sup>(۱)</sup>

دوسری بات یہ سمجھئے کہ ”فی جوف طہر خضر“ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں شارحینؒ فرماتے ہیں کہ شہید کی روح تو حقیقت میں سبز رنگ کے پرندے کے جسم میں رہتی ہے، اور وہ پرندہ جنت میں جہاں چاہتا ہے، آتا اور جاتا ہے، اور اس کا مستقر عرش کے نیچے لگی ہوئی قدیل ہوتی ہے۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک روایت<sup>(۲)</sup> سے معلوم ہوتا ہے کہ عام مؤمنین کی روہیں بھی جنت میں سبز پرندے کے جسم میں رہتی ہیں، تو پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تعارض نہیں، شہداء کی ارواح بطور خاص اور عام مؤمنین کی ارواح بطور عام جنت میں رہتی ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح پرندوں میں، اور عام مؤمنین کی ارواح پرندوں کی طرح یا خود پرندے کی شکل میں جنت میں رہتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں جاتی ہیں، اور بعض مؤمنین کی ارواح بھی جنت میں جاتی ہیں، لیکن شہداء کی ارواح کی خاص شان ہوتی ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مکملہ ص ۳۴۳ ج ۳ ص ۳۱۴ تحت هذا الحديث۔

(۲) مواہد مائت کتاب الحقائق باب جامع الحقائق رقم الحديث ۵۰۳۔

(۳) مکملہ ص ۳۴۳ ج ۳ ص ۳۱۶۔

## باب فضل الجہاد والرباط

(جہاد اور سرحد اسلام کی حفاظت)

گوشہ نشینی افضل ہے یا جہاد؟

اس باب کی احادیث میں لوگوں سے الگ تھلک رہنے کی ترغیب ہے، یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ آیا عام مسلمانوں اور عام انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنا بہتر ہے، یا سب سے الگ تھلک ہو کر زندگی گزارنا بہتر ہے؟ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ سب سے الگ تھلک رہنا بہتر ہے، لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ مل جل کر رہنا افضل ہے، اور اس باب کی احادیث جن میں لوگوں سے الگ تھلک رہنے کا ذکر اور ترغیب ہے، ان کا تعلق فتوں کے زمانے سے ہے، لڑائی اور جنگوں کے زمانے سے ہے، یا ان لوگوں کے بارے میں جن کو مل جل کر رہنے میں دوسروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر نہ ہو سکے، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام، اکثر صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور سلف صالحینؒ ہمیشہ عام لوگوں میں مل جل کر رہتے آئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

اس الگ تھلک رہنے سے رہبانیت مراد نہیں ہے، کیونکہ رہبانیت میں حق النفس، حق الاہل اور حق العباد پامال کئے جاتے ہیں، جو کہ ناجائز ہے، اور یہاں ان حقوق کو پورا کرتے ہوئے الگ تھلک رہنا مراد ہے، جو فی نفسہ جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ (الِی قَوْلِهِ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ، رَجُلٌ مُمَسِّكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ، كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً، أَوْ فَرْعَةً طَارَ عَلَيْهِ، يَتَنَغَّى الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مِطَانَةً — الْحَدِيثُ (ص ۱۳۶ سطر ۸۷۶)

### تشریح

قوله : هَيْعَةً (ص ۱۳۶ سطر ۸)

الصوت عند حضور العدو، هَيْعَةً کا معنی ہے، وہ آواز جو دشمن کے سامنے آنے پر بلند

ہو<sup>(۳)</sup>، اس کو فَرْعَةً بھی کہتے ہیں۔

(۱) شرح طبرانی ج ۲ ص ۱۳۶۔

(۲) بحکمہ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۸

(۳) شرح ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۲۔

باب بیان الرجلین یقتل أحدهما الآخر یدخلان الجنة  
 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ  
 الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
 يَضْحَكُ اللَّهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ  
 \_\_\_\_\_ الحديث (ص ۱۳۷ سطر ۲۰۱)

### تشریح

قوله: أبي الزناد (ص ۱۳۷ سطر ۱)

ابو الزناد سے مراد عبداللہ بن ذکوان القرشی ہیں، یہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں،  
 اور "اعرج" سے مراد عبدالرحمن بن هرمز ہیں، یہ بھی تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: يضحك الله الى رجلين الخ (ص ۱۳۷ سطر ۱)

اللہ تعالیٰ کا ہنسنا مشابہات میں سے ہے، اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس کے  
 بارے میں سکوت کیا جائے اور اس کی حقیقی مراد کیا ہے اس کی تحقیق نہ کی جائے، بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ اللہ  
 تعالیٰ کی اس سے جو مراد ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی کوئی مناسب تعبیر بیان  
 کر دی جائے، اس کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ اسکی ایک مناسب تعبیر یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے  
 راضی ہوتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

باب من قتل كافرا ثم سدد

(جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور صحیح راہ پر رہا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا. (ص ۱۳۷ سطر ۶۰۵)

### تشریح

کافر اور اس کے قاتل کو جہنم میں جمع کرنے کے تین مطلب

قوله: لا يجمع كافر وقاتله في النار أبدا. (ص ۱۳۷ سطر ۶)

(۱) مکشہ فتح المعجم ج ۳ ص ۳۹۸ وفتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳، کتاب الجہاد باب الکفر یقتل المسلم۔۔ الخ

(۲) شرح البیہقی ج ۲ ص ۱۳۷۔

اللہ تعالیٰ کافر اور اس کے قاتل کو جہنم میں جمع نہیں فرمائیں گے، اس کے تین مطلب ہیں:  
ایک مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے کافر کو قتل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مسلمان کے تمام  
صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف فرمادیں گے، اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو جہنم میں داخل نہیں فرمائیں  
گے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اور اس سے توبہ بھی نہیں  
کی، تو اللہ تعالیٰ اس کو مقام اعراف میں رکھیں گے، اور وہ وہاں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر حشت میں  
جائے گا، اس کے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں کافر کے ساتھ جمع نہیں فرمائیں گے۔  
تیسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان اور کافر دونوں کو دوزخ میں ڈالیں گے، لیکن دونوں کی  
جہنم الگ الگ ہوگی، کیونکہ کافر کے لئے تعذیب مقصود ہے اور مومن کے لئے تہذیب مقصود ہے، اور یہ  
دونوں الگ الگ ہیں لہذا دونوں کی جہنم بھی الگ الگ ہے، اس طرح دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا لازم نہیں  
آتا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَوْنٍ الْهَلَالِيُّ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجْتَمِعَانِ فِي النَّارِ اجْتِمَاعًا يَضُرُّ  
أَحَدَهُمَا الْآخَرَ، قِيلَ: مَنْ هُمَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مُؤْمِنٌ قَتَلَ كَافِرًا، ثُمَّ  
سَدَّدَ. (ص ۱۳۷ سطر ۶ تا ۸)

## تشریح

قوله: مؤمن قتل کافر، ثم سدّد (ص ۱۳۷ سطر ۸)

### ایک اشکال اور جواب

”سدّد“ کا مطلب ہے، جو دین پر قائم رہا، اور گناہوں سے بچتا رہا، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ  
اگر وہ دین پر قائم رہے اور گناہوں سے بچتا رہے، تو پھر بھی تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا، چاہے کافر کو قتل  
کرے یا نہ کرے، اور یہ قاعدہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب:

اس حدیث میں ”سدّد“ سے مراد ایمان پر قائم و دائم رہنا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ضائع  
کرنے سے بچنا مراد ہے لہذا اگر ایسا شخص بعض حقوق العباد کی کوتاہی کی وجہ سے جہنم میں کچھ عرصے کے

لئے جائے تو جاسکتا ہے۔ کوئی اشکال کی بات نہیں۔<sup>(۱)</sup>

باب فضل إعانة الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ، وخلافته  
فی أہله بخیر

(مجاہد کو سواری دیکر تعارف کرنے اور اس کے گھر والوں کی دیکھ بھال کرنے کی  
فضیلت)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ:  
جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي أَبْدَعُ بِي فَأَحْمِلْنِي،  
فَقَالَ: مَا عِنْدِي، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا أَذْلُهُ عَلَى مَنْ يَحْمِلُهُ،  
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ  
فَاعِلِهِ (ص ۱۳۷ سطر ۱۰ تا ۱۲)

### تشریح

قولہ: انی ابدع ہی فاحملنی الخ (ص ۱۳۷ سطر ۱۱)  
میری سواری ہلاک ہوگئی،<sup>(۲)</sup> مجھے سوار کر دیجئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ فَتًى مِنْ  
أَسْلَمَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُرِيدُ الْغَزَا وَلَيْسَ مَعِيَ مَا أَتَجَهَّزُ، قَالَ: أَنْتَ  
فَلَانًا، فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ تَجَهَّزَ، فَمَرَضَ، فَأَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَرِّئُكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ: أُعْطِنِي الَّذِي تَجَهَّزْتَ بِهِ (ص ۱۳۷  
سطر ۱۴ تا ۱۶)

### تشریح

قولہ: یا فلانہ۔ (ص ۱۳۷ سطر ۱۶)

”فلانہ“ سے مراد بیوی یا باندی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الزَّهْرَانِيُّ، (الی قولہ) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ:

(۱) مکملہ فتح المسند ج ۳ ص ۴۲۴۔

(۲) صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۸۹ تحت هذا الحديث



قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا، فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ، فَقَدْ غَزَا. (ص ۱۳۷ سطر ۱۹، ۲۰)

### تشریح

قوله : من جهز غازیاء، (ص ۱۳۷ سطر ۲۰)

اس میں ثواب کے اعتبار سے فرق ہوگا<sup>(۱)</sup>، جس نے براہ راست جہاد میں حصہ لیا، اس کا ثواب الگ ہوگا، جس نے کسی مجاہد کو تیاری کروا کر بھیجا، اس کا ثواب پہلے سے کمتر ہوگا، اور جس نے مجاہد کے گھروالوں کی خبر گیری کی، اس کا ثواب اس سے بھی کمتر ہوگا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قوله) عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، مَوْلَى الْمَهْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى بَنِي لُحْيَانَ: لِيُخْرِجَ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ رَجُلًا، ثُمَّ قَالَ لِلْقَاعِدِ: أَيُّكُمْ خَلَفَ الْخَارِجَ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ بِخَيْرٍ، كَانَ لَهُ مِثْلُ نِصْفِ أَجْرِ الْخَارِجِ. (ص ۱۳۸ سطر ۳ تا ۶)

### تشریح

قوله : مولى المهری، (ص ۱۳۸ سطر ۳)

ان سے مراد حضرت سالم بن عبداللہ ہیں، یہ تابعی ہیں<sup>(۲)</sup>، اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ جو براہ راست جہاد میں شریک ہوگا، اس کو پورا ثواب ملے گا اور جو کسی مجاہد کی تیاری کروا کر بھیجے گا، یا کسی مجاہد کے گھروالوں کی خبر گیری کرے گا تو اس کو نصف ثواب ہوگا۔

باب حرمة نساء المجاہدین، وإثم من خانهم فیہن  
(مجاہدین کی خواتین کا احترام اور خیانت کرنے کا گناہ)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلِفُ رَجُلًا مِنْ

(۱) شرح ص ۲۰ ج ۲ ص ۲۸۸۔

(۲) تہذیب کبار ص ۱۰ ج ۱ ص ۱۵۳، رقم الترجمة ۲۱۵۰۔

الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ فَيَخُونُهُ فِيهِمْ، إِلَّا وَقَفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ، فَمَا ظَنُّكُمْ؟ (ص ۱۳۸ سطر ۶ تا ۸)

### تشریح

قولہ: حرمة نساء المجاہدین الخ (ص ۱۳۸ سطر ۷)

مجاہدین کی عورتوں کا احترام جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر ایسا ہے جیسا ان کی اپنی ماؤں کا احترام ہے، جیسے اپنی ماؤں کی طرف بُری نظر سے دیکھنا ناجائز ہے، اسی طرح مجاہدین کی بیویوں کی طرف بُری نظر سے دیکھنا بھی ناجائز ہے، دوسرے یہ کہ آدمی جس طرح اپنی ماں کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے، ان کا ادب و احترام کرتا ہے، ایسے ہی مجاہدین کی عورتوں کا ادب و احترام کرے، اور ساتھ ساتھ ان کی ضروریات کا انتظام بھی کرے۔<sup>(۱)</sup>

### باب ثبوت الجنة للشہید

(شہید کے لئے جنت ہے)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَمْرٍو، سَمِعَ جَابِرًا، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ: أَيُّنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ قُتِلْتُ؟ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ، فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. (ص ۱۳۸ سطر ۱۵، ۱۶)

### تشریح

قولہ: قال رجل: أين أنا يا رسول الله إن قتلت؟ (ص ۱۳۸ سطر ۱۶)

رجل سے مراد عمرو بن ثابت الأشعثی ہیں،<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنُ أَبِي النَّضْرِ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُسَيْسَةَ عَيْنًا. \_ الْحَدِيثُ (ص ۱۳۸ سطر ۲۱)

### تشریح

قولہ: بُسَيْسَةَ (ص ۱۳۸ سطر ۲۱)

(۱) شرح السنوئی ج ۲ ص ۱۳۸۔

(۲) شرح السنوئی ج ۲ ص ۱۳۸۔

ان کا نام بسبس بن عمرو تھا،<sup>(۱)</sup> ”عینا“ جاسوس کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ نَاسٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: أَنْ ابْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا يُعَلِّمُونَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ سَبْعِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، يُقَالُ لَهُمْ: الْقُرَاءُ، فِيهِمْ خَالِي حَرَامٌ، يَقْرَأُ وَنَ الْقُرْآنَ، وَيَتَذَارِسُونَ بِاللَّيْلِ يَتَعَلَّمُونَ، وَكَانُوا بِالنَّهَارِ يَجِئُونَ بِالْمَاءِ فَيَضَعُونَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَيَحْتَطِبُونَ فَيَبِيعُونَهُ، وَيَشْتَرُونَ بِهِ الطَّعَامَ لِأَهْلِ الصُّفَّةِ وَلِلْفُقَرَاءِ، فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَعَرَضُوا لَهُمْ، فَقَتَلُوهُمْ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوا الْمَكَانَ، فَقَالُوا: اللَّهُمَّ، بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ، وَرَضِيتَ عَنَّا، قَالَ: وَآتَى رَجُلٌ حَرَامًا، خَالَ أَنَسٍ مِنْ خَلْفِهِ، فَطَعَنَهُ بِرُمَحٍ حَتَّى انْفَذَهُ، فَقَالَ حَرَامٌ: فُزْتُ وَرَبُّ الْكُعْبَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: إِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوا، وَإِنَّهُمْ قَالُوا: اللَّهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ، وَرَضِيتَ عَنَّا (۱۳۹ تا ۱۴۰)

## تشریح

### شہداءِ بر معونہ کا واقعہ

قولہ: جاء ناس الى النبي ﷺ الخ (ص ۱۳۹ سطر ۱۰)

اس حدیث میں شہداءِ بر معونہ کا ذکر ہے، ان کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوہریرہ عامر بن مالک جو ایک کافر تھا، مدینہ منورہ میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس پر اسلام کو پیش کیا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، جس کو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن ساتھ ہی اس نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے چند ساتھیوں کو ہمارے قبیلے کی طرف بھیج دیں، تاکہ وہ ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں، ہو سکتا ہے، ان کی تعلیم کے نتیجے میں ہماری قوم کے لوگ مسلمان ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد کی طرف سے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں اپنے ساتھیوں کو ان کی طرف بھیجوں تو وہ انہیں قتل کر دیں گے، اس نے کہا کہ میں ان

کے ساتھ جا رہا ہوں، میں ان کو اپنی پناہ میں رکھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اصحاب صفہ میں سے ستر قراء کا انتخاب فرمایا، یہ سب انصاری صحابہ تھے، جن کو ”قراء“ کہا جاتا تھا، ان میں حضرت انسؓ کے خالو ”حرام“ بھی تھے، یہ حضرات قرآن کی تلاوت کرتے، اور راتوں کو علم دین سیکھنے سکھانے میں مشغول رہتے، اور دن کے وقت مساجد میں پانی لا کر رکھتے، اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچتے، اور ان پیسوں سے اصحاب صفہ اور دیگر قراء کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتے تھے

ان حضرات کو آپ ﷺ نے اپنا خط لکھ کر روانہ فرمایا، جب یہ حضرات بزم معونہ پہنچے، جو بنو عامر اور بنو سلیم کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، وہاں پہنچ کر حضرت انسؓ کے خالو حرام بن ملحان بنو عامر کے رئیس کے پاس پہنچے، اس بد بخت نے خط لیتے ہی حرام بن ملحانؓ کو قتل کر دیا، اس کے بعد اس نے اپنی مدد کے لئے بنو عامر، بنو سلیم، ذکوان اور دیگر قبائل کو بلایا، بنو عامر نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، جبکہ بنو سلیم اور دیگر قبائل اس کی مدد کو آ پہنچے، اور ان سب نے حملہ کر کے ان ستر قراء کو شہید کر دیا، ان حضراتؓ نے اس وقت یہ دعا کی ”اللہم، بلغ عنا نبینا انا قد لقیناک فرضینا عنک، ورضیت عنا“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ تک اس دعا کو پہنچا دیا، پھر حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو اس حادثے کی اطلاع دی۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الِی قَوْلِهِ) قَالَ أَنَسٌ: عَمِيَ الَّذِي سُمِّيَتْ بِهِ لَمْ يَشْهَدْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْرًا، قَالَ: فَشَقُّ عَلَيْهِ، (الِی قَوْلِهِ) قَالَ: فَشْهَدَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ، قَالَ: فَاسْتَقْبَلَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، فَقَالَ لَهُ أَنَسٌ: يَا أَبَا عَمْرٍو، أَيْنَ؟ فَقَالَ: وَاهَا لِرِيحِ الْجَنَّةِ أَجْدُهُ دُونَ أَحَدٍ، قَالَ: فَقَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ۔ الْحَدِيثُ (ص ۱۳۹ سطر ۱۴ تا ۱۷)

قوله: عمی الذی سمیت بہ۔ (ص ۱۳۹ سطر )

میرے وہ چچا جو میرے ہم نام تھے، حضرت انسؓ کے چچا کا نام انس بن نفیرؓ تھا۔ (۱)

قوله: لریح الجنة أجده دون أحد، (ص ۱۳۹ سطر ۱۷)

یا تو حقیقت میں انہیں جنت کی خوشبو آ رہی تھی، یا یہ کہ انہوں نے جنت کا تھوڑا سا اور انہیں جنت

## باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار

(جس نے ریا و سمعہ کے لئے لڑائی کی وہ مستحق جہنم ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ لَهُ نَاتِلُ أَهْلِ الشَّامِ أَيُّهَا الشَّيْخُ، حَدَّثَنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتَشْهَدَ، فَأَتَى بِهِ فَعَرَفَهُ نِعْمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتَشْهَدْتُ، (الی قولہ) وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ، وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأَتَى بِهِ (الی قولہ) وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ، فَأَتَى بِهِ (۱۳۰ سطر ۶ تا ۱۱)

## تشریح

## شہید، عالم وقاری اور نخی دوزخ میں

اس باب میں تین لوگوں کا حال بیان ہوا ہے، ایک شہید، دوسرا عالم وقاری اور تیسرا نخی، انہوں نے اللہ کی رضا کے لئے خدمت نہ کی، جس کی وجہ سے ان کی محنت رائیگاں گئی اور یہ دوزخ میں ڈالے گئے، اس لئے ہمیں بھی اپنی نیت ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

## باب بیان قدر ثواب من غزا فغنم، ومن لم يغنم

(جس نے جہاد کیا تو مال غنیمت ملنے نہ ملنے کے بقدر ثواب)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ، تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ، إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَى أَجُورِهِمْ، وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ، أَوْ سَرِيَّةٍ،

(۱) علامہ قرطبی نے المعجم میں اور علامہ سیوطی نے الدبیاح میں فرمایا: طاہرۃ الحمل علی انہ وجودہ حقیقۃ کما جاء فی الحدیث لآخر باب ریح

جہہ بوجد علی مسیرہ خمس مائۃ عام، ویحمل ان یکون قالہ علی معنی التمثیل ای ان الفصل دیوں احد موجد ماحول جہہ و لار ت

یحہ و معہہ۔ (المعجم ج ۱۲ ص ۴۸ و الدبیاح ج ۴ ص ۴۹۶ تحت هذا الحدیث)

تُخَفِّقُ وَتُصَابُ، إِلَّا تَمَّ أَجُورُهُمْ (ص ۱۴۰ سطر ۱۵ تا ۱۷)

## تشریح

### مجاہد کو تین نعمتیں ملنا

اللہ تعالیٰ مجاہد کو تین نعمتیں عطا فرماتے ہیں، جہاد کے دوران جان کی سلامتی اور مالی غنیمت کا حصول، یہ دونوں نعمتیں دنیوی ہیں، اور تیسری نعمت جنت ہے جو اخروی نعمت ہے، اب اگر کوئی اللہ کے راستے میں شریک ہوا، اور جان بھی سلامت واپس آگئی اور مالی غنیمت بھی پایا تو دو نعمتیں اس کو پیشگی مل گئیں، جبکہ ایک نعمت آخرت کی باقی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان گئی اور مالی غنیمت بھی نہ ملا تو اس کا پورا اجر آخرت میں ہے، دنیا کا دو تہائی اور آخرت کا ایک حصہ، سب کا سب آخرت میں ملے گا۔

اور اگر کوئی جان کی سلامتی کے ساتھ جہاد سے لوٹا اور مالی غنیمت حاصل نہیں ہوا، تو اس کے دو عوض آخرت میں ملیں گے، ایک مالی غنیمت کا عوض اور ایک جنت کا عوض۔

قوله: تُخَفِّقُ وَتُصَابُ الْخ (ص ۱۴۰ سطر ۱۷)

”إخفاق“ کے معنی ہیں: بغیر مالی غنیمت کے واپس آنا، اور ”تصاب“ کے معنی ہیں: شہید ہونا۔<sup>(۱)</sup>

باب قوله ﷺ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَأَنَّهُ يَدْخُلُ فِيهِ الْغَزْوُ وَغَيْرُهُ  
مِنَ الْأَعْمَالِ

(حضور ﷺ کا ارشاد انما الاعمال بالنية کا مطلب اور اس میں

جہاد اور دیگر تمام اعمال داخل ہیں)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، (الی قولہ) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِأَمْرٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِلدُّنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةً يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى



مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ \_\_\_\_\_ الْحَدِيثُ (ص ۱۳۰ سطر ۱ تا ص ۱۴۱ سطر ۱)

### تشریح

”إنما الأعمال بالنية“ یہ حدیث اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اور علماء کرام نے اس کو ثلث اسلام فرمایا ہے، یعنی اسلام کے احکام کا ایک تہائی حصہ اس حدیث سے وابستہ ہے، جس کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ اسلام تین چیزوں کا نام ہے:

(۱) ... قول (۲) ... فعل

(۳) ... نیت۔

چنانچہ ”إنما الأعمال بالنية“ یعنی نیت اسلام کا تیسرا حصہ ہے<sup>(۱)</sup>، اور حضرت امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث جمع کر کے ان میں سے چار ہزار آٹھ سو (۲۸۰۰) احادیث سے ”ابوداؤد شریف“ مرتب کی ہے، اور ان کا خلاصہ چار حدیثیں ہیں، اس میں سے ایک حدیث ”إنما الأعمال بالنية“ ہے۔<sup>(۲)</sup> اس طرح نیت چوتھائی حصہ ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ جو بھی عمل کرے، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرے، کیونکہ اس حدیث کا مطلب ہے ”إنما الأعمال بتداب بالنية“ اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے۔

آگے ”مہاجرام قیس“ کا مشہور واقعہ ہے، جس نے اہم قیس کے لئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔<sup>(۳)</sup>

### باب فضل الغزو فی البحر

(سمندری جہاد کی فضیلت)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الِی قَوْلِهِ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ، وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

(۱) شرح السنووی ج ۲ ص ۱۳۰۔

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۳ ص ۴۴۶۔

(۳) شرح السنووی ج ۲ ص ۱۴۱۔

اللہ علیہ وسلم یومًا، فَأَطَعَمْتُهُ، ثُمَّ جَلَسْتُ تَقْلِبِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يَضْحَكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي غَرَضُوا عَلَيَّ، غُرَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسْرِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسْرِ - يَشْكُ أَيهُمَا قَالَ \_\_\_\_ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ، فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، (الی قولہ) قَالَ: أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ، فَرَكِبْتُ أُمَّ حَرَامَ بِنْتُ مِلْحَانَ الْبَحْرِ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ، فَصُرِعْتُ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجْتُ مِنَ الْبَحْرِ، فَهَلَكْتُ. (ص ۱۴۱ سطر ۱۳ تا ۱۴۲ سطر ۳)

### تشریح

قولہ: ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ. (ص ۱۴۱ سطر ۱۶)

”ثَبَج“ کے معنی ہیں: وسط، درمیان۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: مُلُوكًا عَلَى الْأَسْرِ (ص ۱۴۲ سطر ۱)

یعنی وہ ایسے ہوں گے جیسے تخت پر بادشاہ ہوتے ہیں، اس کے شارحین نے تین مطلب بیان کئے ہیں:

(۱) ... ایک مطلب یہ ہے کہ یہ جنت میں بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھیں گے۔

(۲) ... دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اس سمندری جہاد میں بہت سامانِ غنیمت حاصل کریں گے، جس کی وجہ سے یہ اپنے تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھیں گے۔

(۳) ... تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی کشتی میں اس طرح آرام سے بیٹھے ہوں گے جس طرح بادشاہ تخت پر آرام و سکون سے بیٹھتا ہے، یعنی ان کو کوئی ظاہری پریشانی اور گھبراہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔<sup>(۲)</sup>

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ام حرام بنت ملحان نے ان میں شامل ہونے کی

(۱) ترمذی ح علی صحیح مسلم ج ۳ ص ۵۰۵

(۲) مکملۃ فتح المسلمین ج ۳ ص ۳۵۴

آنحضرت ﷺ سے دعا کروائی، آپ ﷺ نے دعا فرمادی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں حضرت ام حرام بنت ملحانؓ نے جہاد کے لئے سمندری سفر کیا واپسی میں سمندر سے نکل کر سواری پر سوار ہوئیں تو گر گئیں اور وہیں پر انتقال کر گئیں۔ جس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے:-

حضرت معاویہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں شام کے امیر تھے، اس زمانے میں حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے دریائی سفر کی اجازت مانگی کہ مجھے اجازت دیں، تاکہ ہم سمندر میں اتر کر جہاد کریں، حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی، ان کے بعد حضرت عثمان بن عفانؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں شروع میں اس کی اجازت نہ دی، لیکن بار بار اصرار کرنے پر اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ آپ کسی کو اصرار کر کے ساتھ لیکر نہیں جائیں گے، کسی کو قرعہ اندازی کر کے لیکر نہیں جائیں گے، کسی کو معین کر کے لیکر نہیں جائیں گے، بلکہ آپ کھلے عام اعلان کر دیں، تاکہ جس کا دل چاہے اس سفر میں آپ کے ساتھ جائے اور جس کا دل نہ چاہے، وہ نہ جائے، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے حسب حدیث اعلان فرمایا اور جمع ہونے والے ساتھیوں کو لیکر قبرص کی طرف سفر کیا<sup>(۱)</sup>، جو ایک جزیرہ ہے، اس وقت وہاں کافروں کی حکومت تھی، جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اہل قبرص پر مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر رعب طاری ہو گیا، اور وہ اپنا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، وہاں سمندر سے نکل کر ام حرام بنت ملحان سواری سے نیچے گر گئیں، اور وہیں انتقال کر گئیں۔<sup>(۲)</sup>

اسی طرح ایک روایت میں قسطنطنیہ کا ذکر آتا ہے، قسطنطنیہ جس کو آج کل استنبول کہتے ہیں جو ترکی کا دار الخلافہ ہے یہ ایسا شہر ہے جس کے تین اطراف میں پانی ہے اور ایک طرف خشکی ہے، اس کی طرف بھی مسلمانوں نے کئی سفر کئے، جس میں سے ایک سفیر یزید بن معاویہؓ کا بھی ہے، دریائی سفر کے بارے میں حضور ﷺ کی ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے کہ جو لوگ یہ دریائی سفر کریں گے ”مغفور لہم“ ان کی مغفرت ہوگی<sup>(۳)</sup>، اس سفر میں بہت سے صحابہ کرام شریک ہوئے، جس میں حضرت ابوالیوب انصاریؓ بھی ہیں، جن کا مزار آج بھی استنبول میں موجود ہے۔

(۱) حضرت معاویہؓ یہ بھی اللہ عز و جل کے ساتھ سفر کرنے والوں میں حضرت ابو ذر، حضرت ابو ذر واد اور حضرت عبادہ بن الصامت اور ان کی اہلیہ مزار امت مسلمہ میں  
رہی اللہ تعالیٰ منعم بھی تھیں۔ (عمدہ القاری کتاب الجہاد باب نداء بالجهاد الخ ج ۱ ص ۲۷۵)۔

(۲) کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵۵۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الجہاد باب ما قبل فی قتال نمرہ مرقع الحديث ۲۷۰۷۔

”مغفور لہم“ کا مطلب یہ نہیں کہ کامل مغفرت ہو جائے گی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جہاد سے پہلے پہلے جو گناہ ہوئے تھے، وہ معاف ہو جائیں گے، اور اس جہاد کے بعد جو گناہ ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

## باب فضل الرباط فی سبیل اللہ عز وجل (سرحد کی حفاظت کی فضیلت)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ بَهْرَامٍ الدَّارِمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجِرَى عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَانِ. (ص ۱۴۲ سطر ۱۱ تا ۱۳)

### تشریح

قولہ: ”رباط“ (ص ۱۴۲ سطر ۱۳)

کے معنی ہیں: اپنے آپ کو روک کر رکھنا، مراد اس سے سرحد کی حفاظت کرنا ہے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ: وَأَمِنَ الْفَتَانِ الخ (ص ۱۴۲ سطر ۱۳)

اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو قبر میں میت سے سوال و جواب کرتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

## باب بیان الشهداء

(محمداء کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، قَالَ: إِنْ شُهِدَ أُمَّتِي إِذَا لَقِيلَ، قَالُوا: فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونَ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ، قَالَ ابْنُ مِقْسَمٍ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِيكَ فِي هَذَا

(۲) مکملہ فتح المسلم ج ۳ ص ۳۵۷ و ۳۵۸۔

(۳) مسان معرب حرف الباء مادة ”قتن“ ۳۱۷/۱۳۔

(۴) معجم مصطلحات الحديث ج ۱ ص ۵۸۔

الحدیث (ص ۱۴۲ سطر ۱ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

### تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... الشہید فی الدنیا والآخرۃ

(۲) ... الشہید فی الآخرۃ

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور اخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: بیس (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

### شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو ”شہید“ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر اس کو حشف اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مأمون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب فضل الرمی والحث علیہ، وذم من علمہ ثم نسیہ

(تیر اندازی کی ترغیب و فضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی

نذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شَفِيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمَنْبَرِ، يَقُولُ: ”وَأَعِذُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (ص ۱۴۳ سطر ۷، ۸)

### تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اور ان کی تیاری رکھنی چاہئے۔

باب قوله ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا

يُضِرُّهُمْ مِنْ خَالِفِهِمْ

(حضور ﷺ کا ارشاد لا تزال الخ کا مطلب)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الِی قولہ) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يُضِرُّهُمْ مَنْ خَدَّلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ: وَهُمْ كَذَلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

### تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضراتِ محدثین ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضراتِ فقہاءِ کرام ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نووی نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرین، محدثین، فقہاء، مجاہدین، مبلغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الِی قولہ) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۴ سطر ۷، ۸)



## تشریح

قوله : أَهْلُ الْغَرْبِ الْخ (ص ۱۴۴ سطر ۷)

اہلِ غَرْب سے مراد اہلِ عرب ہیں، اور ان کو اہلِ غرب دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ”غَرْب“ بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہلِ عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہلِ غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ غرب سے مراد اہلِ شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ غرب کہا گیا۔<sup>(۱)</sup>

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في

## الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْبَهِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهُوَامِ بِاللَّيْلِ. (ص ۱۴۴ سطر ۷ تا ۹)

## تشریح

قوله : الْخِصْبِ (ص ۱۴۴ سطر ۱۰)

”خصب“ کے معنی ہیں سرسبزى و شادابی، اور ”السنة“ کے معنی ہیں قحط،<sup>(۲)</sup>

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلاً...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا. (ص ۱۴۴ سطر ۱۹، ۲۰)

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۴۴۔

(۲) سر - النووي ج ۲ ص ۱۴۴۔

## تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے یا شک و شبہ پیدا ہو جائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الصيد والذبائح وما يؤکل من الحيوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

## چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: آیت ۲۹) لہذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث و مضر صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) ارشاد ہائی ہے "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْعَاصِينَ" سورة العنکبوت آیت نمبر ۲۵۔

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبح اختیاری (۲) ... ذبح اضطراری۔  
جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔  
جنگلی جانوروں کے لئے ذبح اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصيد میں ”صيد“ سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی، ذبیحہ سے پالتو جانور مراد ہیں۔

### ”صيد“ کے معنی

کتاب الصيد میں ”صيد“ مصدر ہے صاد بصید کا، اس کے لفظی معنی شکار اور شکار کرنا دونوں آتے ہیں، کیونکہ ”صيد“ بمعنی ”مصيد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار، اور ”صيد“ بمعنی ”اصطیاد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں ”صيد“ اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور ”ذبائح“ جمع ہے ”ذبیحہ“ کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے جو ذبح اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھار دار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے۔ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمہ من الحيوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ۔ اور پرندوں میں ذی قلب نہ ہوں جیسے کبوتر، فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

### شکار کا حکم

بوقت ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

## تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے یا شک و شبہ پیدا ہو جائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الصيد والذبائح وما يؤکل من الحيوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

## چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: آیت ۲۹) لہذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث و مضر صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح سوویتی ج ۲ ص ۱۴۵۔

(۲) رشود ہائی ہے "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُسَافِدَ" سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۰۵۔

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبح اختیاری (۲) ... ذبح اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبح اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبح اختیاری

ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصيد میں ”صيد“ سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة

کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

### ”صيد“ کے معنی

کتاب الصيد میں ”صيد“ مصدر ہے صاد بصید کا، اس کے لفظی معنی شکار اور شکار کرنا

دونوں آتے ہیں، کیونکہ ”صيد“ بمعنی ”مصيد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار، اور ”صيد“ بمعنی

”اصطياد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں ”صيد“ اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں

جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور ”ذبائح“ جمع ہے ”ذبیحة“ کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح

کرنا مراد ہے جو ذبح اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھار دار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام

لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ

جائیں اور خون بہہ جائے۔ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف

پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمہ من الحيوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے

اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ۔ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر،

فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

### شکار کا حکم

بوقت ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل

خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق

حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہو اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔ (۱)

### ذبح اختیاری کی چار شرائط

ذبح اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔ (۲)

(۲) ... بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا، یہ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصد اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ (۳)

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔ (۴)

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔ (۵)

جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبح اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ”مایو کل لحمہ“ میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ”مالایو کل لحمہ“ میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔ (۶)

### ذبح اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

(۱) شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) الہدیۃ کتاب المصنوع ج ۲ ص ۶۴۔

(۳) الہدیۃ کتاب المصنوع ج ۲ ص ۶۴ و تکمیل فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۴ و ۴۸۳۔

(۴) الہدیۃ ج ۲ ص ۶۵ و تکمیل فتح الملہم ج ۳ ص ۴۸۴۔

(۵) بدائع مصانع کتاب المصنوع والمصنوع فصل وأما بیاد شرط حل الاکل فی الحیوان المأکول ج ۵ ص ۴۱۔

(۶) الہدیۃ کتاب المصنوع فصل فیما یحل اکلہ وما لا یحل، ج ۲ ص ۶۹۔



- (۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ دھاردار آلے کو شکار کے مارتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر مارنا۔  
 (۲) ... دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دھاردار آلہ دھار کی طرف سے جانور کو لگے اور اس کو زخمی کر کے اس کو مار دے، یہ اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔<sup>(۱)</sup>

ان دو شرطوں کے پائے جانے سے شکار حلال ہوگا، اگر دھار والی چیز جیسے چاقو وغیرہ دھار کی طرف سے نہ لگے، یا لگے تو دھار والی طرف سے، لیکن اس سے جانور زخمی ہو جائے، مرے نہیں، تو پھر جانور حلال نہ ہوگا اور اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اضطراری کافی نہیں، بلکہ ذبح اختیاری لازم ہے۔

- اور اگر کسی شکاری جانور یا پرندے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو اس میں بھی دو شرطیں ہیں:  
 (۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور یا پرندے کو شکار کی جانب روانہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا۔

- (۲) ... شکاری جانور یا پرندہ جانور کو شکار کرنے کے بعد مالک کے پاس لیکر آنا، خود اس میں سے نہ کھانا، یہ اس کے لئے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: ما یوکل من الحيوان

حیوان کے لفظ میں حلال جانور اور پرندے دونوں آگئے، لہذا جانوروں میں سے ”سباع بہائم“ یا ”ذی ناب“ نہ ہوں، اور پرندوں میں سے ”ذی مخلب“ نہ ہوں۔ ایسے تمام جانور اور پرندے حلال ہیں جنکی مثالیں اوپر گزریں۔

### باب الصيد بالکلاب المعلمة

(سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعْلَمَةَ، فَيُمْسِكُنَ عَلَيَّ، وَأَذْكُرُ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِذَا أُرْسَلَتْ كَلْبُكَ الْمُعْلَمَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ

(۱) کما جہ فی حدیث الباب۔

(۲) بسم اللہ اور نام من حدیث الباب ہی ”اذا ارسلت کلبک المعلم و ذکرک اسم اللہ علیہ فکل“۔ والشرط الثانی ثابت من حدیث باب

”اذا ارسلت کلبک المعلم و ذکرک اسم اللہ علیہ فکل“۔

فَكُلْ ، قُلْتُ : وَإِنْ قَتَلَنَ؟ قَالَ : وَإِنْ قَتَلَنَ ، مَا لَمْ يَشْرِكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا  
قُلْتُ لَهُ : فَإِنِّي أُرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ ، فَأُصِيبُ ، فَقَالَ : إِذَا رَمَيْتَ  
بِالْمِعْرَاضِ فَخَرِّقْ فَكُلَّهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بَعْرُضِهِ ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص ۱۳۵ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم، (ص ۱۳۵ سطر ۱)

عدی بن حاتمؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دوران گفتگو سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص ۱۳۵ سطر ۱)

”کلاب“ جمع ہے ”کلب“ کی، ”کلب“ عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضرات فقہاء کرام

کے نزدیک ”کلب“ سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہو سکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو دیسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔<sup>(۲)</sup>

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ وہ معلوم

(۱) لاصحہ فی معرفة الصحابة (رَضِیَ اللہ عنہم) ج ۲ ص ۲۴۲ (ترجمہ عدی بن حاتم رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) شرح برواتی ج ۲ ص ۲۵۵ و تکملة فتح المتهم ج ۳ ص ۲۸۱، ۲۸۲

ہوں، (۱) یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

### معلم اور غیر معلم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لا کر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول رائج ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظن غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلم سمجھا جائے گا۔ یہ حضرات شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آجائے۔ (۲)

### بوقت ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبح اختیاری میں ان کا بھی وہی موقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبح اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: "وَمَا عَلَّمْنَاهُ مِنَ الْحَوَارِجِ مَكْنِيًّا عَلَّمُوهُنَّ مَا عَلَّمْنَاهُ" سورہ المائدہ آیت نمبر ۴

(۲) مکمل فتح معجم ج ۳ ص ۲۸۲، ۲۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبح اختیاری ہو، یا ذبح اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے، فرض و واجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں ”وَذَكَرْتُ اسْمَ اللَّهِ“ کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ... إِلَّا مَا ذُكِّتُمْ ہے، (مائدہ: آیت ۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقت ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ”إعلاء السنن“ میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنی ہیں الشق والقطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنی ہیں، جو ”الذبح“ ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنی مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلب جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چا تو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”إِلَّا مَا ذُكِّتُمْ“ یہاں صادق آرہا ہے، اسی طرح ”الْمُنْخَبِطَةُ وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُعَرَّيَةُ وَالنَّطِيطَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ“ میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلت کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنی مراد نہیں ہو سکتے، لہذا اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمیۃ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ لہذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل دائر قطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے، <sup>(۱)</sup> اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔ <sup>(۲)</sup>

قوله: ما لم يشرکھا کلب لیس معها (ص ۱۲۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلیف اور حرمت دونوں جمع ہو گئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔

فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلیف و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

**قوله : بالمعراض (ص ١٢٥ سطر ٣)**

”معراض“ اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پرنہ ہوں، یعنی معراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے،<sup>(۳)</sup> جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جا کر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

## غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے دزن کے دباؤ سے

( ر ) سنن مدار قصی کتاب الاشربة : غیرها باب الصيد والذبائح الخ رقم الحديث ۴۸۶۵

(\*) كونه فتح المذهب ج ٢ ص ٨٣ ط ٨٦

۳۔ سورہ نعرہ حرف العباد مائدہ "عرصہ" ج ۷ ص ۱۲۵

مرتاہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار ”موقوذة“ کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی ”لَا تَأْكُلُ مِنَ الْبُنْدُقَةِ إِلَّا مَا ذَكَّيْتَ“ کے الفاظ آئے ہیں <sup>(۱)</sup>، لہذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کر لیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرضکہ وہ ”موقوذة“ کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جا رہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماء متاخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماء عرب اور علماء غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمد للہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین و فقہاء کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھار دار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہو گئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہذا دھار دار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔ <sup>(۲)</sup> یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اگر اگر دھار دار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مر گیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: (الی قولہ) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ: إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ: فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ،

(۱) مسند حماد، بضعہ حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: ۱۸۵۸۱

(۲) مکملہ فتح مبہم ج ۳ ص ۴۸۸ تا ۴۹۱



الْحَدِيث (ص ۱۴۲ سطر ۱ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

### تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... الشہید فی الدنیا والآخرۃ

(۲) ... الشہید فی الآخرۃ

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور آخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: ہیں (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

### شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو ”شہید“ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر اس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مأمون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب فضل الرمی والحث علیہ، وذم من علمہ ثم نسیہ

(تیر اندازی کی ترغیب و فضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی

مذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شَفِيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: ”وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (ص ۱۴۳ سطر ۷، ۸)

### تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اور ان کی تیاری رکھنی چاہئے۔

باب قوله ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا

يُضِرُّهُمْ مِنْ خَالِفِهِمْ

(حضور ﷺ کا ارشاد لا تزال الخ کا مطلب)

خَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قولہ) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَدَّلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ: وَهُمْ كَذَلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

### تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضراتِ محدثین ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضراتِ فقہاءِ کرام ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نوویؒ نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرین، محدثین، فقہاء، مجاہدین، مبلغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔<sup>(۱)</sup>

خَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الی قولہ) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ أَهْلُ الْغَرْبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۳ سطر ۷، ۸)

## تشریح

قوله : أَهْلُ الْغَرْبِ الْخ (ص ۱۴۳ سطر ۷)

اہلِ غَرْب سے مراد اہلِ عرب ہیں، اور ان کو اہلِ غرب دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ”غَرْب“ بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہلِ عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہلِ غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ غرب سے مراد اہلِ شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہلِ غرب کہا گیا۔<sup>(۱)</sup>

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في

## الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَاسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (ص ۱۴۳ سطر ۷ تا ۹)

## تشریح

قوله: الْخِصْبِ (ص ۱۴۳ سطر ۱۰)

”خصب“ کے معنی ہیں سرسبزى و شادابی، اور ”السنة“ کے معنی ہیں قحط،<sup>(۲)</sup>

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلاً...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا. (ص ۱۴۳ سطر ۱۹، ۲۰)

(۱) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۳۔

(۲) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۳۔

## تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے یا شک و شبہ پیدا ہو جائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الصيد والذبائح وما يؤکل من الحيوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

## چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: آیت ۲۹) لہذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا چنا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث و مضر صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مردہ کران کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح السنوی ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) ارشاد ہائی ہے "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْعُسْرَ" سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۵۔

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبح اختیاری (۲) ... ذبح اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبح اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبح اختیاری

ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصيد میں ”صيد“ سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة

کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

### ”صيد“ کے معنی

کتاب الصيد میں ”صيد“ مصدر ہے صاد یصيد کا، اس کے لفظی معنی شکار اور شکار کرنا

دونوں آتے ہیں، کیونکہ ”صيد“ بمعنی ”مصيد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار، اور ”صيد“ بمعنی

”اصطياد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں ”صيد“ اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں

جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور ”ذبائح“ جمع ہے ”ذبیحة“ کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح

کرنا مراد ہے جو ذبح اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھار دار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام

لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ

جائیں اور خون بہہ جائے۔ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف

پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمہ من الحيوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے

اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ۔ اور پرندوں میں ذی قلمب نہ ہوں جیسے کبوتر،

فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

### شکار کا حکم

بوقت ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل

خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق

حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے قائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہو اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔<sup>(۱)</sup>

### ذبح اختیاری کی چار شرائط

ذبح اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

(۲) ... بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا، یہ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصد اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔<sup>(۴)</sup>

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔<sup>(۵)</sup>

جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبح اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ”مایو کل لحمہ“ میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ”مالایو کل لحمہ“ میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔<sup>(۶)</sup>

### ذبح اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

(۱) شرح السورۃ ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) الہدیۃ کتاب الدبائح ج ۳ ص ۶۴۔

(۳) الہدیۃ کتاب الدبائح ج ۳ ص ۶۲ و نکمۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۳ و ۳۸۴۔

(۴) الہدیۃ ج ۱ ص ۶۵ و نکمۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۴۔

(۵) بدائع صنائع کتاب الدبائح و الصیود فصل و اما بیان شرط حل الاکل فی الحيوان المأکول ج ۵ ص ۴۱۔

(۶) الہدیۃ کتاب الدبائح فصل فیما یحل اكله و ما لا یحل، ج ۳ ص ۶۹۔



- (۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ دھار دار آلے کو شکار کے مارتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر مارنا۔  
 (۲) ... دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دھار دار آلہ دھار کی طرف سے جانور کو لگے اور اس کو زخمی کر کے اس کو مار دے، یہ اس کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔<sup>(۱)</sup>

ان دو شرطوں کے پائے جانے سے شکار حلال ہوگا، اگر دھار والی چیز جیسے چاقو وغیرہ دھار کی طرف سے نہ لگے، یا لگے تو دھار والی طرف سے، لیکن اس سے جانور زخمی ہو جائے، مرے نہیں، تو پھر جانور حلال نہ ہوگا اور اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اضطراری کافی نہیں، بلکہ ذبح اختیاری لازم ہے۔

- اور اگر کسی شکاری جانور یا پرندے کے ذریعے شکار کر رہے ہیں تو اس میں بھی دو شرطیں ہیں:  
 (۱) ... پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور یا پرندے کو شکار کی جانب روانہ کرتے ہوئے اللہ کا نام لینا یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا۔

- (۲) ... شکاری جانور یا پرندہ جانور کو شکار کرنے کے بعد مالک کے پاس لیکر آنا، خود اس میں سے نہ کھانا، یہ اس کے لئے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔<sup>(۲)</sup>

قوله: ما یوکل من الحيوان

حیوان کے لفظ میں حلال جانور اور پرندے دونوں آگئے، لہذا جانوروں میں سے ”سباع بہائم“ یا ”ذی ناب“ نہ ہوں، اور پرندوں میں سے ”ذی مخلب“ نہ ہوں۔ ایسے تمام جانور اور پرندے حلال ہیں جنکی مثالیں اوپر گزریں۔

## باب الصيد بالکلاب المعلمة

(سدھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم)

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي أُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ، فَيُمْسِكُنَ عَلَيَّ، وَأَذْكُرُ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِذَا أُرْسَلَتْ كَلْبُكَ الْمُعَلَّمُ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ

(۱) کہ حدیث فی حدیث البیاض۔

۲۔ شرط اول ثابت من حدیث البیاض ہی ”اذا ارسلت کلبک المعلم و ذکر اسم الله علیه فکل“ و الشرط الثانی ثابت من حدیث ثالث

۳۔ و ذکر اسمہ فلا تأکل فانه اما اصابک علی مصححہ

فَكُلْ ، قُلْتُ : وَإِنْ قَتَلَنِي ؟ قَالَ : وَإِنْ قَتَلَنِي ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا  
قُلْتُ لَهُ : فَإِنِّي أُرْمَى بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدِ ، فَأُصِيبُ ، فَقَالَ : إِذَا رَمَيْتَ  
بِالْمِعْرَاضِ فَخَرِّقْ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرَضِهِ ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص ۱۳۵ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم، (ص ۱۳۵ سطر ۱)

عدی بن حاتمؓ مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دوران گفتگو سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۳۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله : انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص ۱۳۵ سطر ۱)

”کلاب“ جمع ہے ”کلب“ کی، ”کلب“ عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضراتِ فقہاء کرام کے نزدیک ”کلب“ سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہو سکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو ویسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔<sup>(۲)</sup>

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ وہ معلّم

(۱) (اصدہ فی معرفۃ الصحابة) (وصی اللہ علیہم) ج ۲ ص ۲۳۲ (ترجمۃ عدی بن حاتم رضى اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) (سیر النبوی ج ۲ ص ۴۵) و مکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۱، ۳۸۲

ہوں،<sup>(۱)</sup> یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

### معلم اور غیر معلم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لا کر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول رائج ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظن غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلم سمجھا جائے گا۔ یہ حضرات شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آجائے۔<sup>(۲)</sup>

### بوقت ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبح اختیاری میں ان کا بھی وہی موقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبح اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: قُلْ احْلِلْ لَكُمْ الطَّيْسَاتِ وَمَا عَنِتُّمْ مِنَ الْحَوَارِجِ مَكْنِيْنَ بَعْنَمُوْهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ - سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ آیت نمبر ۴

(۲) مکملہ فتح مبین ج ۳ ص ۲۸۲، ۲۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبح اختیاری ہو، یا ذبح اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے، فرض و واجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں ”وذكر اسم الله“ کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ... إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ہے، (مائدہ: آیت ۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقت ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ”إعلاء السنن“ میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنی ہیں الشق والقطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنی ہیں، جو ”الذبح“ ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنی مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلب جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چاقو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ“ یہاں صادق آرہا ہے، اسی طرح ”الْمُنْخَبِطَةُ وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُتَرَدِّبَةُ وَالنَّطِيطَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ“ میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلف کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنی مراد نہیں ہو سکتے، لہذا اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمیۃ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ لہذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل دارقطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے، <sup>(۱)</sup> اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔ <sup>(۲)</sup>

قولہ: ما لم یشرکھا کلب لیس معها (ص ۱۲۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلت اور حرمت دونوں جمع ہو گئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔  
فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلت و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

قولہ: بالمعراض (ص ۱۲۵ سطر ۳)

”معراض“ اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پد نہ ہوں، یعنی معراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے، <sup>(۳)</sup> جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جا کر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

### غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے وزن کے دباؤ سے

(۱) مسند امام فضیل کتاب الاشریۃ و غیرہا باب الصيد و الذبائح الخ رقم الحدیث ۳۸۶۵

(۲) حاشیہ فتح مبینہ ج ۲ ص ۳۸۳ تا ۳۸۶

(۳) حساب العرب حروف الفصاد مادہ ”عرص“ ج ۱ ص ۱۶۵

مرتا ہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار ”موقوذة“ کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی ”لَا تَأْكُلُ مِنَ الْبُنْدُقَةِ إِلَّا مَا ذُكِّيتَ“ کے الفاظ آئے ہیں <sup>(۱)</sup>، لہذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کر لیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرض کہ وہ ”موقوذة“ کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جا رہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماء متاخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماء عرب اور علماء غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمد للہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین و فقہاء کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھار دار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہو گئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہذا دھار دار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔ <sup>(۲)</sup> یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اگر دھار دار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مر گیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعُسْرِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ عَبْدِ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: (الِی قَوْلِهِ) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ: إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ: فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَذْرى أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتُ عَلَى كَلْبِكَ،

(۱) مسند احمد، بابہ حدیث عبدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث: ۱۸۵۸۱۔

(۲) بحکمہ فتح مبینہ ج ۳ ص ۳۸۸ تا ۳۹۱۔



الْحَدِيثُ (ص ۱۴۲ سطر ۱ تا ص ۱۴۳ سطر ۲)

### تشریح

اس باب میں شہید کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ... الشہید فی الدنیا والآخرۃ

(۲) ... الشہید فی الآخرۃ

پہلی قسم ان شہداء کی ہے جو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے لئے شہداء کے دنیاوی اور اخروی دونوں قسم کے احکام جاری ہوتے ہیں، دوسری قسم ان شہداء کی ہے جو ان کے علاوہ ہیں، وہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہیں آخرت کے لحاظ سے شہید ہیں، جیسے غریق، مبطون، مطعون، حریق، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں: ہیں (۲۰) ہیں، بعض کہتے ہیں: تیس (۳۰)، بعض چالیس (۴۰) اور بعض پچاس (۵۰) تک بھی کہتے ہیں۔

### شہید کو شہید کہنے کی تین وجہ

شہید کو ”شہید“ کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہید کے معنی ہیں زندہ، شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شہید کہتے ہیں، بعض حضرات کے نزدیک شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، گویا شہید بمعنی مشہود ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ شہید اس لئے کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر اس کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں، اور عذاب سے مأمون رہنے کی خوشخبری سناتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب فضل الرمی والحث علیہ، وذم من علمہ ثم نسیہ

(تیر اندازی کی ترغیب و فضیلت اور جو سیکھنے کے بعد اس کو بھلا دے اس کی

ذمت)

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شَفِيٍّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: ”وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ“، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ

الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (ص ۱۴۳ سطر ۷، ۸)

### تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اپنے زمانے کی جو جنگی صلاحیتیں ہیں، وہ اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ اور ان کی تیاری رکھنی چاہئے۔

باب قوله ﷺ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا

يُضِرُّهُمْ مِنْ خَالِفِهِمْ

(حضور ﷺ کا ارشاد لا تزال الخ کا مطلب)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الِی قولہ) عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذَلِكَ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ: وَهُمْ كَذَلِكَ. (ص ۱۴۳ سطر ۱۲ تا ۱۴)

### تشریح

ایک جماعت جو ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اس سے مراد کون سی جماعت ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد حضراتِ محدثین ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضراتِ فقہاءِ کرام ہیں، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں، اور امام نوویؒ نے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایک طبقہ مراد ہے، جس میں مفسرین، محدثین، فقہاء، مجاہدین، مہلغین اور وہ تمام لوگ جو دین کی صحیح خدمت کر رہے ہیں، اس جماعت میں شامل ہیں، اور یہ قیامت تک رہیں گے، اور یہ حق بات کرنے میں اور حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (الِی قولہ) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَزَالُ أَهْلُ الْغُرَبِ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ. (ص ۱۴۳ سطر ۷، ۸)

## تشریح

قوله : أَهْلُ الْغَرْبِ الْخ (ص ۱۳۳ سطر ۷)

اہل غرب سے مراد اہل عرب ہیں، اور ان کو اہل غرب دو وجہ سے کہا گیا ہے، ایک یہ کہ ”غرب“ بڑے ڈول کو کہتے ہیں، چونکہ اہل عرب بڑا ڈول استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو اہل غرب کہا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل غرب سے مراد اہل شام ہیں جو کہ مغرب کی طرف آباد ہیں، اس بناء پر ان کو اہل غرب کہا گیا۔<sup>(۱)</sup>

باب مراعاة مصلحة الدواب في السير، والنهي عن التعريس في

## الطريق

(چلنے کے دوران جانوروں کا خیال رکھنا اور راستہ میں آرام کرنے سے بچنا)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخَصْبِ، فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ، فَاسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ، وَإِذَا عَرَسْتُمْ بِاللَّيْلِ، فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ، فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ. (ص ۱۳۳ سطر ۷ تا ۹)

## تشریح

قوله : الْخَصْبِ (ص ۱۳۲ سطر ۱۰)

”خصب“ کے معنی ہیں سرسبزى و شادابی، اور ”السنة“ کے معنی ہیں قحط،<sup>(۲)</sup>

باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلاً...

(سفر سے رات میں گھر آنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيَْةَ، أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُقًا. (ص ۱۳۳ سطر ۱۹، ۲۰)

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۳۳۔

(۲) شرح النووي ج ۲ ص ۱۳۳۔

## تشریح

سفر لمبا ہو، اور رات کو دیر سے گھر آئیں تو گھر والوں کو بغیر اطلاع دئے آنے سے اس باب کی احادیث میں منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس سے ایک تو گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اچانک آنے کی وجہ سے ان کو ایسی حالت میں پائیں جس سے آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے یا شک و شبہ پیدا ہو جائے، ان خرابیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اطلاع دیکر آئیں۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الصيد والذبائح وما یؤکل من الحيوان

(جنگلی اور پالتو اور کھائے جانے والے جانوروں کا حکم)

یہ کتاب شکار، ذبیحہ اور ان جانوروں کے بیان میں ہے، جن کا گوشت حلال ہے، اس کتاب میں آنے والی احادیث کی تشریح سے پہلے چند باتیں سمجھ لیں، تاکہ ان باتوں کو سمجھ کر اس باب کی احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

## چار بنیادی باتیں

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اہم فرائض اس کے سپرد فرمائے ہیں جو دیگر مخلوقات کے حوالہ نہیں کئے اور روئے زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے اور اس کی حاجات کی تکمیل کے لئے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة: آیت ۲۹) لہذا جو کچھ بھی زمین میں ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے، تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین میں فساد برپا نہ ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ نے زمین میں فساد کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اور ماکولات میں حلال جانوروں کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ، صحت بخش اور مقوی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے پاکیزہ حیوانات کا گوشت حلال فرمایا ہے، گندے اور خبیث و مضر صحت جانوروں کا گوشت حرام فرمایا ہے، اور جن پاکیزہ جانوروں کا گوشت حلال فرمایا ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ ان کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے، اگر حلال جانور اپنی طبعی موت مر جائیں، یا ان کی گردن مروڑ کر ان کو ہلاک کیا جائے، یا کسی اور طریقے سے اس کو جان سے مار دیا جائے، تو وہ حلال نہیں،

(۱) شرح السوء، ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) ارشاد ہائی ہے "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ" سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۵۔

بلکہ حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، کیونکہ وہ صحت کے لئے مضر ہے۔

تیسری بات ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ذبح اختیاری (۲) ... ذبح اضطراری۔

جانور کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) ... پالتو جانور (۲) ... جنگلی جانور۔

جنگلی جانوروں کے لئے ذبح اضطراری کافی ہے، اور پالتو جانوروں کے لئے ذبح اختیاری

ضروری ہے۔

چوتھی بات کتاب الصيد میں ”صيد“ سے مراد جنگلی جانور ہیں، اور ذبائح جمع ہے ذبیحة

کی، ذبیحة سے پالتو جانور مراد ہیں۔

### ”صيد“ کے معنی

کتاب الصيد میں ”صيد“ مصدر ہے صاد بصید کا، اس کے لفظی معنی شکار اور شکار کرنا

دونوں آتے ہیں، کیونکہ ”صيد“ بمعنی ”مصيد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار، اور ”صيد“ بمعنی

”اصطياد“ ہو تو اس کے معنی ہونگے: شکار کرنا، اور اصطلاح میں ”صيد“ اس جنگلی جانور کو کہتے ہیں

جس کو ذبح کرنا اپنے اختیار میں نہ ہو اور ”ذبائح“ جمع ہے ”ذبیحة“ کی، ذبیحہ سے پالتو جانوروں کا ذبح

کرنا مراد ہے جو ذبح اختیاری سے حلال ہو۔

(ج) ... ذبائح جمع ہے، ذبیحہ کی، اور ذبیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دھار دار چیز سے اللہ تعالیٰ کا نام

لیکر کوئی مسلمان یا کتابی ذبح کرے، اور اس کی گردن کی چاروں رگیں یا اکثر رگیں کٹ

جائیں اور خون بہہ جائے۔ اس سے حلال جانور، حلال ہو جاتا ہے اور حرام جانور صرف

پاک ہوتا ہے، حلال نہیں ہوتا۔

(د) ... ما یوکل لحمہ من الحيوان سے مراد جانوروں میں، وہ جانور جو سباع بہائم نہ ہوں جیسے

اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری وغیرہ۔ اور پرندوں میں ذی مخلب نہ ہوں جیسے کبوتر،

فاختہ، مور اور چڑیا وغیرہ۔

### شکار کا حکم

بوقت ضرورت جنگلی جانوروں کا شکار کرنا بالاتفاق حلال اور جائز ہے، جبکہ بلا ضرورت محض دل

خوش کرنے کے لئے کسی جانور کا شکار کرنا، جبکہ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو، بالاتفاق

حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ فساد فی الارض ہے اور جانور کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، اور اگر شکار

کرنا بھی مقصود ہوا اور کھیلنا بھی مقصود ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات جیسے امام لیثؒ اور علامہ ابن الحکیمؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جبکہ بعض حضرات نے مکروہ اور منع فرمایا ہے، جیسے حضرت امام مالکؒ۔<sup>(۱)</sup>

### ذبح اختیاری کی چار شرائط

ذبح اختیاری میں چار شرطیں ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) ... ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی ہو۔ ان کے علاوہ کسی اور کا ذبیحہ حرام ہوگا، جیسے ہندو، سکھ، مجوسی، دہریے وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

(۲) ... بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا، یہ ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں ضروری ہے، اگر قصد اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑ دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

(۳) ... کسی دھاردار آلے سے ذبح کرنا۔<sup>(۴)</sup>

(۴) ... جانور کے حلق کی چاروں رگیں کٹ جانا یا کم از کم تین رگیں ضرور کٹ جائیں۔<sup>(۵)</sup>  
جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تو ذبح اختیاری صحیح ہوگا، پھر اگر جانور ”مایو کل لحمہ“ میں سے ہو تو اس کا گوشت پاک اور حلال ہو جائے گا، اور اگر جانور ”مالایو کل لحمہ“ میں سے ہے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا لیکن حلال نہیں ہوگا۔<sup>(۶)</sup>

### ذبح اضطراری کی دو قسمیں

(۱) ... پہلی قسم یہ ہے کہ کسی دھاردار چیز سے شکار کرنا۔

(۲) ... کسی شکاری جانور یا شکاری پرندے کے ذریعے شکار کرنا۔

ان دونوں قسموں میں دو شرطیں ضروری ہیں:

اگر دھاردار آلے سے شکار کر رہے ہیں تو:

(۱) شرح السنوئی ج ۲ ص ۱۳۵۔

(۲) الہدایۃ کتاب الذبائح ج ۳ ص ۶۲۔

(۳) الہدایۃ کتاب الذبائح ج ۲ ص ۶۲ و تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۳ و ۲۸۴۔

(۴) الہدایۃ ج ۴ ص ۶۵ و تکملة فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۴۔

(۵) بدیع الصالح کتاب الذبائح والصيد فصل وأما یاء شرط حل الاکل فی الحیوان المأکول ج ۵ ص ۴۱۔

(۶) الہدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اكله وما لا یحل، ج ۳ ص ۶۹۔





فَكُلْ ، قُلْتُ : وَإِنْ قَتَلَنَ؟ قَالَ : وَإِنْ قَتَلَنَ ، مَا لَمْ يَشْرِكْهَا كَلْبٌ لَيْسَ مَعَهَا  
قُلْتُ لَهُ : فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ ، فَأُصِيبُ ، فَقَالَ : إِذَا رَمَيْتَ  
بِالْمِعْرَاضِ فَحِزْ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بِعَرَضِهِ ، فَلَا تَأْكُلْهُ (ص ۱۴۵ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

قوله: عن عدی بن حاتم، (ص ۱۴۵ سطر ۱)

عدی بن حاتم "مشہور حاتم طائی کے بیٹے ہیں، جو ۹ یا ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ عیسائی مذہب پر تھے، حضور ﷺ کے دین سے نفرت کرتے تھے، ایک دن ان کے دل میں آیا کہ میں حضور سے جا کر ملوں، اگر آپ ﷺ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو آپ کے جھوٹ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اگر آپ سچے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا، چنانچہ یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی، دوران گفتگو سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا، جس کو انہوں نے قبول کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت طویل عمر عطا فرمائی تھی، تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) سال ان کی عمر ہوئی، اور اسلام لانے کے بعد سے مرتے دم تک ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، اس باب کی اکثر روایات انہی سے مروی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: انی ارسلت الکلاب المعلمة الخ (ص ۱۴۵ سطر ۱)

"کلاب" جمع ہے "کلب" کی، "کلب" عربی میں کتے کو کہتے ہیں، اور حضرات فقہاء کرام کے نزدیک "کلب" سے ہر درندے مراد ہے۔

یوں تو ہر درندہ شکاری ہو سکتا ہے، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ نے شیر اور ریچھ کو شکاری بننے سے مستثنیٰ فرمایا ہے، شیر جنگل کا بادشاہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کسی کے لئے شکار نہیں کرتا، اور ریچھ کمینہ ہونے کی وجہ سے کسی کے تابع نہیں ہوتا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کالے کتے اور چیل کو مستثنیٰ فرمایا ہے کہ حدیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے، اور چیل میں کمینہ پن ہے، اور خنزیر تو ویسے ہی نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔<sup>(۲)</sup>

شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ وہ معلّم

(۱) لأصحہ فی معرفة الصحابة (رَضِیَ اللہ عنہم) ج ۲ ص ۲۳۲ (ترجمة عدی بن حاتم رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۵ او مکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۸۱، ۳۸۲.

ہوں، (۱) یعنی ان کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو۔

### معلم اور غیر معلم کی تشریح

حیوان (جانور) کس وقت معلم اور شکاری بنتا ہے؟ اس سلسلے میں تین قول ہیں:

(۱) ... ایک قول یہ ہے کہ وہ شکاری جانور تین مرتبہ شکار پر روانہ کیا جائے اور تینوں مرتبہ وہ شکار مالک کو لا کر دے، خود نہ کھائے، تو سمجھا جائے گا کہ وہ معلم ہے، یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک اور روایت ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول رائج ہے۔

(۲) ... دوسرا قول یہ ہے کہ ظن غالب کا اعتبار ہوگا، جب تک اس جانور کے بارے میں یہ گمان غالب نہیں ہو جاتا کہ یہ شکار کو خود نہیں کھائے گا بلکہ مالک کے لئے لیکر آئے گا، اس وقت تک اس کو غیر معلم ہی کہیں گے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت ہے۔

(۳) ... تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، جب عرف میں کسی جانور کو شکاری کہا جائے تو اس کو معلم سمجھا جائے گا، اور جب کسی جانور کے بارے میں کہا جائے کہ یہ شکاری نہیں ہے تو اس کو غیر معلم سمجھا جائے گا۔ یہ حضرات شوافع کا قول ہے۔

شکاری پرندے کے معلم ہونے کے لئے نہ کھانے کی شرط نہیں ہے، بلکہ شرط یہ ہے کہ جب اس کو شکار پر چھوڑا جائے اور شکار تک پہنچنے سے پہلے واپس بلایا جائے تو وہ شکار چھوڑ کر واپس آجائے۔ (۲)

### بوقت ذبح اللہ کا نام لینے میں اقوال

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری دونوں میں اللہ کا نام لینا ضروری ہے، جان کر چھوڑ دینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، اگر بھول کر چھوٹ گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تفصیل ہے، ذبح اختیاری میں ان کا بھی وہی موقف ہے جو حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، جبکہ ذبح اضطراری میں ان کا مذہب یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، لہذا بھول کی صورت میں بھی شکار حلال نہیں ہوگا۔

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: **قُلْ لَّكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مَكْرَہٌ یَّحِبُّ لَکُم مَّا عَلَّمْتُکُم اِنَّہٗ سَوَءٌ حَٰنَدٌ** آیت نمبر ۴

(۲) مکملہ فتح مبین ج ۳ ص ۲۸۲، ۲۸۳۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ ذبح اختیاری ہو، یا ذبح اضطراری، دونوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا سنت ہے، فرض و واجب نہیں، کوئی جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو یہ فعل مکروہ ہے، لیکن وہ ذبیحہ اور صید حلال سمجھا جائے گا۔

جمہور کی دلیل مشہور آیت: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذَكِّرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الأنعام: آیت ۱۲۱) ہے، اور اس کے ساتھ احادیث الباب بھی جمہور کی دلیل ہیں، کیونکہ تقریباً ہر حدیث میں ”وَذَكَرْتُ اسْمَ اللَّهِ“ کا لفظ آیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مشہور آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ... إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ ہے، (مائدہ: آیت: ۳) اس آیت میں تذکیہ مطلق ہے، جس میں بوقت ذبح اللہ کا نام لینے کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری نہیں۔

اس کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ”إعلاء السنن“ میں دیا ہے، کہ تذکیہ کے ایک لغوی معنی ہیں الشق والقطع، پھاڑنا اور کاٹنا، اور ایک اصطلاحی معنی ہیں، جو ”الذبح“ ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا داخل ہے، اگر لغوی معنی مراد لیں تو پھر کسی جانور کو اگر کلب جاہل نے شکار کر کے مار دیا ہو، اور پھر کوئی بعد میں چا تو یا چھری کے ذریعے اس کو پھاڑ لے، یا اس کا گوشت کاٹ لے تو وہ بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ“ یہاں صادق آرہا ہے، اسی طرح ”الْمُنْتَحِقَةُ وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُتَرَدِّبَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ“ میں بھی یہی صورت حال ہوگی، حالانکہ کوئی بھی ان کی حلت کا قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ اس کے لغوی معنی مراد نہیں ہو سکتے، لہذا اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے، جس میں تسمیۃ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ لہذا اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں۔ (۱)

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے پر جانور حلال ہے

بھول کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کے باوجود جانور حلال ہو جاتا ہے، اس کی دلیل دارقطنی کی ایک روایت ہے، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر

عرض کیا کہ حضور! بعض مرتبہ ہم جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جاتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر مسلمان کے منہ یعنی دل میں ہے، <sup>(۱)</sup> اسی طرح کا مضمون دیگر متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بھول کی وجہ سے اللہ کا نام نہ لینے کی صورت میں ذبیحہ حلال ہے۔ <sup>(۲)</sup>

قولہ: ما لم یشرکھا کلب لیس معھا (ص ۱۴۵ سطر ۲)

شکاری کتے کو روانہ کرنے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی اور شکاری کتا از خود شامل ہو گیا، یا اس دوسرے کتے کا روانہ کرنے والا کوئی مسلمان یا کتابی نہیں ہے، بلکہ مجوسی یا مشرک ہے تو پھر وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حلت اور حرمت دونوں جمع ہو گئیں، اور شکار میں حرمت اصل ہے۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔  
فائدہ: پاکی ناپاکی میں اصل پاکی ہے، جبکہ حلت و حرمت میں سے اصل حرمت ہے۔

قولہ: بالمعراض (ص ۱۴۵ سطر ۳)

”معراض“ اُس تیر کو کہتے ہیں، جس کے آگے پھل اور پیچھے کے حصے میں پرنہ ہوں، یعنی معراض لکڑی کی ایک لمبی سی ڈنڈی ہوتی ہے جو دو دھاری ہوتی ہے، اس کے دائیں بائیں دھار ہوتی ہے، <sup>(۳)</sup> جبکہ درمیان سے موٹا ہوتا ہے، کبھی یہ تیر جا کر دھار کی طرف سے لگتا ہے، جس سے جانور زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی یہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے جہاں دھار نہیں ہوتی، اس وقت جانور اس کے وزن یا موٹائی سے مرتا ہے، اس میں جانور زخمی نہیں ہوتا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تیر دھار کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال ہے اور اگر چوڑائی کی طرف سے جا کر لگے تو جانور حلال نہیں ہے۔

### غلیل اور بندوق کے شکار کا حکم

غلیل، قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، جبکہ بندوق متاخرین کے زمانے میں وجود میں آئی ہے، غلیل کے مسئلہ میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض حضرات اس کے شکار کو حلال کہتے ہیں، جبکہ اکثر علماء اور فقہاء اس کے شکار کو حرام فرماتے ہیں، کیونکہ عام طور پر اس میں مٹی کے گولے بنا کر شکار کو مارتے ہیں، ان میں کوئی دھار نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شکار اس کے وزن کے دباؤ سے

(۱) مسر مدار فطی کتاب الاشریۃ و غیرہ باب الصيد و الذبائح الحج رقم الحديث ۲۸۶۵

(۲) مکملہ فتح المسم ج ۳ ص ۲۸۳ تا ۲۸۶

(۳) مسر معرب حرف المضاد مادہ ”عروض“ ج ۱ ص ۱۶۵

مرتا ہے، زخمی نہیں ہوتا، اسی طرح پتھر غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں تو عام طور پر پتھر بھی بغیر دھار والے ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک غلیل سے کیا ہوا شکار ”موقوڈہ“ کے حکم میں داخل ہے، اور حدیث میں بھی ”لَا تَأْكُلُ مِنَ الْبُنْدُقَةِ إِلَّا مَا ذَكَّيْتَ“ کے الفاظ آئے ہیں <sup>(۱)</sup>، لہذا اگر غلیل وغیرہ سے کوئی جانور شکار کیا تو جب تک اس کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے بسم اللہ اکبر پڑھ کر ذبح نہ کر لیں، اس وقت تک حلال نہیں۔

بندوق کی گولی بھی چونکہ عموماً گول ہوتی ہے، لہذا اس کے ذریعے کیا جانے والا شکار بھی حلال نہیں بلکہ وہ غلیل کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے حکم میں ہے، غرضکہ وہ ”موقوڈہ“ کے حکم میں داخل ہے، کیونکہ بندوق کی گولیاں خواہ کیسی ہی ہوں، یہ شکار کو کاٹتی نہیں ہیں بلکہ اپنے دھکے، وزن اور زور کی وجہ سے اس کو کوٹتی اور پھاڑتی ہیں، لہذا اس کے ذریعے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا، خواہ بسم اللہ پڑھ کر ہی غلیل اور بندوق چلائی ہو، کیونکہ اس میں دوسری شرط یعنی کاٹنا نہیں پائی جا رہی۔

تاہم بندوق کے بارے میں علماء متاخرین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور پھر علماء عرب اور علماء غیر عرب دونوں میں اختلاف ہے، لیکن الحمد للہ! ہمارے ہندوستان اور پاکستان کے اکابرین و فقہاء کا اتفاق ہے کہ بندوق کے ذریعے سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔

البتہ اگر گولی دھار دار ہو، جیسا کہ اس طرح کی گولیاں بھی اب تیار ہو گئی ہیں جن میں نوک اور دھار ہوتی ہے، لہذا دھار دار گولی کے ذریعے اگر شکار کیا جائے تو اس کا حکم ایسے ہی ہوگا جیسا کہ چھری، تلوار یا تیر کے ذریعے شکار کیا جائے۔ <sup>(۲)</sup> یعنی اگر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اگر اگر دھار دار گولی سے کوئی جانور شکار کیا اور وہ گولی لگنے سے مر گیا تو وہ حلال ہوگا۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: (الی قولہ) وَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَلْبِ، فَقَالَ: إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَكُلْ، فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ، قُلْتُ: فَإِنْ وَجَدْتُ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا آخَرَ، فَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَهُ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ،

(۱) مسند احمد، وفيه حديث عدی بن حاتم رضى الله تعالى، رقم الحديث: ۱۸۵۸۱

(۲) مكنه فتح المبهوم ج ۳ ص ۳۸۸ تا ۳۹۱



وَلَمْ تَسْمَعْ عَلَىٰ غَيْرِهِ (۱۴۵ سطر ۵ تا ۸)

### تشریح

قوله : فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ فَلَا تَأْكُلْ الْخ (۱۴۵ سطر ۸)

اگر شکاری جانور خود شکار میں سے کچھ کھالے تو پھر وہ شکار، شکاری آدمی کے لئے حلال نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں وہ جانور معلوم نہ رہا۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کا مسلک یہی ہے، لیکن حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ شکاری کتا اگر شکار میں سے کچھ کھالے تو تب بھی وہ شکاری کے لئے حلال ہے، ان کی دلیل یہ آیت ہے: فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ<sup>(۱)</sup>، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شکاری کتا کچھ شکار میں سے کھالے تو بھی یہی کہا جائے گا کہ اس نے مالک کے لئے شکار کر رکھا، لہذا اس کا کھانا جائز ہے۔

اس آیت کا جواب جمہور کی جانب سے یہ دیا گیا کہ لفظ ”عَلَيْكُمْ“ سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے لئے روک کر رکھے، خود نہ کھائے۔

اس کے علاوہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت بھی مالکیہ کی دلیل ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: إِذَا رَسَلْتَ كَلْبَكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَكُلْ وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ<sup>(۲)</sup> اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ سند اضعیف ہے۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، (الِی قولہ) عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ، حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ، وَكَانَ لَنَا جَارًا وَذَخِيلًا وَرَبِيطًا بِالنَّهْرَيْنِ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أُرْسِلْ كَلْبِي، فَأَجِدْ مَعَ كَلْبِي كَلْبًا قَدْ أَخَذَ، لَا أُدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَ؟ قَالَ: فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّمَا سَمِيتَ عَلَىٰ كَلْبِكَ، وَلَمْ تَسْمَعْ عَلَىٰ غَيْرِهِ (۱۴۵ سطر ۵ تا ۸)

### تشریح

قوله : وَكَانَ لَنَا جَارًا وَذَخِيلًا وَرَبِيطًا بِالنَّهْرَيْنِ، (ص ۱۴۶ سطر ۷)

(۱) سورة نعامہ۔ آیت ۳۰

(۲) مس ہی ۲ و د کتاب الصيد باب فی الصيد ورم الحديث ۲۳۶۹

(۳) نکتہ فتح المہم ج ۳ ص ۴۹۱، ۴۹۲

”جار“ کے معنی پڑوسی ہیں، ”دخیل“ کے معنی ہیں: وہ آدمی جو کسی کے کاموں میں اس کے ساتھ شریک رہتا ہو، جبکہ ”دبیط“ ملازم کو کہتے ہیں، ”نہرین“ جگہ کا نام ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ السَّكُونِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُرْسِلْتَ كَلْبِكَ فَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، فَإِنْ أُمْسَكَ عَلَيْكَ، فَأَذْرَكْتَهُ حَيًّا فَادْبَحْهُ، وَإِنْ أَذْرَكْتَهُ قَدْ قُتِلَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ، وَقَدْ قُتِلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ سَهْمَكَ، فَادْكُرِ اسْمَ اللَّهِ، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا، فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ، فَكُلْ إِنَّ شَيْئًا، وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ، فَلَا تَأْكُلْ (۱۳۶ سطر ۹ تا ۱۲)

### تشریح

قوله: فَأَذْرَكْتَهُ حَيًّا فَادْبَحْهُ، الخ (ص ۱۳۶ سطر ۱۱)

اگر کسی نے تیر کے ذریعے یا کسی دھار دار آلے کے ذریعے شکار کیا، یا کسی شکاری کتے یا شکاری جانور کے ذریعے شکار کیا اور شکاری کو شکار زندہ حالت میں مل گیا تو ایسی صورت میں ذبح اختیاری ضروری ہے، اگر شکار کو ذبح نہ کیا اور وہ مر گیا تو وہ مردار ہوگا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ذبح اختیاری اصل ہے اور ذبح اضطراری اس کے قائم مقام ہے، جب اصل پر قدرت حاصل ہو جائے تو قائم مقام باطل ہو جاتا ہے۔

قوله: فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا، فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ، الخ

(ص ۱۳۶ سطر ۱۲)

اگر شکاری نے شکار کو کوئی تیر یا دھار دار چیز ماری، جو اس کو چاکر لگی، لیکن وہ شکار اس شکاری کے ہاتھ نہ لگ سکا، اور کہیں بھاگ گیا، پھر دوسرے دن کہیں پڑا، تو اب اس بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اس پر صرف اس شکاری کے تیر وغیرہ کا نشان ہے، کسی اور چیز کا اس پر نشان نہیں ہے، تو اس کو کھا سکتے ہیں، اور اگر کسی اور چیز کا نشان بھی ہے یا مثلاً پانی میں گر کر مر گیا تو اب اس کو کھانا جائز نہیں ہے۔

حنابلہ اور مالکیہ اس مسئلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر شکار پر شکار کرنے والے کے تیر وغیرہ کے زخم کا نشان ہے اور کوئی دوسرا نشان نہیں ہے، اور پھر وہ شکار ایک دن کے بعد ملتا ہے تو ایسی صورت میں وہ شکار حلال ہے، مذکورہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔

شواہح فرماتے ہیں کہ مطلقاً حلال نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں معلوم نہیں کہ وہ اس کے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا کسی اور وجہ سے مرا ہے؟

امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر شکاری اس کی تلاش میں لگا رہا، تو ایسی صورت میں اگر ایک دن بھی گزر جائے اور پھر شکار مردہ حالت میں ملے تو حلال ہے، اور اگر اس نے شکار کی تلاش ترک کر دی، پھر اس کو وہ مردہ حالت میں ملے تو وہ حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قوله) أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُسَيْبِيُّ، يَقُولُ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا بِأَرْضٍ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نَأْكُلُ فِي آيَتِهِمْ، وَأَرْضٍ صَيْدٌ أَصِيدُ بِقَوْسِي (الی قوله) قَالَ: أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنْتُمْ بِأَرْضٍ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ تَأْكُلُونَ فِي آيَتِهِمْ، فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَ آيَتِهِمْ، فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا، وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا، ثُمَّ كُلُوا فِيهَا، .. الحديث (ص ۱۴۶ سطر ۱۴ تا ۱۷)

### تشریح

قوله: إنا بأرض قوم من أهل الكتاب نأكل في آيتهم الخ (ص ۱۴۶ سطر ۱۶)

اہل کتاب کے برتن وغیرہ استعمال کرنے کا حکم

غیر مسلموں کے برتن استعمال کرنے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دوسرے برتن موجود نہ ہوں، تو ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھا سکتے ہیں۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے غیر مسلموں کے برتنوں میں کھانے کی مطلقاً اجازت دی ہے، چنانچہ حدیث شریف اور حضرات فقہاء کرام کے قول میں بظاہر تعارض ہو گیا، اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے امام نووی نے ایک تطبیق دی ہے، لیکن وہ تطبیق زیادہ کارگر نہیں ہے، البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جو تطبیق دی ہے وہ زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے برتنوں

میں کھانے کی ممانعت مکروہ تنزیہی ہے، لہذا اگر ان کے برتن ناپاک ہوں تو ان کو پاک کر کے استعمال کرنا جائز ہے، لیکن اگر دوسرے برتن موجود ہوں تو خلافِ اولیٰ ہے، اور اگر پاک ہونے کا غالب گمان ہو تو بغیر دھوئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب إباحة ميتات البحر (دریائی مردہ جانوروں کی اباحت کا حکم)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ عَلَيْنَا أبا عُبَيْدَةَ، نَتَلَّقَى عِمْرًا لِقْرِيشٍ، وَرَوَدَنَا جِرَاهَا مِنْ تَمَرٍ لَمْ يَجِدْ لَنَا غَيْرَهُ، فَكَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ يُعْطِينَا تَمْرَةً تَمْرَةً، قَالَ: فَقُلْتُ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِهَا؟ قَالَ: نَمَضُّهَا كَمَا يَمَضُّ الصَّبِيُّ، ثُمَّ نَشْرِبُ عَلَيْهَا مِنَ الْمَاءِ، فَتَكْفِينَا يَوْمَنَا إِلَى اللَّيْلِ، وَكُنَّا نَضْرِبُ بِعَصِينَا الْخَبَطَ، ثُمَّ نَبْلُهُ بِالْمَاءِ فَنَأْكُلُهُ، قَالَ: وَانْطَلَقْنَا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَرَفَعَ لَنَا عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ كَهَيْئَةِ الْكُثْبِ الضَّخْمِ، فَاتَيْنَاهُ فَإِذَا هِيَ ذَابَّةٌ تُدْعَى الْعَبْرَ، قَالَ: قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: مَيْتَةٌ، ثُمَّ قَالَ: لَا، بَلْ نَحْنُ رُسُلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَقَدْ اضْطَرَرْتُمْ فَكُلُوا، قَالَ: فَأَقَمْنَا عَلَيْهِ شَهْرًا وَنَحْنُ ثَلَاثُ مِائَةٍ حَتَّى سَمِنَّا، قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْنَا نَغْتَرِفُ مِنْ وَقَبِ عَيْنِهِ بِالْقِلَالِ الدُّهْنِ، وَنَقْتَطِعُ مِنْهُ الْفِدْرَ كَالثَّوْرِ، أَوْ كَقَدْرِ الثَّوْرِ، فَلَقَدْ أَخَذَ مِنَّا أَبُو عُبَيْدَةَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا، فَأَقْعَدَهُمْ فِي وَقَبِ عَيْنِهِ، وَأَخَذَ ضِلْعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَأَقَامَهَا ثُمَّ رَحَلَ أَكْظَمَ بَعِيرٍ مَعَنَا، فَمَرَّ مِنْ تَحْتِهَا الْحَدِيثُ

(ص ۱۴۷ سطر ۲۰ تا ۲۶)

## تشریح

## سریہ منخبط کا پس منظر

اس باب میں ”سریہ منخبط“ اور ”سریہ سیف البحر“ کا ذکر ہے،<sup>(۱)</sup> یہ سریہ ۸ھ میں ہوا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے تین سو صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر تیار کر کے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو ان کا امین مقرر فرمایا، اور ان کے دو کام سپرد فرمائے، ایک قریش کے قافلے پر حملہ کرنا، دوسرے سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے ایک خاندان پر حملہ کرنا، قریش کا قافلہ تو ہاتھ نہ آسکا، البتہ انہوں نے دوسرا کام انجام دیا، اس سریہ میں مجاہدین کے پاس جو ز اور اہ تھا، وہ ختم ہو گیا، پہلے کچھ اونٹ ذبح کئے، جب وہ ختم ہونے لگے تو حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرما دیا، چنانچہ وہ حضرات کھجور کھا کر گزارہ کرتے رہے، آخر میں صرف ایک ایک کھجور حصہ میں آتی، وہ بھی اس طرح سے کہ کھجور کو بچوں کی ٹانی کی طرح چوس کر اس پر پانی پی لیتے تھے، سارے دن کی پوری خوراک بس یہی ایک کھجور ہوتی، اس کے علاوہ کیکر کے درختوں کے پتے بھی کھاتے، جب کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس وقت روزانہ ملنے والی ایک کھجور کی بھی قدر معلوم ہوئی۔

جب یہ حضرات حالتِ اضطراب کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے مدد فرمائی، ان کو سمندر کے کنارے ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ نظر آیا، جب اس کے پاس گئے تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی مچھلی ہے، جس کا نام عسبر تھا، وہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ اس کی آنکھ میں پانچ آدمی بیٹھ گئے، اور اس میں سے مٹکے بھر بھر کر چربی نکالی، اس کی ایک پہلی کھڑی کی، اور لشکر میں سے سب سے اونچا اونٹ، اور پھر اس پر سب سے لمبے آدمی کو بیٹھا کر اسکی پہلی کے نیچے سے گزارا تو وہ باسانی گزر گیا، اس مچھلی کا گوشت اہل لشکر نے ایک مہینے تک کھایا۔

یہاں دو مسئلے قابلِ تحقیق ہیں:

(۱) ... دریائی اور سمندری جانور کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

(۲) ... دوسرے جھینگے کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے یا حرام؟

مچھلی حلال ہے

دریائی جانوروں کی دو قسمیں ہیں: (۱) ... ایک مچھلی (۲) ... غیر مچھلی،

مچھلی کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مچھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے، مچھلی کے علاوہ باقی دریائی جانوروں کے بارے میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ وہ بھی سب حلال ہیں، لیکن بعض حضرات نے مینڈک، کچھوے، سانپ، انسان، بحری، کلب، بحری وغیرہ کو مستثنیٰ کیا ہے۔  
ائمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: **وَأَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ**

(مائدہ، آیت: ۹۶)

دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے: **هُوَ الطَّهْرُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتُهُ** <sup>(۱)</sup>

احناف کے نزدیک مچھلی کے علاوہ تمام دریائی جانور حرام ہیں، حنفیہ، ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے آپ کا استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے، جب دو باتیں ثابت ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ آیت میں ”صيد“ بمعنی ”مصيد“ ہونہ کہ بمعنی ”اصطیاد“، اور دوسری بات یہ کہ لفظ ”صيد“ کی اضافت البحر کی طرف، یہ استغراق کے لئے ہو، اور یہ دونوں باتیں ثابت نہیں ہیں،

پہلی بات تو اس لئے کہ ”صيد“ اور حقیقت مصدر کے معنی میں ہے یعنی ”اصطیاد“ کے معنی میں ہے، اور ”مصيد“ کے معنی میں ہونا مجاز ہے، جب تک اصلی اور حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہو اس وقت تک مجاز پر عمل نہیں کیا جائے گا، اور یہاں اصلی اور حقیقی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا حلال ہے۔

دوسری بات اس لئے ثابت نہیں کہ ”صيد“ کی البحر کی طرف اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے بلکہ بالاتفاق عہد کے لئے ہے، کیونکہ آگے ”وَحُرْمَتُ عَلَیْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا ذُمْتُمْ حُرْمًا“ ہے جس میں ”مَا ذُمْتُمْ حُرْمًا“ کی قید لگی ہوئی ہے، اور یہ عہد کیلئے ہے، اسلئے صید البحر میں بھی اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

اسی طرح والحل میتہ میں بھی اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے، اس کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: **أَحَلَّتْ لَكُمْ مَيْتَانِ وَدَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَانِ فَالْحَوْتَ**



والجراد واما الدمان فالکبد والطحال<sup>(۱)</sup>۔

خلاصہ یہ کہ یہ مجتہد فی مسئلہ ہے، جس میں حنفیہ کا مسلک احوط ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک اوسع اور اقرب الی النصوص ہے، کیونکہ ایک روایت کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دریائی جانوروں کو حلال فرمایا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### تھینگہ کے بارے میں تحقیق

اگر بحری حیوانات میں مچھلی کی تعریف کے لحاظ سے تھینگہ دیکھا جائے تو تھینگہ پر مچھلی کی تعریف صادق نہیں آتی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھینگا کھانا ناجائز ہے، کیونکہ ماہرین حیوانات بحری نے مچھلی کی یہ تعریف کی ہے کہ مچھلی کی جتنی بھی اقسام ہیں، ان میں دو علامتیں ضرور ہوتی ہیں، ایک گلپھڑے اور دوسرے ریڑھ کی ہڈی، جبکہ جھینگے میں یہ دونوں علامتیں نہیں پائی جاتیں، لہذا تھینگہ مچھلی نہیں اور جب مچھلی نہیں تو حلال نہیں۔

دوسری طرف لغت کی بڑی بڑی کتابوں میں اس کو مچھلی کہا گیا ہے، اور اسی طرح عرف میں بھی اس کو مچھلی سمجھا جاتا ہے، اور شریعت کے احکام کا دار و مدار قنی باریکیوں پر نہیں ہوتا، بلکہ موٹی موٹی باتوں، اور عرف و عادات پر ہوتا ہے، تا کہ عام آدمی کے لئے ایسی چیزوں کا سمجھنا اور ان کے احکام کا جاننا آسان رہے، لہذا لغت اور عرف کے لحاظ سے اس کو مچھلی سمجھتے ہوئے اس پر حلف کا حکم لگائیں گے، خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تھینگہ بلاشبہ حلال ہے لیکن حنفیہ کے یہاں تھینگہ کا حلال ہونا یا حرام ہونا جتنی نہیں ہے، اس لئے نہ کھانے میں احتیاط ہے اور کھانے کی گنجائش ہے۔<sup>(۳)</sup> جو کھائے اس کو منع نہ کیا جائے اور جو نہ کھائے اس کو کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قوله) جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الی قوله) فَأَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ، وَادَّهَنَّا مِنْ وَدَكِهَا حَتَّى ثَابَتْ أَجْسَامُنَا (الی قوله) فَكَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ يُعْطَى

(۱) سر بن مدجہ ابواب الاطعمۃ باب الکبد والطحال رقم الحدیث: ۳۳۰۵۔

(۲) مکملہ فتح مبہم ج ۳ ص ۵۱۲۵۔

(۳) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں مکملہ فتح مبہم ج ۳ ص ۵۱۲، ۵۱۳۔

كُلَّ رَجُلٍ مِنَّا قَبْضَةً قَبْضَةً، ثُمَّ أُعْطَانَا تَمْرَةً تَمْرَةً، فَلَمَّا فَنِيَ وَجَدْنَا فَقْدَهُ.

(ص ۱۳۸ سطر ۱ تا ۵)

### تشریح

قولہ: وادھنا من ودکھا حتی ثابت أجسامنا (ص ۱۳۸ سطر ۳)  
ہم نے اس کی چربی سے مالش کی، یہاں تک ہمارے جسم دوبارہ اپنی حالت پر آگئے مضبوط اور  
قوی ہو گئے۔

”ودک“ کے معنی ہیں چربی، اور ”ثابت“ کا معنی ہے، ”رجعت“<sup>(۱)</sup> واپس لوٹ آنا پہلی  
حالت پر آ جانا۔

قولہ: وجدنا فقدہ (ص ۱۳۸ سطر ۴، ۵)

اس ایک کھجور کے نہ ملنے کا احساس ہوا۔ (یعنی اس ایک کھجور کی قدر محسوس ہوئی۔)  
حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ نَا سُفْيَانُ، قَالَ: سَمِعَ عُمَرُو، جَابِرًا،  
يَقُولُ فِي جَيْشِ الْخَبَطِ: إِنَّ رَجُلًا نَحَرَ ثَلَاثَ جَزَائِرَ، ثُمَّ ثَلَاثًا، ثُمَّ ثَلَاثًا، ثُمَّ  
نَهَاهُ أَبُو عُبَيْدَةَ (ص ۱۳۸ سطر ۵، ۶)

### تشریح

قولہ: إن رجلاً نحر ثلاث جزائر، (ص ۱۳۸ سطر ۵)

رجل سے قیس بن سعد بن عبادۃ مراد ہیں۔<sup>(۲)</sup>

باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية

(پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (إلى قوله) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُلْقِيَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، نَيْئَةً وَنَضِيجَةً،  
ثُمَّ لَمْ يَأْمُرْنَا بِأَكْلِهِ (ص ۱۳۹ سطر ۱۹، ۲۰)

(۱) شرح سووی ج ۲ ص ۱۳۸۔

(۲) لکمة فتح المہم ج ۳ ص ۵۱۵ و شرح البووی ج ۲ ص ۱۳۸۔

## تشریح

ہمارے دو قسمیں ہیں:

(۱) ... وحشی۔

(۲) ... اہلی۔

وحشی بالاتفاق حلال ہے، جبکہ اہلی بالاتفاق حرام ہے، البتہ بعض حضرات سے ہمارا اہلی کی حلت ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا حلال ہونا منقول ہے، اور حضرت امام مالکؒ سے دو روایتیں منقول ہیں، ایک اس کے مکروہ ہونے کی، جبکہ دوسری اس کے حرام ہونے کی، جو حضرات ہمارا اہلی کی حلت کے قائل ہیں، وہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، جو حضرت غالب بن ابجرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں قحط پڑ گیا، میں سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! ہمارے ہاں قحط پڑ گیا ہے اور وہاں کھانے کے لئے سوائے گدھوں کے اور کوئی چیز نہیں ہے، جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حرام قرار دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے اموال میں سے موٹے گدھوں کا گوشت کھاؤ، کیونکہ میں نے جلالة ہونے کی وجہ سے ان کو حرام کیا ہے،<sup>(۱)</sup> (جلالة اس جانور کو کہتے ہیں جو ناپاکی کھاتا ہو) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمارا اہلی کو بھی کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دوسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے ہمارا اہلی کی حرمت کی علت میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے خیر کے موقع پر کہا تھا کہ شاید ان کو اس لئے حرام قرار دیا کہ ان کا شمس نہیں نکالا گیا، بعض نے کہا کہ شاید لوٹ کا مال ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان کو کھانے سے منع فرمایا۔

جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ سب ان حضرات کی اجتہادی آراء ہیں، ان میں سے کوئی بھی قوی نہیں ہے، جبکہ حدیث الباب جیسے حدیث البراء بن عازب میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہمارا اہلی کے گوشت کو پھینکنے کا حکم دیا، چاہے وہ کچا ہو یا پکا، پھر اس کے بعد اس کے کھانے کا دوبارہ حکم نہیں دیا۔<sup>(۲)</sup>

اس باب کی آخری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ”إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَانَكُمْ عَنْ لَحْمِ الْحَمْرِ، فَإِنِهَا رَجَسٌ أَوْ نَجَسٌ“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو رجس یا نجس ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ علت اس سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

قوله : نَيْثَةٌ وَنَضِيجَةٌ (ص ۱۳۹ سطر ۲۰)

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الأطعمة باب فی اکل لحوم الحمير الأضحية رقم الحديث ۴۳۶۵

(۲) حكمة صبح المعتمد ج ۳ ص ۵۱۸، ۵۱۷۔

نیشہ، کچا، نصیجہ، پکا ہوا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، وَابْنُ بَشَّارٍ (الی قولہ) قَالَ الْبَرَاءُ: أَصَبْنَا يَوْمَ خَيْبَرَ حُمْرًا، فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ اكْفُتُوا الْقُدُورَ (ص ۱۴۹ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قولہ : اكْفُتُوا الْقُدُورَ (ص ۱۴۹ سطر ۱۸)  
ہانڈیاں اُلٹ دو۔

باب اباحۃ اكل لحم الخيل  
(گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. (ص ۱۵۰ سطر ۷، ۸)

### تشریح

حضرت امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا بلاشبہ حلال ہے اور بلا کراہت حلال ہے، البتہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور رائج قول کے مطابق مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے۔

اول الذکر حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے، جس میں ہے کہ وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ<sup>(۱)</sup> کی صراحت کی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے حضرت امام صاحبؒ کی طرف سے یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں اپنی نعمتوں کا احسان جتلایا ہے وہ آیت یہ ہے: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (نحل، آیت: ۸) احسان جتلاتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے گھوڑے پر سواری اور اس کے زینت کا سامان ہونے کا ذکر تو فرمایا ہے، لیکن اس کے گوشت کے کھانے کا ذکر نہیں فرمایا، جبکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، اور سواری اور زینت ادنیٰ درجے کی چیزیں ہیں، جبکہ کھانا ضروریات زندگی میں داخل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی چیز ہے، تو یہ بات حکیم کی حکمت کے خلاف ہے کہ اعلیٰ نعمتوں کے ذریعے

احسان جتلانے کی بجائے اس سے ادنیٰ نعمتوں کا ذکر کرے، اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

دوسری دلیل ابن ماجہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی روایت ہے کہ ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن لحوم الخیل، والبغال، والحمیر“<sup>(۲)</sup>

اس کے علاوہ امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ”نہی رسول اللہ ﷺ عن لحم الفرس“<sup>(۳)</sup>

ان احادیث کی وجہ سے حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے، اور مذکورہ متعارض احادیث میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ گھوڑا جہاد میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کے آگے جہاد ہونے کی بناء پر اس کے اکرام و تعظیم کی وجہ سے اس کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حلت اور کراہت جمع ہو سکتی ہیں، اور احادیث طیبہ کا تعارض دور ہو جاتا ہے۔

### باب إباحة الضب

(گوہ حلال جائز ہے)

خَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبِّ، فَقَالَ: لَسْتُ بِأَكِلِهِ، وَلَا مُحَرِّمِهِ (ص ۵۰ اسطر ۱۱ تا ۱۳)

### تشریح

#### گوہ کی حلت میں اختلاف ہے

گوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء فرماتے ہیں: گوہ کھانا بلا کراہت جائز ہے، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث الباب ہے، کیونکہ اس باب کی تمام احادیث میں ضب (گوہ) کھانے کی صراحت ہے، البتہ آپ ﷺ نے خود اس کے کھانے سے اجتناب فرمایا، اور فرمایا کہ نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں، اور نہ اس سے منع کرتا ہوں، حنفیہ اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے گوہ کھانے کی کراہت

(۱) تہذیبہ کتب مدنیہ فصل فیما یحل اکثہ وما لا یحل ج ۴ ص ۳۵۲

(۲) مسر من ماجہ کتاب الطبائع باب لحوم الخیل والبغال وحم الفرس الحدیث ۳۱۸۹

(۳) کتاب الآثار رقم الحدیث: ۸۱۸ بحوالہ مکملۃ فتح المنہم

معلوم ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے، جو ابو داؤد شریف میں ہے کہ ”نہی عن اکل لحم الضب“ (۱)، اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ ﷺ کو گوہ ہدیہ میں دی، اس کے کھانے کے بارے میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو منع فرمایا، چنانچہ ایک فقیر آیا، اور حضرت عائشہؓ نے اُسے دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے اس فقیر کو صدقہ کرنے سے بھی منع فرمایا۔ (۲)

چنانچہ اکل الضب کے بارے میں اجازت و ممانعت دونوں طرح کی احادیث جمع ہو گئیں، اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں توجیہ فرمائی ہے کہ اجازت والی احادیث، ممانعت والی احادیث کے لئے ناسخ ہیں (۳)، جبکہ علامہ عینیؒ نے بتایہ میں اس کے بالکل برعکس توجیہ فرمائی ہے کہ ممانعت والی احادیث، اجازت والی احادیث کے لئے ناسخ ہیں، لیکن حنفیہ کا مذہب زیادہ رائج ہے، کیونکہ حنفیہ کے اصول کے مطابق حلت و حرمت جمع ہو جائیں تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (۴)

خَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ:  
أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ، فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ، وَقَالَ: لَا  
أَدْرِي لَعَلَّهُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي مُسِخَتْ. (ص ۱۵۱ سطر ۲۷ و ۲۸)

## تشریح

قوله: لَا أَدْرِي لَعَلَّهُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي مُسِخَتْ. (ص ۱۵۱ سطر ۲۸)

آپ ﷺ کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ شاید مسخ شدہ اقوام کی باقیات میں سے ہو اس صورت میں ضب بالکل بھی حلال نہیں ہونی چاہئے، اس کے بارے میں شارحینؒ نے فرمایا کہ وراصل حضور ﷺ نے قطعی طور پر یہ بات نہیں فرمائی، بلکہ اپنے شبہ اور احتمال کا ذکر فرمایا، دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ سے بندر اور خنزیر کے بارے میں پوچھا گیا کہ حضور! کیا یہ مسخ شدہ قوم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا عذاب نازل فرماتے ہیں، تو اس کو ہلاک کر دیا جاتا ہے، اور اس قوم کی نسل آگے نہیں چلتی۔ یہی بات گوہ کے بارے میں سمجھ لینی چاہئے کہ جس

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الاطعمہ باب فی اکل الضب رقم الحدیث: ۳۳۰۲۔

(۲) فتح الباری کتاب الذبائح باب الضب ۳۹۰/۱۵۔

(۳) فتح الباری کتاب الذبائح و الضب باب الضب ۳۹۰/۱۵۔

(۴) سیدہ شرح المہدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اكله وما لا یحل ۵۸۸/۱۱۔



طرح بندر اور خنزیر پر مسخ شدہ قوم نہیں ہے اسی طرح گودہ بھی مسخ شدہ قوم نہیں، بلکہ یہ دیگر جانوروں کی طرح ہیں جو معذب قوموں سے پہلے بھی موجود تھے اور ان کے بعد بھی موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔<sup>(۱)</sup>

### باب إباحة الجراد

(ٹڈی حلال ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ، قَالَ نَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ. (۱۵۲ سطر ۷)

### تشریح

قولہ: ابو یعفر (۱۵۲ سطر ۶)

”ابو یعفر“ دو ہیں، ایک ابو یعفر اصفراور دوسرے ابو یعفر اکبر، یہاں ابو یعفر اصفرا مراد ہیں، ان کا نام ہے عبدالرحمن بن عبید بن نسطاس۔ اور ابو یعفر اکبر کا نام ”والد“ ہے۔<sup>(۲)</sup>

اس باب کی حدیث سے ٹڈی کا حلال ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، جمہور فقہاء ٹڈی کے حلال ہونے پر متفق ہیں، البتہ جمہور قراماتے ہیں کہ خواہ ٹڈی خود مر جائے یا ماری جائے، یا اس کے ٹکڑے کئے جائیں، چاہے کسی برتن میں ڈال دی جائے اور وہاں وہ مر جائے، ہر صورت میں حلال ہے، جبکہ حضرت امام مالکؒ کی مشہور روایت اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر یہ خود بخود مر جائے، تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس کو مار کر کھائے تو جائز ہے۔<sup>(۳)</sup>

### باب إباحة الأرنب

(خرگوش حلال ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مَرَرْنَا

(۱) صحیح مسلم کتاب القدر باب بیئ ان الاحال والاررق الحج رقم الحدیث: ۴۸۱۵۔

(۲) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲۔

(۳) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۵۳۵۔

فَاسْتَنْفَجْنَا أَرْبَابًا بِمَرِّ الظُّهْرَانِ، فَسَعَوْا عَلَيْهِ فَلَغَبُوا، قَالَ: فَسَعَيْتُ حَتَّى  
أَذْرَكْتُهَا، فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا، فَبَعَثَ بِوَرِكَهَا وَفَخَذَيْهَا إِلَى  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقَبِلَهُ. (ص ۱۵۲ سطر ۹ تا ۱۱)

### تشریح

خرگوش کی حلت میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے، بالاتفاق حلال ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ  
اور ابن ابی لیلیؓ فرماتے ہیں یہ مکروہ ہے، وہ بعض احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن سے کراہت  
معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ احادیث سنداً ضعیف ہیں۔<sup>(۱)</sup>

باب إباحة ما يستعان به على الاصطياد والعدو ....

(دشمن یا شکار کرنے کے لئے کسی چیز سے مدد لینا جائز ہے)

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ (الِی قَوْلِهِ) عَنْ ابْنِ بُرَيْدَةَ، قَالَ: رَأَى  
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُغَفَّلِ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ يَخُذِفُ فَقَالَ لَهُ لَا تَخُذِفُ  
الْحَدِيثُ (۱۵۲ سطر ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قوله: يَخُذِفُ (ص ۱۵۲ سطر ۱۳)

خُذِفَ يَخُذِفُ خُذْفًا کے معنی ہیں: کنکری یا گٹھلی پھینکنا، دو انگلیوں کے درمیان یا انگوٹھے  
اور برابر والی انگلی کے درمیان کنکری وغیرہ رکھ کر مارنا<sup>(۲)</sup>، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ  
لغو اور بے کار کام ہے، کیونکہ اس سے نہ تو شکار ہو سکتا ہے اور نہ ہی دشمن کو زخمی کیا جاسکتا ہے، البتہ نقصان  
ہو سکتا ہے کہ دانت یا آنکھ پر لگنے سے دانت ٹوٹ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے۔

باب النهی عن صبر البهائم

(جانوروں کو باندھ کر مارنے کی ممانعت ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الِی قَوْلِهِ) فَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

(۱) مکمل فتح المہم ج ۳ ص ۵۲۷۔

(۲) سنن العرب باب حرف العاء مادة "خذف" ۶۱/۹۔

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُصْبِرَ الْبَهَائِمُ (ص ۱۵۳ سطر ۲ تا ۴)

عرب میں یہ دستور تھا کہ جب جانور کو ذبح کرنا ہوتا تو اس کا یہ طریقہ اختیار کرتے کہ کسی جگہ پر جانور کو باندھ دیتے اور پھر دور سے تیروں سے نشانہ لیکر اس کو تیر مارتے، یہاں تک وہ ہلاک ہو جاتا، آپ ﷺ نے اس طریقہ کار سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں ناحق جانور کو بے دردی سے مارنا ہے جو درست نہیں۔

## کتاب الأضاحی

(قربانی کا بیان)

الأضاحی، اضحیۃ اور اضحیۃ دونوں کی جمع ہے، لغت میں اضحیۃ اس جانور کو کہتے ہیں، جس کو ضحیٰ کے وقت ذبح کیا جائے، اس کو ”ضحیۃ“ بھی کہتے ہیں، جس کی جمع ”ضحایا“ آتی ہے، اسی طرح اس کو ”أضحاة“ بھی کہتے ہیں، جس کی جمع ”اضحی“ آتی ہے، اسی سے یوم الاضحیٰ ہے۔ یعنی قربانی کا دن۔<sup>(۱)</sup>

اصطلاح میں اضحیۃ کہتے ہیں: ذبح حیوان مخصوص فی وقت مخصوص بنیۃ مخصوصہ، مخصوص حیوان کو مخصوص وقت میں خاص نیت سے ذبح کرنے کو قربانی کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> مخصوص حیوان سے مراد اونٹ، بیل اور بکری ہیں، اس سے نسل گائے، ہرن وغیرہ خارج ہو گئے۔<sup>(۳)</sup> وقت مخصوص سے مراد ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب تک کا وقت ہے<sup>(۴)</sup>، اور نیت قربانی کی ہونا ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی اور نیت سے مثلاً کھانے کی نیت سے ذبح کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔<sup>(۵)</sup>

## قربانی تمام شریعتوں میں عبادت ہے

یہ قربانی، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور ﷺ تک، تمام شریعتوں میں مشروع رہی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں کا قصہ اللہ پاک نے قرآن کریم میں بیان فرمایا: اِذْ قَرَّبْنَا قُرْبَانًا فَتَقَبَّلَ مِنْ اٰحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ (مائدہ، آیت: ۲۷)

(۱) صحیح فی اللغة للنحویری، حرف الضاد مادہ ”ضحی“ ج ۱ ص ۳۰۶۔

(۲) بیۃ شرح الہدایۃ للعسّی کتاب الاضحیۃ ج ۱ ص ۲۔

(۳) بہد یہ مع النبیۃ ج ۱ ص ۳۵، ۳۶۔

(۴) بہد یہ مع النبیۃ ج ۱ ص ۲۶۔

(۵) بیۃ شرح الہدایۃ ج ۱ ص ۵۹۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے عیسائیوں نے بعد میں اس قربانی کے حکم میں بہت تبدیلی کی، انہوں نے کہا کہ اس دنیا میں سب سے آخری اور بڑی قربانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دے دی، لہذا وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، اسی طرح ہمارے زمانے کے محمدین اور بے دین لوگ بھی قربانی کے اس حکم کو (معاذ اللہ) بے کار اور بے فائدہ بتاتے ہیں، کہ قربانی میں سوائے جانور کا خون بہانے اور گوشت کو ضائع کرنے کے اور کیا ہے؟ اس سے بہتر ہے کہ یہ پیسے خیرات کر دئے جائیں، کسی غریب کی غربت دور کرنے اور کسی بیمار کے علاج معالجے میں استعمال کر لئے جائیں۔

یہ ایسے ہی بیہودہ بات ہے جیسے کوئی کہے کہ نماز پڑھنے سے کیا حاصل؟ یہ تو اٹھک بیٹھک ہے، یا روزے رکھنے سے کیا فائدہ؟ یہ تو اپنے آپ کو بھوکا مارنا ہے، یا حج کا سفر کرنے سے کیا فائدہ؟ پیسے بھی خرچ کرو اور مشقت بھی اٹھاؤ اور وہاں جا کر خالی پہاڑوں کا طواف کرو۔

وجہ یہ ہے کہ یہ سب کام عبادت ہیں، اور عبادتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا موقوف ہوتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قربانی کے بارے میں فرمایا: ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ (حج، آیت: ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

### قربانی واجب ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قربانی مستحب مؤکدہ ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے<sup>(۱)</sup>، امام صاحبؒ کی دلیل ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (کوثر، آیت: ۲) انحر صیغہ امر ہے اور امر دجوب کے لئے آتا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں ہے: مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلًّا<sup>(۲)</sup>، اتنی زبردست وعید ترک واجب ہی پر ہو سکتی ہے نہ کہ ترک سنت پر۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس (۱۰) سال قیام فرمایا اور ہر سال پابندی سے قربانی کی<sup>(۳)</sup>، اور مواطبت بلا ترک، دلیل وجوب ہے۔

(۱) ابوداؤد، کتاب الاضحية ج ۱ ص ۵

(۲) مسند احمد، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم الحدیث ۸۲۷۳

(۳) جامع ترمذی ابواب الاضاحی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث ۱۳۲۷

ائمہ ثلاثہ کی دلیل مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَى النَّحْوِ، وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ، وَأَمْرٌ بِرَكْعَتَيِ الضُّحَى، وَلَمْ تُؤْمَرُوا بِهَا. (۱)

اس کے علاوہ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کی یہ روایت بھی ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے: إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَضْحَى، فَلَا يَمْسُ مِنْ شَعْرِهِ، وَلَا بَشْرَهُ شَيْئًا. (۲) اس میں لفظ "اراد" سے عدم وجوب مفہوم ہوتا ہے۔

امام صاحبؒ کی طرف سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، (۳) جبکہ دوسری حدیث میں "اراد" کا لفظ تخییر کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ قصد و عمد کے معنی میں ہے، (۴) اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَعْجَلْ، (۵) (اَوْ كَمَا قَالَ) اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ مَنْ أَرَادَ الصَّلَاةَ فَلْيَتَوَضَّأْ، اسی طرح ایک حدیث میں ہے: إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ (۶)، ان سب میں ارادہ قصد کے معنی میں ہے، یعنی ان احکام میں، خواہ یہ فرض ہوں یا واجب ہوں یا سُنَّتْ ہوں، جب بھی کوئی ان کے ادا کرنے کا ارادہ کرے! اسی طرح قربانی کے بارے میں بھی ہے کہ ان دنوں میں جب کوئی اس واجب قربانی کی ادائیگی کا ارادہ کرے تو اپنے ہال نہ کاٹے اور نہ ہی ناخن تراشے، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے، سُنَّتْ مؤکدہ نہیں۔

### باب وقتها (قربانی کا وقت)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الِی قَوْلِهِ) جُنْدُبُ بْنُ سُرْيَانَ، قَالَ: شَهِدْتُ  
الْأَضْحَى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَعُدْ أَنْ صَلَّى وَفَرَغَ

(۲) مسند احمد مسند عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رقم الحدیث: ۲۹۱۷

(۳) سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب من اراد ان یضحی الخ رقم الحدیث: ۳۱۳۰

(۴) فتح الباری کتاب الاضاحی باب من اراد ان یضحی الخ رقم الحدیث: ۵۵۰

(۵) بحکمہ فتح الملہم ج ۲ ص ۵۵۰

(۶) سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب الخروج الی الحج رقم الحدیث: ۲۸۷۴

(۷) صحیح مسلم کتاب الجمعة رقم الحدیث: ۱۳۹۳

مِنْ صَلَاتِهِ سَلَّمَ، فَإِذَا هُوَ يَرَى لَحْمَ أَضَاحِيٍّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ، فَقَالَ: مَنْ كَانَ ذَبَحَ أَضَحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ - أَوْ نُصَلِّيَ -، فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ، فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللَّهِ (ص ۱۵۳ سطر ۱۲)

(۱۵۵)

## تشریح

### قربانی کا اول وقت

قربانی کے لئے ایک ابتدائی وقت ہے اور ایک انتہائی وقت ہے، اس کے ابتدائی وقت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک شہروں میں جب امام نماز عید پڑھا دے تو اس کا وقت قربانی کا شروع ہو جاتا ہے، خواہ پورے شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید ادا ہو جائے اور چاہے جتنی جلد ادا کر دی جائے، بشرطیکہ وقت کے اندر اندر ہو، نماز عید کسی بھی جگہ ہو جانے کے بعد قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور ہر شخص قربانی کر سکتا ہے، خواہ ابھی تک اس نے عید کی نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو، جبکہ گاؤں، دیہات میں صبح صادق کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب تک امام قربانی نہ کر لے، اس وقت تک شہر والوں کے لئے قربانی کرنا درست نہیں، اگر کسی نے امام کی قربانی سے پہلے قربانی کر لی تو اس کو دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جب اتنا وقت گزر جائے کہ اس میں امام نماز بھی پڑھا لے اور قربانی بھی کر لے تو دوسروں کے لئے قربانی کرنا جائز ہو جائے گا، خواہ امام نے نماز اور قربانی ادا کی ہو یا نہ کی ہو۔<sup>(۱)</sup>

### قربانی کا آخری وقت

قربانی کے انتہائی وقت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ اور حضرات جمہور کے نزدیک قربانی کا آخری وقت بارہ (۱۲) ذی الحجہ ہے، بارہ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک قربانی

(۱) مکملہ فتح المسلمین ج ۳ ص ۵۵۱، ۵۵۰۔



کا وقت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ذی الحجہ کی تیرہ (۱۳) تاریخ کے غروب تک قربانی کا وقت ہے<sup>(۱)</sup>، گویا ان کے نزدیک کل ایام قربانی چار ہیں۔

جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قربانی پہلے دن یعنی یوم النحر، اور دو دن اس کے بعد ہیں، گویا تین دن قربانی کے ہیں، یہ حدیث مؤطا امام مالک میں ہے۔<sup>(۲)</sup> حضرت امام شافعیؒ دوسری حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے: کل فجاج مکة منحر وکل ایام التشریق ذبح، (او کما قال<sup>(۳)</sup>) کہ مکہ مکرمہ کا ہر راستہ قربانی کرنے کی جگہ ہے، یعنی حدود حرم میں کہیں بھی حج کی قربانی کی جاسکتی ہے، اور ایام تشریق قربانی کے دن ہیں، اور ایام تشریق سب کو معلوم ہیں کہ وہ ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ تک ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ خَالَهٗ أَبَا بَرْدَةَ  
بْنَ نِيَارٍ، ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ  
اللَّهِ، إِنَّ هَذَا يَوْمٌ اللَّحْمُ فِيهِ مَكْرُوهٌ، وَإِنِّي عَجَلْتُ نَسِيكَتِي لِأَطْعِمَ أَهْلِي  
وَجِيرَانِي وَأَهْلَ دَارِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعِدْ  
نُسْكَأ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ عِنْدِي عَنَاقَ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتِي لَحْمٍ،  
فَقَالَ: هِيَ خَيْرٌ نَسِيكَتِكَ، وَلَا تَجْزِي جَذْعَةً عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.  
(ص ۱۵۴ سطر ۵ تا ۷)

### تشریح

قوله: إن هذا يوم اللحم فيه مكروه، (ص ۱۵۴ سطر ۶)

اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ ان ہذا یوم طلب اللحم فیہ مکروہ میں نے اس لئے جلدی قربانی کی کہ اس دن گوشت مانگنا برا سمجھا جاتا ہے، لہذا میں نے جلدی قربانی کر کے جس کو دینا تھا، دے دیا۔

(۱) مکمل فتح مبینہ ج ۳ ص ۵۵۱

(۲) مؤطا امام مالک کتاب الصحباہ باب الصحبة عما فی نظر المرأة وذكر ایام الاصحی ج ۲ ص ۲۸۷

(۳) مجمعہ الکفر لمصرانی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۵۶۲

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس دن گوشت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ لوگ گوشت لینا پسند نہیں کرتے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے، جبکہ سب لوگ قربانی کرتے ہیں، اس لئے میں نے جلدی قربانی کر لی، تاکہ لوگ اسے بخوشی قبول کر لیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: **إِنْ عِنْدِي عَنَاقٌ**، (ص ۱۵۴ سطر ۷)

”عنّاق“ بکری کے پانچ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، پانچ ماہ کے بکری کے بچے کی قربانی نہیں ہو سکتی، کیونکہ بکری اور بکرے کی قربانی کے لئے ایک سال کا ہونا ضروری ہے، دُنبے اور بھیڑ میں کم از کم چھ ماہ کا ہو، اور فرہ ہونے کی وجہ سے وہ سال والے کے برابر لگتا ہو تو اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ اسی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **وَلَا تَجْزِي جَذْعَةٌ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ**، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان صحابی کی خصوصیت تھی۔

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الِی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ: مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا يَوْمٌ يُشْتَهَى فِيهِ اللَّحْمُ، وَذَكَرَ هَنَةً مِنْ جِيرَانِهِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَهُ، قَالَ: وَعِنْدِي جَذْعَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَاتِي لَحْمٍ، أَفَأَذْبَحُهَا؟ قَالَ: فَرَّخَصَ لَهُ، -فَقَالَ: لَا أَذْرى أَبْلَغْتُ رُخْصَتَهُ مِنْ سِوَاهُ أَمْ لَا - قَالَ: وَانْكَفَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى كَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا، فَقَامَ النَّاسُ إِلَى غُيْمَةٍ فَتَوَزَّعُوا، أَوْ قَالَ: فَتَجَزَّعُوا

(ص ۱۵۴ سطر ۲۲ تا ص ۱۵۵ سطر ۱)

### تشریح

قوله: **وَذَكَرَ هَنَةً**، (ص ۱۵۴ سطر ۲۳)

”ہنہ“ کے معنی ہیں: حاجت،

قوله: **وَانْكَفَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى كَبْشَيْنِ**، (ص ۱۵۵ سطر ۱)  
آنحضرت ﷺ دو مینڈھوں کی طرف جھکے یا متوجہ ہوئے اور پھر ان کو ذبح کیا،

قوله: **فَتَوَزَّعُوا**، (ص ۱۵۵ سطر ۱)

پھر انہوں نے آپس میں ان کو بانٹ لیا۔

## باب سن الاضحیۃ

(قربانی کے جانور کی عمر)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ (ص ۱۵۵ سطر ۴، ۵)

## تشریح

قولہ: لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، (ص ۱۵۵ سطر ۵)

”مسِنَّة اور ”ثنی“ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں، جو ایک سال کا ہو کر دوسرے سال میں لگ جائے، جبکہ گائے، بیل اور بھینس وغیرہ میں دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں لگ جائے، اور اونٹ میں پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں لگ جائے، اس کو ”مسِنَّة“ کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>، اردو میں ان کو دو دانت کہتے ہیں۔

صرف حضرت براء بن عازبؓ کے لئے عناق (بکری کے پانچ ماہ کے بچہ) کی قربانی کی اجازت دی گئی، اور حضور ﷺ نے فرمایا: وَلَا تَجْزِيْ جَذَعَةً عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ، جیسا کہ گذشتہ باب میں گذر چکا ہے، اور اسی طرح اس باب کی ایک حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر کے لئے ”عتود“ کی قربانی کرنے کی اجازت دی، اور فرمایا: ضَحْ بِهِ أَنْتَ، صرف تم اس کی قربانی کرلو، اور ”عتود“ بکری کے اس بچے کو کہتے ہیں، جو اگرچہ سال کا تو نہ ہو، لیکن اس کی دیکھ بھال اچھے انداز میں کی گئی ہو، جس کی وجہ سے وہ خاصہ قوی ہو گیا ہو، جبکہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”عتود“ بکری کے ایک سال کے بچے کو کہتے ہیں<sup>(۲)</sup>، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان حضرات کی خصوصیت تھی، عام ضابطہ نہیں تھا۔

البتہ دنبہ اور بھیڑ میں ”جَذَع“ بھی قربانی کے لئے کافی ہے، ”جذع“ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں، جس میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ اگر اس کو ایک سال کے بچوں میں چھوڑا جائے تو زیادہ فرق محسوس نہ ہو۔

(۱) مکملہ معجم ج ۳ ص ۵۵۸

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۵۵۔

باب استحباب الضحیة، وذبحها مباشرة بلا توكيل، والتسمية

### والتكبير

(قربانی، اور اس کو بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر خود ذبح کرنا مستحب ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ، وَسَمَّى وَكَبَّرَ، وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا (ص ۱۵۵ سطر ۱۲، ۱۳)

### تشریح

قولہ: أَمْلَحَيْنِ (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ املح کے معنی ہیں: بالکل سفید رنگ کا ہونا، جبکہ امام اصبغیؒ فرماتے ہیں کہ سفیدی کے ساتھ کچھ سیاہی بھی ملی ہو تو اس کو املح کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ: أَقْرَنَيْنِ (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو خوبصورت سینگ تھے۔

قولہ: صِفَاحِهِمَا (ص ۱۵۵ سطر ۱۳)

یعنی ان کے کندھے کے ایک جانب پاؤں رکھا۔

اس باب کی احادیث سے اپنی قربانی کو خود کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ (الی قولہ) ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ: بِاسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ، ثُمَّ ضَحَّى بِهِ (ص ۱۵۶ سطر ۵ تا ۷)

### تشریح

قولہ: بِاسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ،

(ص ۱۵۶ سطر ۷)

(۱) الفائد ج ۱ ص ۳۳۳ شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۵۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۶۔

## ایک بکری ایک سے زائد افراد کی طرف سے کرنے کا حکم

اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ایک بکری ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے

یا نہیں؟

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک درست نہیں، جبکہ حضرات مالکیہ چند شرائط کے ساتھ شرکت کی اجازت دیتے ہیں، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کر رہا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے گھر میں کچھ ایسے لوگ بھی رہتے ہیں، جو اس کے ماتحت ہوں، اور وہ ان کے نان و نفقہ کا بھی ذمہ دار ہو، خواہ وجوہاً خواہ تبرعاً، تو ایسی صورت میں ان افراد کو بھی اپنی بکری کی قربانی میں شریک کر سکتا ہے، اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو پھر شرکت جائز نہیں۔

حضرات حنابلہ کے نزدیک ایک بکری میں ایک سے زیادہ افراد کی شرکت مطلقاً جائز ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں آپ نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے، آل محمد ﷺ کی طرف سے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ذبح فرمایا۔

جمہور نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد قربانی میں شریک کرنا نہیں ہے، بلکہ قربانی کے ثواب میں شریک کرنا مراد ہے۔<sup>(۱)</sup>

## باب جواز الذبح بکل ما أنهر الدم، إلا السن، والظفر، وسائر

### العظام

(دانت اور ناخن اور دیگر ہڈیوں کے سوا ہر دھار والی چیز سے ذبح کرنا

جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الی قولہ) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا لَا قُوَّةَ لِلْعَدُوِّ غَدًا، وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدَى، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْجَلْ - أَوْ أَرْنِي - مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ، فَكُلْ، لَيْسَ السِّنُّ، وَالظُّفْرُ، وَسَأُحَدِّثُكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعِظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفْرُ فَمُدَى الْخَبْشَةِ، قَالَ: وَأَصْبَنَا نَهَبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ، فَتَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ

فَحَبَسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِهَذِهِ الْبَابِ أَوَابِدَ  
كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا (ص ۱۵۶ سطر  
۸ تا ص ۱۵۷ سطر ۲)

### تشریح

قولہ: ولیست معنا مدی، قال صلی اللہ علیہ وسلم: أعجل (۱۵۶ سطر ۹)  
فرمایا: تم کوئی ایسی چیز لے لینا جو اس کو جلدی سے ذبح کر دے، یعنی چھری کے علاوہ کوئی  
اور دھار دار چیز لے لینا، ارنی: اور مجھے تم دکھا دینا اور پوچھ لینا کہ اس سے ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

قولہ: لیس السن والظفر (ص ۱۵۶ سطر ۹)

جس دھار دار چیز سے بھی ذبح کرو، درست ہے، لیکن وہ دانت اور ناخن نہ ہو۔

ناخن اور دانت میں اگر دھار ہو تو اگر یہ جسم سے الگ ہوں تو ان سے ذبح کیا ہوا جانور حلال  
ہوگا لیکن مکروہ ہوگا، اس لئے کہ ان کی دھار بہت معمولی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ جانور کو  
ذبح کرنے میں جانور کو ضرورت سے زیادہ تکلیف ہوگی، اور تکلیف کی بناء پر کراہت ہوتی ہے، اور اگر  
دانت منہ میں ہوں اور ناخن انگلی پر ہو، یعنی اپنی جگہ پر ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ کیا ہوا ذبیحہ حلال نہیں  
ہوگا، کیونکہ اس وقت وہ دھار سے ذبح نہیں ہوگا، بلکہ زور لگانے سے ذبح ہوگا، لہذا وہ موقوذا کے حکم  
میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا۔

### پالتو جانور کا جنگلی جانور کے حکم میں ہونا

قولہ: فرماہ رجل بسهم فحبسه الخ (ص ۱۵۷ سطر ۱)

حضرت نافع بن خدیجؒ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں ہمیں بہت سے اونٹ بھی ملے، جن میں  
سے ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا، ایک شخص نے اس کو تیر مارا، جس کی وجہ سے وہ رُک گیا، آپ ﷺ نے  
فرمایا: ایسی صورتحال میں اسی طرح ذبح کر لیا کرو، یعنی جب پالتو جانور جنگلی جانور کی طرح بدک کر بھاگنے  
لگے تو جیسے جنگلی جانور ذبح اضطراری سے حلال ہو جاتا ہے، اسی طرح پالتو جانور بھی ذبح اضطراری سے  
حلال ہو جائے گا، اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اگر جنگلی جانور، پالتو جانور کی طرح ہو جائے تو پھر اس



کے لئے ذبح اختیاری ہوگا نہ کہ ذبح اضطراری، جیسے کوئی ہرن کو پال لے اور وہ اسکے پاس ہل جائے تو اب اس کے حلال ہونے کے لئے اس کو اپنے اختیار سے ذبح کرنا ضروری ہے، تیر وغیرہ مار کر حلال کرنے سے وہ حلال نہیں ہوگا۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قوله) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ مِنْ يَهَامَةَ، فَأَصْبْنَا غَنَمًا وَإِبِلًا، فَعَجَلَ الْقَوْمُ فَأَغْلَوْا بِهَا الْقُدُورَ، فَأَمَرَ بِهَا فَكُفِّتْ، ثُمَّ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ الْخ (ص ۱۵۷ سطر ۲ تا ۴)

### تشریح

قوله: فعجل القوم فأغلوا بها القدور، فأمر بها فكفت، الخ

(ص ۱۵۷ سطر ۳، ۴)

لوگوں نے بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کو ذبح کر کے ہانڈیوں پر چڑھا دیا، آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے ہانڈیوں کو اُلٹنے کا حکم دیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مال غنیمت کا استعمال دارالحرب میں رہتے ہوئے تو جائز ہے، لیکن اگر مال غنیمت دارالاسلام میں آجائے تو اب کسی کو بھی اس میں سے کھانا پینا، یا استعمال کرنا جائز نہیں، اور مذکورہ بالا اونٹ اور بھیڑ بکریاں وغیرہ دارالاسلام میں آگئی تھیں، اس لئے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا استعمال کرنا جائز تھا، اس لئے آپ ﷺ نے ہانڈیوں کو اُلٹنے کا حکم صادر فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

قوله: ثم عدل عشرا من الغنم بجزور، الخ (ص ۱۵۷ سطر ۴)

پھر آپ ﷺ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا، اس سلسلے میں امام ابو اسحق کا مسلک یہ ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس حصے ہو سکتے ہیں، جبکہ گائے میں سات حصے ہوتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک جس طرح گائے میں سات حصے ہیں، اسی طرح اونٹ میں سات حصے ہیں، مذکورہ حدیث کا تعلق مال غنیمت کی تقسیم سے ہے نہ کہ قربانی سے، لہذا اس سے قربانی کے مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ البدنة

عن سبعة و البقرة عن سبعة، (او كما قال عليه السلام<sup>(۱)</sup>) وجہ اس کی یہ ہے کہ قربانی کا قاعدہ الگ ہے اور مال غنیمت کا قاعدہ الگ ہے، مال غنیمت کی بنیاد قیمت لگانے پر، اگر اونٹ اچھی نسل کا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ دس سے زیادہ بکریوں کی قیمت کے برابر ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اونٹ پانچ بکریوں کی قیمت کے برابر ہو، جبکہ قربانی کا دار و مدار قیمت پر نہیں، بلکہ اس کا مدار نقل پر ہے کہ آپ ﷺ نے جس جانور میں جتنے آدمیوں کی شرکت کو جائز قرار دیا، وہ اتنے ہی افراد کے لئے قابل شرکت ہے، قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ، (الی قولہ) عَنْ عَبَّادَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَا قُوَّةَ لَإِلَهِ إِلَّا لَكَ، (الی قولہ) وَقَالَ: فَتَدُّ عَلَيْنَا بَعِيرٌ مِنْهَا، فَرَمَيْنَاهُ بِالنَّبْلِ حَتَّى وَهَضْنَاهُ (ص ۱۵۷ سطر ۶ تا ۷)

### تشریح

قولہ: وَهَضْنَاهُ (ص ۱۵۷ سطر ۶)

وہض کا معنی ہے بہت زیادہ تیر مارنا، اور ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو زمین پر گرا دیا۔<sup>(۳)</sup>

باب بیان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد

ثلاث في أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته....

(شروع اسلام میں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی ممانعت

تھی جو بعد میں منسوخ ہو گئی)

حدثنا اسحاق بن ابراهيم الحنظلي (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَاقِدٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعُمْرَةَ، فَقَالَتْ: صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ، تَقُولُ: ذَكَرَ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حُضْرَةَ الْأَضْحَى زَمَنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج باب الاشتراك فی الهدی البحر رقم الحديث ۲۳۲۲۔

(۲) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۵۷۔

(۳) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۵۷۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اذْخِرُوا ثَلَاثًا، ثُمَّ تَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ النَّاسَ يَتَّخِذُونَ الْأُسْقِيَةَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ، وَيَجْمَلُونَ مِنْهَا الْوَدَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: نَهَيْتَ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَقَالَ: إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَةِ الَّتِي دَفَّتْ، فَكُلُوا وَادْخِرُوا وَتَصَدَّقُوا (۱۵۸ سطر ۷ تا ۱۱)

### تشریح

قوله: الدافة (۱۵۸ سطر ۱۱)

لغت میں آہستہ چلنے والی جماعت کو کہتے ہیں، اور ان دیہاتیوں کو بھی کہتے ہیں جو شہر میں مانگنے آتے ہیں، اور یہاں دافہ سے مراد وہ کمزور دیہاتی ہیں جو امداد اور غنخواری کے لئے شہر آتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: إِنَّ النَّاسَ يَتَّخِذُونَ الْأُسْقِيَةَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ الخ (۱۵۸ سطر ۱۰)  
یا رسول اللہ! لوگ اپنی قربانی سے مشکیزے بنا لیتے ہیں اور پھر اس میں چربی پکھلاتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھر لیتے ہیں۔

قوله: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ لَحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثِ الْخ  
(ص ۱۵۸ سطر ۱۰)

اس باب کی اکثر احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے تین دن تک قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا، اس کی وجہ بیان فرمائی کہ إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَةِ الَّتِي دَفَّتْ، کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا غریب دیہاتی اور بدوؤں کے آنے کی وجہ سے، یعنی شروع اسلام میں مسلمانوں میں بہت غربت تھی اور خاص طور پر دیہات میں غربت بہت زیادہ تھی، تو قربانی کے دنوں میں دیہاتوں سے غریب دیہاتی گوشت لینے کے لئے شہر آیا کرتے تھے، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی گاؤں، دیہات اور قرب و جوار سے لوگ قربانی کا گوشت لینے آتے ہیں، ان کے آنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو فراخی نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ کھانے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی کہ اب تم تین دن

سے زیادہ بھی کھا سکتے ہو، اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو اور صدقہ وغیرہ بھی کر سکتے ہو۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا، وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَأُمْسِكُوا مَا بَدَا لَكُمْ، وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيدِ إِلَّا فِي سِقَاءٍ، فَاشْرَبُوا فِي الْأَسْقِيَةِ كُلِّهَا، وَلَا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا (۱۵۹ سطر ۸ تا ۱۱)

### تشریح

قولہ: نہایتکم عن زیارۃ القبور، الخ (۱۵۹ سطر ۱۰)

باب کی اس آخری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی تھی، جن کی بعد میں اجازت دے دی، ان میں ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو شروع میں قبروں کی زیارت کے لئے جانے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اس کی اجازت ہے، دوسری یہ کہ نہایتکم عن لحوم الأضاحی فوق ثلاث، میں نے تم کو پہلے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اجازت ہے کہ تم جتنا چاہو، اپنے لئے رکھ سکتے ہو، تیسری چیز یہ تھی کہ شروع میں نہایتکم عن النبید إلا فی سقاء، میں نے تم کو نبید ”مسقاء“ (خاص برتن) کے علاوہ میں پینے سے منع کیا تھا، اب تمہیں اجازت ہے کہ جس برتن میں چاہو، نبید پی سکتے ہو۔

### باب الفرع والعتیرة

(فرع اور عتیرہ قربانی کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا فَرَعَ، وَلَا عَتِيرَةَ — الْحَدِيثُ (۱۵۹ سطر ۸ تا ۱۱)

### تشریح

قولہ: لا فرع، ولا عتیرة الخ (ص ۱۵۹ سطر ۱۱)

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۵۸، اسی وجہ سے قربانی کے گوشت کے بارے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ اس کے تین حصے کر کے یک تہائی پنے کھانے کے لئے رکھے اور یک تہائی پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو عہد یہ کر دے اور ایک تہائی صدقہ کر دے۔ مکملۃ فتح الملہم ج ۲ ص ۵۵۵ و بدائع الصنائع کتاب النصحیہ فصل وأما بیان ما یستحب قبل النصحیہ وعلیہا وبعدها وما یکرمہ، ج ۵ ص ۸۰۔

اونٹنی، گائے یا بکری کے پہلے بچے کو ”فرع“ کہتے ہیں، اس پہلے بچے کو مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور اس کے خون کو بت کے سر پر لگایا کرتے تھے۔

اور ”عتیرۃ“ رجب کے پہلے عشرہ میں قربانی کرنے کو کہتے ہیں، مشرکین عرب رجب کے پہلے عشرے میں قربانی کیا کرتے تھے، اس کو ”عتیرۃ“ کہتے ہیں، جس کا دوسرا نام ”رجبۃ“ ہے۔<sup>(۱)</sup>

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اب ”فرع“ اور ”عتیرۃ“ دونوں منسوخ ہیں، اور اب یہ ناجائز ہیں، ان کی دلیل حدیث الباب ہے، البتہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک مستحب ہے، جبکہ وہ اللہ کے نام پر ہو، اور اس حدیث کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث باب میں وجوب کی نفی ہے جواز کی نفی نہیں ہے<sup>(۲)</sup>، ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! فرائع اور عتائر کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا دل چاہے ”فرع“ اور ”عتیرۃ“ کی قربانی کرے اور جس کا دل نہ چاہے نہ کرے، تو اس حدیث سے جواز ثابت ہوا۔<sup>(۳)</sup>

### باب تحریم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله

(غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت ہے)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) قَالَ نَا أَبُو الطَّفِيلِ عَامِرُ بْنُ وَائِلَةَ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسِرُّ إِلَيْكَ، قَالَ: فَغَضِبَ، وَقَالَ: مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسِرُّ إِلَيَّ شَيْئًا يَكْتُمُهُ النَّاسُ، (الی قولہ) وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ. (ص ۱۶۰ سطر ۱۳ تا ۱۶۱)

### تشریح

قولہ : ولعن الله من غير منار الأرض، الخ (ص ۱۶۰ سطر ۱۶)

اور اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں ایسے شخص پر، جو زمین کے نشانات مٹائے، پہلے زمانے میں بھی اور آج کل بھی ہر آدمی کی زمین پر خود اس کی طرف سے لگائی جانے والی نشانی یا سرکاری طور پر کوئی نشانی ہوتی

(۱) شرح البیہقی ج ۲ ص ۵۹

(۲) بحکمۃ فتح المسیم ج ۳ ص ۵۸۲، ۵۸۵ و شرح البیہقی ج ۲ ص ۱۶۰

۳ سنی السنائی باب الفروع والعمیۃ رحمہم الحدیث ۱۵۴۰ موسند احمد حدیث الحارث بن عمرو رحمہم الحدیث ۱۵۹۷۲

ہے، اس کو ”منار“ کہتے ہیں،<sup>(۱)</sup> اب جس کو کسی کی زمین پر قبضہ کرنا ہوتا، وہ اس کی زمین پر لگی ہوئی نشانیاں مٹا دیتا یا آگے پیچھے کر دیتا، اس پر بہت سخت وعید ہے کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے۔

## کتاب الأشربة

### شرابوں کا حکم

باب تحريم الخمر، وبيان أنها تكون من عصير العنب، ومن التمر

والبسر والزبيب، وغيرها مما يسكر

(یہ باب حرمت خمر کے بیان میں ہے اور یہ کہ خمر انگور کے شیرہ سے بنتی ہے،

چھوڑا، کچی کھجور اور کشمش وغیرہ سے نشہ لانے والی شراب بھی خمر ہے)

جب مصنفؒ کو لالت کی احادیث کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب مشروبات کی احادیث بیان

فرماتے ہیں، مشروبات میں حلال و جائز مشروبات بھی ہیں اور حرام و ناجائز مشروبات بھی ہیں۔

### حرمت خمر کی حکمت

حضرت امام مسلمؒ نے بہت خوبصورت انداز میں حرمت خمر کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ احادیث

طیبہ کی روشنی میں پہلے ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ جن میں شراب کے نقصانات کا ذکر ہے، اس کے

بعد حرمت خمر کی احادیث بیان فرمائیں، اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شارع نے شراب

کو کیوں حرام قرار دیا؟ اور اس کی حکمت وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ ﴿إِنَّهُمْ هُمَا الْكُفْرَانُ

نَفْعُهُمَا﴾<sup>(۲)</sup> کہ اس کا نقصان اس کے نفع پر بڑھا ہوا ہے، اور شراب تو ویسے بھی اُمّ الخبائث ہے۔

ان واقعات میں سب سے خاص واقعہ حضرت علیؓ کا ہے، چونکہ اکثر احادیث میں یہ واقعہ مذکور

ہے، اس لئے پہلے اس کا خلاصہ عرض کر دوں، غزوہ بدر کے بعد حضرت علیؓ کے اپنے حصے میں ایک اونٹنی آئی

اور ایک اونٹنی آپ ﷺ نے ذوی القربی کے حصے کے طور پر ان کو عطا فرمائی، اس وقت تک حضرت علیؓ

کے یہاں حضرت بی بی فاطمہؓ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی، رشتہ طے ہو چکا تھا، حضرت علیؓ نے سوچا کہ رخصتی

کے لئے ولیمہ کا بندوبست کرنا چاہئے، ولیمہ اگرچہ واجب نہیں لیکن سنیق ہے، اور حضور ﷺ کے

(۱) سیرۃ النبوی ج ۲ ص ۱۶۰

(۲) سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۱۹



زمانے میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے موقع پر مہر کا کچھ حصہ پیشگی دیا جاتا تھا، اس لئے اس کام کے لئے کچھ پیسے چاہئیں تھے، تو حضرت علیؑ نے بنو قینقاع جو مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، ان میں سے ایک سنا کو اپنے ساتھ لیا کہ ہم دونوں مل کر جنگل سے اذخر گھاس جمع کریں گے اور اس کو ان اونٹنیوں پر لاد کر شہر میں لائیں گے اور ان کو بیچیں گے، اور اس سے جو آمدنی ہوگی، اس میں سے اپنے حصے سے، میں اپنے ویسے کا بندوبست کروں گا، چنانچہ حضرت علیؑ نے وہ دونوں اونٹیاں ایک انصاری کے مکان کے باہر باندھ رکھی تھیں اور گھاس کے لئے بورے اور تھیلے وغیرہ جمع فرما رہے تھے، اس مکان میں حضرت حمزہؓ اور ان کے احباب شراب نوشی میں مصروف تھے، اور اپنے رواج کے مطابق گانے بجانے میں مشغول تھے، اس وقت تک شراب نوشی اور خوش طبعی کے لئے گانا بجانا ممنوع نہیں ہوا تھا، چنانچہ ایک گانے والی باندی نے یہ مصرعہ پڑھ دیا

### ألا يا حمز للشرف النواء

اے حمزہ! موٹی موٹی اونٹیاں باہر کھڑی ہیں، یہ سنتے ہی حضرت حمزہؓ جو نشے میں تھے، اٹھے اور اونٹنیوں کے کوہان اور ان کی کوکھیں کاٹ دیں، اور ان کا کام تمام کر دیا، حضرت علیؑ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا اور انہوں نے آکر دیکھا تو ان کو بہت دکھ ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ روتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورتحال بیان کی، آپ ﷺ زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر حضرت حمزہؓ کی طرف روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے اور حضرت حمزہؓ پر غصہ کا اظہار فرمایا تو چونکہ وہ نشہ میں تھے، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا اهل انتم الا عبید لا باتی، کہ تم میرے آباء و اجداد کے غلام ہو، باپ سے یہاں حضرت عبدالمطلب کی طرف اشارہ تھا، آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ نشہ کی حالت میں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے اٹے پاؤں واپس تشریف لے آئے، اور حضرت علیؑ نے بعد میں حضرت حمزہؓ سے ان دو اونٹنیوں کا ضمان وصول کیا یا نہیں؟ ان احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ (۱) نے فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ابو بکر بن عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان دو اونٹنیوں کا تاوان دلویا تھا۔۔۔ بہر حال شراب کے نشے کی وجہ سے اتنا بڑا واقعہ اور حادثہ رونما ہوا اور حضرت علیؑ کا اتنا بڑا مالی نقصان ہوا۔ حضرت امام مسلمؒ نے کتاب الاشراب کے شروع میں یہ حدیث لکھی تاکہ شراب کے حرام ہونے کی حکمت معلوم ہو جائے۔

قَالَ : كَانَتْ لِي شَارِقٌ

رَبِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أُبْتِنِي بِفَاطِمَةَ بِنْتِ

م، وَأَعَدْتُ رَجُلًا صَوَاعًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ

أَرَدْتُ أَنْ أُبِيعَهُ مِنَ الصَّوَاعِغِ فَأُسْتَعِينَ بِهِ فِي

أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِقِي مَتَاعًا مِنَ الْأَقْتَابِ، وَالْغَرَائِرِ

وَالْجِبَالِ، رَفَأَى مُنَاخَتَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ،

وَجَمَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ، فَإِذَا شَارِقَايَ قَدْ اجْتَبَتْ أُسْمَتُهُمَا،

وَبَقِرْتُ خَوَاصِرَهُمَا، وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنِي حِينَ رَأَيْتُ

ذَلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا، قُلْتُ : مَنْ فَعَلَ هَذَا؟ قَالُوا : فَعَلَهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ

الْمُطَّلِبِ وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الْأَنْصَارِ غَنَّتُهُ قَيْنَةُ وَأَصْحَابُهَا،

فَقَالَتْ فِي غَنَائِهَا : أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرْفِ النَّوَاءِ، فَقَامَ حَمْزَةُ بِالسَّيْفِ فَاجْتَبَتْ

أُسْمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، فَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، فَقَالَ عَلِيٌّ : فَأَنْطَلَقْتُ

حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ،

قَالَ : فَعَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ الَّذِي لَقِيتُ،

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا لَكَ؟ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ،

وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، عَدَا حَمْزَةُ عَلَى نَاقَتِي، فَاجْتَبَتْ أُسْمَتَهُمَا،

وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، وَهِيَ هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرِبْتُ، قَالَ : فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِدَائِهِ فَأَرْتَدَّاهُ، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ

حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَابَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُ، فَإِذَا هُمْ

شَرِبْتُ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ، فَإِذَا

ہے، اس کو "منار" کہتے ہیں، (۱) اب جو منار کے  
نشانیاں مٹا دیتا آگے بچھڑکے  
سے لعنت ہو۔  
میں نے اپنے منار کو منار کے  
نشانیاں مٹا دیتا آگے بچھڑکے  
سے لعنت ہو۔

حَمَزَةٌ مُحَمَّرَةٌ عَيْنَاهُ، فَنَظَرَ حَمَزَةً إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتَيْهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ  
فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ، فَقَالَ حَمَزَةٌ: وَهَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عِبِيدُ لِأَبِي، فَقَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ثَمَلٌ، فَكَصَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَلَى عَقْبِيهِ الْقَهْقَرَى، وَخَرَجَ وَخَرَجْنَا مَعَهُ. (ص ۱۶۱ سطر ۱۳ ص ۱۶۲  
سطر ۹)

### تشریح

قوله : الأفتاب، والغرائر والحبال، الخ (ص ۱۶۲ سطر ۱)  
الفتاب، جمع ہے قتب کی، پالان کو کہتے ہیں، غرائر، غریبہ کی جمع ہے، تھیلے، حبال،  
حبل کی جمع ہے، اس کا معنی ہیں: رسی۔ شارف: اونٹنی کو کہتے ہیں، اکباد، کھد کی جمع ہے، اس کے معنی  
ہیں کھجی۔

قوله : فَي شرب (ص ۱۶۲ سطر ۳) شرب کے معنی ہے: شرا بیوں کی جماعت۔  
قوله : ثَمَل (ص ۱۶۲ سطر ۸) ثمل کا معنی ہے: سکران،  
خَدَّيْنِ أَبُو الرَّبِيعِ سَلِيمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ  
مَالِكٍ، قَالَ: كُنْتُ سَاقِي الْقَوْمِ يَوْمَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ فِي بَيْتِ أَبِي طَلْحَةَ،  
وَمَا شَرَابُهُمْ إِلَّا الْفَضِيخُ: البُسْرُ وَالتَّمْرُ..... الحديث (ص ۱۶۲  
سطر ۱۰، ۱۱)

### تشریح

قوله : الفضیخ.... (ص ۱۶۲ سطر ۱۱)  
کچی اور پکی کھجور دونوں کو ملا کر جو شراب بنائی جائے اس کو فضیخ کہتے ہیں۔ اور اس کو خلیط  
البسر والتمر بھی کہتے ہیں۔

## شرابوں کی حرمت کا حکم اور ائمہ کا اختلاف

حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ہر نشہ لانے والا مشروب خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے، ان کی دلیل: کل مسکر خمر وکل خمر حرام ہے<sup>(۱)</sup>، لہذا شراب کی ہر وہ قسم جو نشہ آور ہو، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر ہے۔

خمر کے لئے چار حکم ہیں:

(۱) ... اس کا قطرہ قطرہ حرام ہے۔

(۲) ... موجب حد ہے۔

(۳) ... ناپاک ہے۔

(۴) ... اور اس کی بیخ ناسا جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ احکام ہر شراب پر لاگو ہوں گے، خواہ واقعہ وہ خمر ہو یا شرابہ اربعہ میں سے اربعہ ثلاثہ ہوں اور خواہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ دیگر شرابوں میں سے کوئی اور شراب ہو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک شراب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) و (۲) ... شرابہ اربعہ میں سے قسم اول الگ ہے اور باقی شرابہ ثلاثہ الگ ہیں۔

(۳) ... ان چار شرابوں کے علاوہ باقی دیگر شرابیں۔ چاہے وہ جو کی ہو یا مکی کی ہو یا جوار و باجرہ کی شراب ہو، یا گنے کی شراب ہو۔

پہلی قسم وہ ہے جو کچے انگور کے پانی سے بنائی جائے، اور اس میں اذا غلا واشتد و قذف بالزبد کی صفت پیدا ہو جائے، حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل خمر یہ ہے، اور اس کی حرمت قطعی ہے، قطعی نہیں ہے۔

دوسری قسم ہے: طلاء، انگور کا کچا شیرہ جب آگ پر پکایا جائے اور ایک تہائی سے کم اس میں سے جل جائے اور دو تہائی سے کچھ زیادہ بچ جائے اسکو ”طلاء“ کہتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

تیسری قسم ”نقیع الزبيب“، وہ یہ ہے کہ پانی میں کشمش ڈال دی جائے، جس سے پانی میٹھا ہو جائے اور اس میں جوش آجائے اور اس میں نشہ لانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

چوتھی قسم ”نقیع التمر“، چھوڑے یا کھجوریں پانی میں ڈال کر رکھ دی جائیں اور اس میں اذا غلا واشتد و قذف بالزبد کی صفت پیدا ہو جائے، یعنی اس میں جوش آجائے گاڑھی ہو جائے اور

جھاگ پیدا ہو جائیں، یعنی اس میں نشہ لانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

ان تین اشربہ ثلاثہ کی حرمت ظنی ہے، اس کے علاوہ باقی شرابیں تیسری قسم میں آتی ہیں، جیسے جو، لکی، جوار، باجرہ، کٹا وغیرہ۔ یہ من وجہ خمر کے مشابہ ہیں اور من وجہ اشربہ ثلاثہ کے۔

اگر ان میں پہلی قسم کے مشابہ ہونے کا لحاظ کریں تو اس کے چار حکموں میں دو حکم یعنی قطرہ قطرہ حرام اور ناپاک ہونا اس پر لاگو ہوں گے، اور اگر دوسری قسم کے مشابہ ہونے کا اعتبار کریں تو دو حکم اس کے لاگو ہوں گے، یعنی اتنی مقدار میں اگر ان کو پیا جائے جس سے نشہ آجائے تو موجب حد ہوگی ورنہ نہیں، اور دوسرا حکم یہ کہ ان کی بیع جائز ہوگی۔

خمر کے بارے میں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حرام ہے، البتہ اس کی اقسام کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں شراب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... انگور کا کچا شیرہ جب اس میں جوش آجائے اور وہ مسکر ہو جائے تو اس کو خمر کہتے ہیں، لفظ بھی

اور حقیقت بھی، اس کے چار احکام ہیں:

(۱) ... ایک ایک قطرہ حرام ہے۔ (۲) ... ناپاک ہے۔

(۳) ... موجب حد ہے۔ (۴) ... اور اس کی بیع ناجائز ہے۔

دوسری قسم اشربہ ثلاثہ کی ہے، یعنی طلاء، نفع التمر، نفع الزبيب، جب یہ مسکر ہو جائیں، ان کو مجازاً خمر کہتے ہیں۔ یہ حرام و نجس تو ہیں لیکن قلیل مقدار جو حدِ مسکر کو نہ پہنچے وہ موجب حد نہیں اور اسی طرح ان کی بیع بھی جائز ہے۔

شراب کی تیسری قسم وہ ہے جو ان چار کے علاوہ ہوں۔

اس تیسری قسم کی شرابوں کی من وجہ مشابہت قسم اول یعنی خمر سے ہے اور من وجہ مشابہت قسم ثانی یعنی اشربہ ثلاثہ سے ہے، لہذا اس تیسری قسم نے ہر ایک کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے دو دو حکم لے لئے، قسم اول کی مشابہت کی وجہ سے یہ حرام اور قلیل و کثیر ناپاک ہے، اور قسم ثانی کی مشابہت کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہے (امام صاحبؒ کے نزدیک)، اور حدِ مسکر سے کم موجب حد نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہورؒ فرماتے ہیں کہ ہر شراب مسکر خمر ہے اور خمر کے چار حکم اس میں پائے جاتے

ہیں چاہے وہ اشربہ اربعہ ہوں یا اس کے علاوہ دیگر شراہیں ہوں۔ غرضکہ ان کے نزدیک مذکورہ تینوں قسموں کا حکم ایک ہے کہ یہ سب خمر ہیں اور ان میں خمر کے مذکورہ چاروں احکام پائے جاتے ہیں۔

حنفیہ نے لغت اور احادیث طیبہ دونوں سے استدلال کیا ہے، امام لغت ابن منظورؒ نے لسان العرب میں فرمایا ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں جب وہ مسکر ہو جائے، اور امام لغت علامہ جوہری نے صحاح میں خمر کی یہی تعریف کی ہے<sup>(۱)</sup>، لہذا ثابت ہوا کہ لغت میں خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں۔ جب اذا غلا واشتدو قذف بالنزید کی صفت اس میں پیدا ہو جائے۔

انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ دیگر اشربہ کو لغت خمر نہیں کہتے، تقریباً چودہ یا اس سے کچھ زائد احادیث طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خمر اور غیر خمر اشربہ الگ الگ ہیں، خمر میں سکر کی قید نہیں، اس کا ایک ایک قطرہ بھی موجب حد ہے، جبکہ غیر خمر میں موجب حد ہونے کے لئے سکر کی قید پائی جاتی ہے۔

طحاوی شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور معاذ گویمین کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یمن میں دو قسم کی شراہیں ہوتی ہیں، ایک گندم (یا شہد) سے بنتی ہے اور ایک جو سے بنتی ہے، جو گندم (یا شہد) سے بنتی ہے اسے "بتع" کہتے ہیں، اور جو جو سے بنتی ہے اس کو "مزد" کہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حد نشہ سے کم کم پی سکتے ہو<sup>(۲)</sup>، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ شراہیں خمر نہیں اور خمر کا جو حکم اوپر گزرا وہ ان کا نہیں، کیونکہ اگر یہ خمر ہوتیں تو ان کا قطرہ قطرہ حرام اور نجس ہوتا، لہذا حد نشہ سے کم کم پینے کی آپ ﷺ اجازت کیسے دے سکتے تھے؟

اسی طرح طحاوی شریف میں ایک اور روایت ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ حرمت الخمر لعینھا والسکر من کل شراب<sup>(۳)</sup>، خمر بالذات حرام کی گئی ہے جبکہ دیگر اشربہ کا سکر کی حد تک پینا حرام ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہورؒ بھی احادیث طیبہ سے استدلال فرماتے ہیں، شارحین نے تقریباً دس احادیث طیبہ ان کے موقف میں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے بطور نمونہ دو تین آپ کے سامنے عرض

(۱) صحاح جوہری بحرف طیبہ مادة "تمر" ۱۶۸/۲۔

(۲) شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب ما یحرم من الخمر ۳۲۷/۲۔

(۳) شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب ما یحرم من الخمر ۳۲۳/۲۔



کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ، خمر کی حرمت نازل ہو چکی ہے، وہی من خمسۃ اشياء اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے، العنب والتمر والحنطة و الشعير والعسل، والخمر ما خامر العقل<sup>(۱)</sup>، اور خمر اس کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، اس سے ثابت ہوا کہ کل مسکر خمر، کیونکہ سکر سے انسان کی عقل مآذوف ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ابو داؤد شریف میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

إِن مِّنَ الْعَنْبِ خَمْرًا، وَإِن مِّنَ التَّمْرِ خَمْرًا، وَإِن مِّنَ الْعَسَلِ خَمْرًا،

وإِن مِّنَ الْبُرِّ خَمْرًا، وَإِن مِّنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا<sup>(۲)</sup>

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے عنب، تمر، عسل وغیرہ سے بننے والی شراب کو خمر فرمایا۔

حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب بھی احادیث طیبہ سے ثابت ہے، اور جمہور کا مذہب بھی احادیث طیبہ سے ثابت ہے، البتہ لغت کے اعتبار سے حنفیہ کا مذہب قوی ہے، کیونکہ لغت میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں، جبکہ روایۃ ائمہ ثلاثہ کا مذہب زیادہ قوی ہے۔

### الکحل کا حکم

ایک شراب وہ ہے جو تقریباً سو سال سے ہمارے زمانے میں وجود میں آئی ہوئی ہے، اس کو الکحل کہتے ہیں، یہ شراب کی روح ہے، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر اثریہ اربعہ سے الکحل حاصل کیا جائے تو خمر کے چاروں احکام اس پر لاگو ہوں گے، اور اگر اثریہ اربعہ کے علاوہ کسی اور چیز سے اس کو بنایا جائے، جیسے گندم، بکئی، جوار، باجرہ، مگنے کا چھلکا، پٹرول وغیرہ، تو ایسا الکحل پاک ہوگا، دواء اسکا استعمال بھی جائز ہوگا اور غذا استعمال بھی حد سکر سے کم کم جائز ہوگا، چونکہ یہ پاک ہے لہذا اس کا اسپرے وغیرہ کپڑے یا بدن پر لگانا جائز ہے، اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوں گے، ہومیو پیتھک کی اکثر دواؤں میں الکحل استعمال ہوتا ہے، اسی طرح ایلو پیتھک دواؤں کے مشروبات میں بھی الکحل

(۳) صحیح البخاری کتاب الاشریۃ باب ما جاء فی أن الخمر ملخامر العقل من الشراب رقم الحدیث: ۵۱۶۰

(۴) سنن بیہقی کتاب الاشریۃ باب الخمر مما هو رقم الحدیث: ۳۱۹۱۔

استعمال ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ عام طور پر اشریہ اربعہ کے علاوہ دیگر حلال اور پاکیزہ چیزوں سے حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے حدِ سکر سے کم کم دوا یا غذاء کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

جب آپ ﷺ نے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا تو وہ شراب مدینہ کی گلیوں میں نالیوں میں بہہ رہی تھی، چونکہ شراب کو حرام اور ناپاک قرار دیا گیا تو جو لوگ اس کی حرمت سے پہلے اس دنیا سے چلے گئے، لوگوں کو ان کے بارے میں شبہ ہوا کہ ان کا کیا انجام ہوگا؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعُمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ. (المائدة: ۹۳) (۲)

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ سَرْحٍ، (المرسل) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُخْلَطَ التَّمْرُ وَالزَّهْوُ، ثُمَّ يُشْرَبَ..... الحديث (ص ۱۶۳ سطر ۹، ۱۰)

### تشریح

قوله: الزهْو (ص ۱۶۳ سطر ۱۰) مکی کھجور کو کہتے ہیں۔

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (المرسل) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ، قَالَ: كُنْتُ أَسْقِي أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ، وَأَبَا طَلْحَةَ، وَأَبِيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فُضِيخٍ وَتَمْرٍ، فَأَتَاهُمْ آبٌ، فَقَالَ: إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أَنَسُ، فَمُ إِلَى هَذِهِ الْجَرَّةِ فَانْكُسِرْهَا، فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى تَكْسُرَتْ (ص ۱۶۳ سطر ۱۰ تا ۱۲)

### تشریح

قوله: مِهْرَاس (ص ۱۶۳ سطر ۱۲) پتھر کو تراش کر بنایا ہوا برتن۔

(۱) بحکمہ فتح المبین ج ۳ ص ۸۳

(۲) بحکمہ فتح المبین ج ۳ ص ۸۳ تا ۸۴۔

## باب تحریم تخلیل الخمر

(خمر کا سرکہ بنانے کا حکم)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ تَتَّخَذُ خَلًّا، فَقَالَ لَا. (ص ۱۶۳ سطر ۱۴، ۱۵)

## تشریح

خمر کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اس بات پر توافق ہے کہ اگر خمر رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، اور وہ پاک اور حلال ہے، اور اگر کوئی اپنے اختیار سے خمر کو سرکہ بنائے تو اس میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خمر سے سرکہ بنانا بلا کراہت جائز ہے، وہ حلال بھی ہے اور پاک بھی ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں خمر کا سرکہ بنانا جائز نہیں، اگر بنالیا تو وہ حرام ہوگا اور نا پاک ہوگا اور اس کا استعمال کرنا ناجائز ہوگا، بشرطیکہ اس میں کوئی پاک چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ شراب کا سرکہ بنانا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی نے سرکہ بنالیا تو وہ پاک اور حلال ہوگا، شوافع اور حنابلہ کی دلیل حدیث الباب ہے، اس میں آپ ﷺ نے سرکہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: خیر خلکم خل خمرکم، جس کو امام سخاویؒ نے المقاصد المحسنہ میں ص ۲۰۶ پر نقل فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup> بہترین سرکہ وہ ہے جو خمر سے بنایا جائے، بعض حضرات نے اگرچہ اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے، لیکن متعدد حضرات نے اس کی توثیق بھی کی ہے، حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی، وہ مر گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کے چمڑے کو دباغت کیوں نہ دے دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! وہ تو میت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے، جیسے خمر کا سرکہ بن جانے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ جب شراب حرام ہوئی تھی تو اس وقت آپ ﷺ نے کئی دوسری چیزوں کو بھی حرام فرمایا تھا، جیسے شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے سے منع فرمایا، اسی طرح آپ ﷺ نے خمر کا سرکہ بنانے سے بھی منع فرمایا، سدا للدریعة<sup>(۳)</sup>، دلیل اس کی یہ ہے، حضرت انسؓ

(۱) مسند بکری لم یصح کتاب الترمذی باب ذکر الخمر الدی ورد فی خل الخمر، رقم الحدیث ۱۱۲۰۳

(۲) مسند بکری کتاب الاشریة باب تتخذ الخمر خل الخمر رقم الحدیث ۴۷۶۷

(۳) کنز الدقائق ج ۲ ص ۶۱۴

سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے یہاں ایک یتیم بچہ تھا، انہوں نے اس یتیم کے لئے خمر خریدی، خریدنے کے بعد حضور ﷺ نے اس کو حرام قرار دے دیا، انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے یتیم کے لئے خمر خریدی تھی، لیکن آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا، کیا میں اس کا سرکہ نہ بنالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لا<sup>(۱)</sup>، (کما فی الدار قطنی فی مسننہ) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے شراب کو حرام فرمایا تھا، اس وقت شراب کو سرکہ بنانے سے بھی منع فرما دیا تھا، پھر جس طرح بعد میں شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی، ایسے ہی شراب کو سرکہ بنانے کی اجازت بھی آپ ﷺ نے دے دی۔

### باب تحریم التداوی بالخمیر

(خمر سے علاج کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ الْجُعْفِيَّ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ، فَنَهَاةً - أَوْ كَرِهَةً - أَنْ يَصْنَعَهَا، فَقَالَ: إِنَّمَا أُصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ، فَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهُ دَاءٌ. (ص ۱۶۳ سطر ۱۵ تا ۱۷)

### تشریح

#### حرام اشیاء سے علاج کرنے کا حکم

حرام اشیاء جیسے شراب اور پیشاب وغیرہ سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، شوافعؒ کے نزدیک نشہ لانے والی اشیاء جیسے شراب وغیرہ کے علاوہ دیگر حرام و ناجائز اشیاء سے علاج کرنا جائز ہے جبکہ اس سے شفا کا قوی امکان ہو۔ حنفیہ میں بھی اختلاف ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن اکثر مشائخ حنفیہ نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی طبیب حاذق مریض سے کہے کہ تمہارے مرض کا علاج اس حرام و نجس چیز کے علاوہ کسی اور میں نہیں، اور اسی سے تمہیں شفا ہوگی تو اس کے لئے اُس سے علاج کرنا جائز ہے، (اس مسئلہ کی دلائل کے ساتھ پوری تفصیل تکملة فتح الملہم جلد ثانی کتاب القسامۃ ۳۰۱ پر ملاحظہ ہو)۔

(۱) مسند ابی یحییٰ الموصلی رحمہ اللہ ص ۶۳۹۳ و مسند الدار قطنی کتاب الاشریۃ باب انعاد الحل من الخمر رحمہ اللہ ص ۶۵۔

## باب کراہۃ انتباذ التمر والزبيب مخلوطین

(کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الى قوله) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُنْبَذَ التَّمْرُ وَالزَّبِيبُ جَمِيعًا، وَنَهَى أَنْ يُنْبَذَ الرُّطْبُ وَالْبُسْرُ جَمِيعًا (ص ۱۶۳ سطر ۲۲، ۲۳)

### تشریح

کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا مکروہ ہے

کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانا کیسا ہے؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے، اور اس باب کی تمام احادیث ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، جمہور مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### احناف کے دلائل

حنفیہ کی دلیل ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ حضرت صفیہ بنت عطیہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کھجور و کشمش کی نبیذ کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ میں خود حضور ﷺ کے ایک مٹھی کھجور اور ایک مٹھی کشمش لیتی ہوں اور دونوں کو پانی میں ڈال دیتی ہوں اور پھر ان کو مسلتی ہوں، اس کے بعد پھر ان سے نبیذ بنا کر حضور ﷺ کو پلاتی ہوں۔<sup>(۲)</sup>

ابوداؤد شریف ہی کی دوسری روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں کچھ کھجوریں اور کچھ کشمش لیکر ایک برتن میں ڈال دیتی ہوں اور پھر جب اس سے پانی بیٹھا ہو جاتا ہے تو حضور ﷺ کو پلا دیتی ہوں۔<sup>(۳)</sup>

ایک وہ واقعہ ہے جو ہدایہ میں ہے کہ ابن زیاد نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں افطار کیا، کھانا وغیرہ کھانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مشروب پلایا، مشروب پی کر وہ گھر چلے گئے اور دوسرے دن ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اے عبداللہ! کل تم نے کیا پلایا تھا؟

(۱) شرح البیروتی ج ۲ ص ۶۲

(۲) مسنن ابی داؤد کتاب الأشریہ باب فی الخبطین رقم الحدیث ۳۲۲۱

(۳) مسنن ابی داؤد کتاب الأشریہ باب فی الخبطین رقم الحدیث ۳۲۲۰

گھر جانا مشکل ہو گیا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس میں عجوہ اور کشمش کے علاوہ اور کچھ نہیں ملایا، اگر ناجائز ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیسے یہ نبیذ بناتے اور پھر دوسروں کو کیسے پلاتے؟ معلوم ہوا کشمش اور کھجور ملا کر نبیذ بنانا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس لئے حنفیہ ان احادیثِ باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جس وقت شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تھا، تو شراب کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے شراب کے متعلق دیگر بہت سی چیزوں سے بھی منع فرمایا تھا، جیسے شراب کے برتنوں کا استعمال، شراب کا سرکہ بنانا وغیرہ تو اس وقت کھجور اور کشمش ملا کر نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا تھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب دو چیزیں پانی میں ڈال کر نبیذ بناتے ہیں تو اس کے جلد نشہ آور ہونے کا امکان ہوتا ہے، لہذا خدشہ تھا کہ اس طرح سے نبیذ بنانے کی اجازت کہیں دوبارہ شراب پینے تک نہ پہنچادے، اس لئے اس دروازہ کو بھی بند کر دیا گیا، بعد میں جب شراب کی حرمت اچھی طرح ذہنوں میں راسخ اور پختہ ہو گئی تو جس طرح دیگر چیزوں کی اجازت دی گئی، کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ (حکملۃ فتح الملہم)<sup>(۲)</sup>

باب النہی عن الانتباز فی المزفت والدباء والحنتم والنقیور، و بیان

أنه منسوخ، وأنه اليوم حلال ....

(مزفت، دباء، حنتم اور نقیر میں نبیذ بنانے کی ممانعت اور یہ کہ اب یہ حکم

منسوخ ہے)

اس باب کے شروع میں حضرت امام مسلمؒ وہ احادیث لائے ہیں، جن سے شراب کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، پھر آخر میں اجازت کی احادیث لائے ہیں معلوم ہوا کہ جن احادیث میں شراب کے برتن استعمال کرنے کی ممانعت ہے وہ منسوخ ہیں اور جن احادیث میں اجازت ہے وہ انکے لئے ناسخ ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُبَذُّ لَهُ فِي تَوْرِ مِنْ حِجَارَةٍ (ص ۱۶۶ سطر ۲۵)

(۱) مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۶، کتاب الاشراف

(۲) حکملۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۶۱۸



## تشریح

تور: پتھر کے بڑے پالے کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

باب بیان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام  
(ہر مسکر خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَأَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَتَعِ، فَقَالَ: كُلُّ شَرَابٍ أُسْكِرَ فَهُوَ حَرَامٌ  
(ص ۱۶۷ سطر ۱۰۵)

## تشریح

شہد کی شراب کو ”بتع“ بھی کہتے ہیں۔

قوله: كل شراب أسكر فهو حرام (ص ۱۶۷ سطر ۶)

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، جیسے العما الأعمال بالنیات  
جوامع الکلم میں سے ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الى قوله) سَعِيدُ بْنُ أَبِي بَرْزَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ،  
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهُ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، (الى قوله) فَقَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَا أُسْكِرَ عَنِ الصَّلَاةِ فَهُوَ حَرَامٌ  
(ص ۱۶۷ سطر ۱۳ تا ۱۶)

## تشریح

قوله: كل ما أسكر عن الصلاة فهو حرام (ص ۱۶۷ سطر ۱۶)

یہ تخصیص بعد التعمیم ہے، اس میں کوئی تعارض نہیں۔<sup>(۲)</sup>

باب عقوبة من شرب الخمر إذا لم يتب منها بمنعه إياها في  
الآخرة

(آخرت میں شراب پینے کی سزا جبکہ پینے والا توبہ نہ کرے)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ، (الى قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

(۱) شرح بروی ج ۲ ص ۱۶۶۔

(۲) مکتبة مع المصنف ج ۳ ص ۶۳۹۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ  
الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ

(۱۶۷ سطر ۲۳، ۲۴)

## تشریح

قولہ: لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ، الخ (۱۶۷ سطر ۲۳)

شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں شراب کو حلال سمجھ کر پیا، وہ ہمیشہ کے لئے آخرت میں اس سے محروم کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے شراب کو حلال سمجھ کر تو نہیں پیا، لیکن شراب پینے کے بعد اس سے توبہ نہیں کی اور مر گیا تو آخرت میں اولاً شراب پینے سے محروم رہے گا، جب اپنے کئے کی سزا پا کر جنت میں جائے گا تو پی لے گا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا، اور توبہ کئے بغیر مر جائے گا وہ جنت میں جا کر بھی شراب پینے سے محروم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی طبیعت ایسی بنادیں گے کہ اس کی شراب پینے کی چاہت ختم ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

## باب إِبَاحَةِ النَّبِيذِ الَّذِي لَمْ يَشْتَدْ وَلَمْ يَصِرْ مُسْكِرًا

(نبیذ جائز ہے جبکہ وہ نشہ لانے والی نہ ہو)

اس باب میں نبیذ کا حکم بیان کیا جا رہا ہے، انگور کی نبیذ، بھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ یا کسی اور چیز کی نبیذ اس کو کہتے ہیں کہ ان چیزوں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور جب پانی بیٹھا ہو جائے تو اسے پی لیا جائے، چونکہ نبیذ حدِ مسکر سے کم کم ہوتی ہے، اس لئے یہ بالاجماع پاک اور حلال ہے، اور آپ ﷺ سے اس کا پنا ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، ہاں البتہ آپ ﷺ ایک دو دن تک اس کو پیتے، جب دیکھتے کہ اس میں سکر کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں تو اس کو پھینکنے کا حکم فرما دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كُنَّا نَبْنِذُ

لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِقَاءِ يُوكِي أَغْلَاهُ وَلَهُ

عَزْلَاءٌ... الحديث (ص ۱۶۸ سطر ۲۰، ۲۱)

### تشریح

عزلاء کے معنی سوراخ کے آتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: دَعَا أَبُو أُسَيْدٍ

السَّاعِدِيُّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُرْسِهِ، فَكَانَتْ امْرَأَتُهُ

يَوْمَئِذٍ خَادِمَتَهُمْ وَهِيَ الْعُرُوسُ، قَالَ سَهْلٌ: تَذَرُونَ مَا سَقَتْ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمْرَاتٍ مِنَ اللَّيْلِ فِي تَوْرٍ، فَلَمَّا أَكَلَ

سَقَتْهُ إِيَّاهُ (ص ۱۶۸ سطر ۲۱ تا ۲۳)

### تشریح

قولہ: دعا ابو اسید الساعدی رسول اللہ ﷺ فی عرسہ

(ص ۱۶۸ سطر ۲۲)

ابو اسیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی شادی کے موقع پر دعوت دی، اس دن ان کی بیوی نے

مہمان نوازی کی خدمت انجام دی، یہ پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلا کا واقعہ ہے، اور پھر انہوں

نے رسول اللہ ﷺ کو چند کھجوریں پانی میں ڈال کر پیش کیں، جنہیں آپ ﷺ نے تناول فرمایا اور

انکا پانی (نبیذ) نوش فرمایا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) وَقَالَ: فِي تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ،

فَلَمَّا فَرَّغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ أَمَاتَتْهُ، فَسَقَتْهُ

تَخْصُهُ بِذَلِكَ. (۲۶۹ سطر ۲، ۳)

### تشریح

قولہ: أماتته (۱۶۹ سطر ۳)

اماتہ کے معنی آتے ہیں: ملنا، بھٹلنا، باریک کرنا۔<sup>(۱)</sup>

## باب جواز شرب اللبن

(دودھ پینا جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى (الی قولہ) سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، يَقُولُ: لَمَّا أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَاتَّبَعَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ بْنُ جُعْشِمٍ، قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاخَتْ فَرَسُهُ، فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ لِي وَلَا أَضُرَّكَ، قَالَ: فَدَعَا اللَّهَ..... الحديث (۱۶۹ سطر ۱۲ تا ۱۴)

## تشریح

قوله : فساخت فرسه، (۱۶۹ سطر ۱۴) ان کا گھوڑا دھنس گیا،

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ، (الی قولہ) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى لَيْلَةَ أُسْرَى بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ..... الحديث (ص ۱۶۹ سطر ۱۵ تا ۱۷۰ سطر ۱)

## تشریح

قوله : بإيلياء (۱۶۹ سطر ۱۴) بیت المقدس کو ایلیا بھی کہتے ہیں۔

## باب الأمر بتغطية الإناء وإيكاء السقاء.....

حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، (الی قولہ) أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ - أَوْ أَمْسَيْتُمْ - فَكُفُّوا صَبْيَانَكُمْ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ. (ص ۱۷۰ سطر ۱۷۱ تا ۱۷۱ سطر ۱)

## تشریح

قوله : جنح الليل، (۱۶۹ سطر ۱۴) رات کی تاریکی کو کہتے ہیں،

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُرْسِلُوا فَوَاشِيَكُمْ وَصَبْيَانَكُمْ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتَّى

تَذْهَبَ فَحَمَةُ الْعِشَاءِ، فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَتَّبِعُ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتَّى  
تَذْهَبَ فَحَمَةُ الْعِشَاءِ (۱۷۱ سطر ۴ تا ۷)

قولہ : فواشی، فاشیہ کی جمع ہے، مویشی اور جانور کو کہتے ہیں، اور فحمة کا معنی ہے  
رات کی تاریکی۔

حَدَّثَنَا عُمَرُو النَّاقِدُ (الی قولہ) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: غَطُّوا الْإِنَاءَ، وَأَوْكُوا السَّقَاءَ، فَإِنَّ فِي  
السَّنَةِ لَيْلَةٌ يَنْزِلُ فِيهَا وَبَاءٌ، لَا يَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ، أَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ  
عَلَيْهِ وَكَاءٌ، إِلَّا نَزَلَ فِيهِ مِنْ ذَلِكَ الْوَبَاءِ (ص ۱۷۱ سطر ۸ تا ۱۰)

### تشریح

قولہ : الْوَبَاءُ (ص ۱۷۱ سطر ۱۰)

وباء ایسی بیماری کو کہتے ہیں جس میں غالب امکان ہلاکت کا ہو۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الی قولہ) قَالَ اللَّيْثُ: فَأَلَا عَاجِمُ عِنْدَنَا  
يَتَّقُونَ ذَلِكَ فِي كَانُونِ الْأَوَّلِ. (ص ۱۷۱ سطر ۱۱ تا ۱۲)

### تشریح

قولہ : كَانُونِ الْأَوَّلِ، (ص ۱۷۱ سطر ۱۲) دسمبر کے مہینے کو کانون کہتے ہیں۔

## باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما

(کھانے پینے کے آداب و احکام)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ حُدَيْفَةَ، قَالَ: كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا  
مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتَّى يَبْدَأَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ يَدَهُ، وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَامًا، فَجَاءَتْ  
جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفِعُ، فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا، (الی قولہ) فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يُذَكَّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ... الحديث  
(ص ۱۷۱ سطر ۱ تا ص ۱۷۲ سطر ۱)

### تشریح

قوله : لم نضع أيدينا حتى يبدأ رسول الله صلى الله عليه وسلم

(ص ۱۷۱ سطر ۱)

اس حدیث سے دو آداب معلوم ہوئے، پہلا یہ کہ اگر دسترخوان پر کوئی بزرگ موجود ہو تو کھانے کی ابتداء ان سے کروانی چاہئے، اور دوسرا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا چاہئے۔  
حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ، فَقَالَ: كُلْ بِيَمِينِكَ، قَالَ: لَا أُسْتَطِيعُ، قَالَ: لَا اسْتَطَعْتُ، مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبَرُ، قَالَ: لَمَّا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ. (ص ۱۷۲ سطر ۱ تا ۱۸۱)

### تشریح

قوله : لا استطعت، ما منعه إلا الكبر، الخ (ص ۱۷۲ سطر ۱)

بعض حضرات نے کہا کہ اس آدمی کا نام بسر بن راعی العیر الاشجعی تھا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، سَمِعَهُ مِنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: كُنْتُ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصُّحْفَةِ، فَقَالَ لِي: يَا غُلَامُ، سَمِ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ (ص ۱۷۲ سطر ۱۸، ۱۹)

### تشریح

قوله : تطيش في الصفحة (ص ۱۷۲ سطر ۱۹)

تطيش کا معنی گھومنا<sup>(۲)</sup>، اور الصفحة کے معنی پلیٹ۔

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ:

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۱۷۲

(۲) شرح النووي ج ۲ ص ۱۷۲



نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اخْتِنَاثِ الْأُسْقِيَةِ أَنْ يُشْرَبَ مِنْ  
أَفْوَاهِهَا (ص ۱۷۳ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

قوله : اختناث الأسقية (ص ۱۷۳ سطر ۳)

مشک کو الٹا کر کے اس سے پانی پینا، اس میں چونکہ بہت زیادہ پانی پیٹ میں چلے جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، اس میں ممانعت سے مراد کراہت تنزیہی ہے (۱)۔ کیونکہ خود حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر مشک کو کچھ الٹا کر کے پانی پینا ثابت ہے۔ (۲)

### باب کراہیۃ الشرب قائما

(کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا هَذَا بْنُ خَالِدٍ، (الی قوله) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا (ص ۱۷۳ سطر ۳)

### تشریح

اس باب میں دو قسم کی حدیثیں مذکور ہیں، شروع میں وہ احادیث ہیں جن میں کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینے کی ممانعت ہے، مثلاً ایک حدیث کے الفاظ ہیں ”زجر عن الشرب قائما“ اور دوسری حدیث میں ”لہی أن يشرب الرجل قائما“ پھر اس کے بعد دوسری قسم کی احادیث میں ماء زمزم کو کھڑے ہو کر پینے کا ذکر ہے، اور حضرت کبشہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشکیزے سے پانی پیا، انہوں نے تبرکاً مشکیزہ کا وہ حصہ جس پر آپ ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے، کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ (۳)

اسی طرح حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، اور پھر فرمایا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا منع ہے، لیکن میں نے اس طرح سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کو پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۴)

(۱) سیرۃ نبوی ج ۲ ص ۱۷۳

(۲) صحیح ابن حبان کتاب الاشریۃ باب اداب الشرب رقم الحدیث ۵۳۰۸

(۳) صحیح ابن حبان کتاب الاشریۃ باب اداب الشرب رقم الحدیث ۵۳۰۸

(۴) صحیح البخاری کتاب الاشریۃ باب الشرب قائماً رقم الحدیث ۵۱۸۳

خلاصہ یہ کہ دونوں قسم کی احادیث ہیں، کھڑے ہو کر پانی پینے کی بھی اور کھڑے ہو کر پینے سے ممانعت کی بھی، اس تعارض کو دور کرنے کے لئے علماء کرام کے چھ مسلک ہیں، ان میں سے تین یہ ہیں۔  
بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو احادیث کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت پر مشتمل ہیں وہ منسوخ ہیں، اور جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت ہے وہ مانع ہیں۔  
بعض حضرات اس کا بالکل عکس فرماتے ہیں کہ ممانعت والی احادیث کو مانع اور اجازت والی احادیث کو منسوخ کہتے ہیں۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کرام کا یہی مسلک ہے، اور ایک توجیہ یہ ہے کہ جن احادیث میں ممانعت کا ذکر ہے، ان کا تعلق ان مواضع سے ہے جہاں بیٹھنے کی جگہ ہو، اور جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا ذکر ہے، ان کا تعلق ان مواضع سے ہے کہ جہاں بیٹھنے کی جگہ نہ ہو، یا جگہ تو ہو لیکن پینے والے کو کوئی عذر ہو، مثلاً وہ بیمار ہو، گھٹنے، کمر یا کسی اور جگہ تکلیف ہو یا اس کو جلدی ہو۔<sup>(۱)</sup>

### باب کراهة التنفس فی نفس الإناء

(برتن میں سانس لینے کی کراہت)

حَدَّثَنَا أَبُو أَبِي عُمَرَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ (ص ۱۷۴ سطر ۵، ۴)

### تشریح

برتن میں سانس لینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، پانی تین سانس میں پییں، لیکن ہر مرتبہ سانس لیتے وقت برتن منہ سے ہٹالیں، اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ آپ ﷺ پانی میں سانس لیتے تھے تو پھر یہ بیان جواز کے لئے ہے۔

### باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما....

(پانی اور دودھ وغیرہ دوسروں کو دینا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَأَنَا ابْنُ عَشْرٍ، وَمَاتَ وَأَنَا ابْنُ عَشْرِينَ، وَكُنْ

أَمَّهَاتِي يَحْتَشِنِي عَلَى خِدْمَتِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا دَارَنَا فَحَلَبْنَا لَهُ مِنْ شَاةٍ دَاجِنٍ،  
وَشِيبَ لَهُ مِنْ بَثْرِ فِي الدَّارِ، فَشَرِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
فَقَالَ لَهُ عُمَرُ، وَأَبُو بَكْرٍ عَنْ شِمَالِهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أُعْطِ أَبَا بَكْرٍ، فَأَعْطَاهُ  
أَعْرَابِيًّا عَنْ يَمِينِهِ، وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ  
(ص ۱۷۴ سطر ۱۱ تا ۱۴)

### تشریح

قوله : شَاةٍ دَاجِنٍ، (ص ۱۷۴ سطر ۱۳) پالتو بکری (۱)

قوله : وَشِيبَ لَهُ مِنْ بَثْرِ فِي الدَّارِ (ص ۱۷۴ سطر ۱۳)

وَشِيبَ لَهُ اِیْ خِلَطَ لَهُ (۲)

قوله : الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ (ص ۱۷۴ سطر ۱۳)

الایمن فالایمن اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، منصوب کی صورت میں اعط الايمن فالایمن اور مرفوع کی صورت میں الايمن احق فالایمن احق پڑھیں گے (۳)، حاصل یہ کہ جب کوئی چیز دینی ہو تو دائیں طرف سے دے، اور اگر بائیں طرف سے دینی ہو تو دائیں والے سے پہلے پوچھ لے۔

باب جواز أكل المرق، واستحباب أكل اليقطين،

(شوربہ کھانا جائز اور لوکی کھانا مستحب ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، يَقُولُ: إِنَّ خِيَّاطًا دَعَا  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ:  
فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَاءٌ  
وَقَدِيدٌ، قَالَ أَنَسُ: فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُ الدُّبَاءَ

(۱) شرح البزازی ج ۲ ص ۱۷۴

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) شرح البزازی ج ۲ ص ۱۷۵

مِنْ حَوَالِي الصَّحْفَةِ ، قَالَ : فَلَمْ أَزَلْ أَحِبُّ الدُّبَاءَ مُنْذُ يَوْمَئِذٍ (ص ۱۸۰)

سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

قوله: يتبع الدباء من حوالی الصفحة (ص ۱۸۰ سطر ۳)

اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ لوکی کے ٹکڑے پلیٹ میں سے تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے، اور گذشتہ احادیث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے قریب سے کھانا چاہئے، ہاتھ کو پلیٹ میں گھمانا نہیں چاہئے، تو تعارض ہوا، شارحین نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے تین جواب دئے ہیں:-

ایک جواب یہ ہے کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو ہاتھ گھمانا منع ہے، اور اگر ایک سے زیادہ قسم کا کھانا ہو تو حسب منشاء ہاتھ گھمانا جائز ہے، اور یہاں تین قسم کا کھانا تھا، ایک شوربہ، ایک پنیر اور تیسرے دبء یعنی لوکی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر شرکاء کی طرف سے مراحتہ یا دلالتہ رضا مندی ہو تو جائز ہے اور یہاں رضا مندی تھی۔

تیسری بات یہ کہ اگر آدمی اپنے ماتحتوں کے ساتھ خواہ بچے ہیں، شاگرد ہوں یا ملازم ہوں، کھانا کھا رہا ہے تو ادھر ادھر ہاتھ گھما سکتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

باب استحباب وضع النوى خارج التمر

(کھجور کے برتن سے گٹھلی الگ رکھنا مستحب ہے)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسَيْرٍ، قَالَ: نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي، قَالَ: فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ طَعَامًا وَوُطْبَةً، فَأَكَلَ مِنْهَا، ثُمَّ أَتَى بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُهُ (ص ۱۸۰ سطر ۷، ۸)

قوله: وطبة (ص ۱۸۰ سطر ۸)

گٹھی، پنیر اور کھجور کو ملا کر بنایا گیا حلوا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) بحکمہ فتح المہم ج ۴ ص ۴۰

(۲) شرح سوئی ج ۲ ص ۱۸۰

## باب استحباب تواضع الآكل، وصفة قعوده

(کھانے والے کا تواضع کرنا مستحب اور اس کے بیٹھنے کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سُلَيْمٍ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِيًا يَأْكُلُ تَمْرًا

(ص ۱۸۰ سطر ۱۲ تا ۱۴)

قولہ : مقعیاً (ص ۱۸۰ سطر ۱۴)

مقعیاً، دونوں کو لمبے زمین پر رکھے اور پنڈ لیاں کھڑی ہوں تو اس حالت کو اقعاء کہتے ہیں، یہ حالت بہت ہی عاجزانہ اور مسکنت والی ہے، اور کھانے کھاتے وقت آدمی کو متواضعانہ ہیئت ہی اختیار کرنا چاہئے نہ کہ متکبرانہ۔ اور اقعاء سے بڑھ کر متواضعانہ صورت نہیں ہو سکتی، اس لئے اکثر علماء نے فرمایا کہ اگر آدمی کھانا کھائے تو اگر التحیات میں بیٹھنے کی طرح بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہو تو یہ بہتر ہے، یا پھر دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بٹھا کر اس پر بیٹھ جائے، اور اسی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی ہلاکراہت جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

## باب نہی الآكل مع جماعة عن قران تمرتين الخ

(جماعت کے ساتھ کھانے میں ایک ساتھ دو کھجوریں منع ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) جَبَلَةُ بْنُ سُوَيْمٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ، قَالَ: وَقَدْ كَانَ أَصَابَ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ جَهْدٌ، وَكُنَّا نَأْكُلُ فَيْمُرَ عَلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ نَأْكُلُ، فَيَقُولُ: لَا تُقَارِنُوا فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْإِقْرَانِ، إِلَّا أَنْ يَسْتَأْذِنَ الرَّجُلُ أَخَاهُ (ص ۱۸۱

سطر ۱، ۲)

## تشریح

اس باب میں آپ ﷺ نے دو کھجوریں اور اسی طرح کھانے کی دیگر چیزوں میں دودو کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا، علماء نے تقارن کی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں، بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز ہیں،

پہلی صورت یہ ہے کہ کھائی جانے والی چیز اگر کھانے والوں کے درمیان مشترک ہے، تو دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر دو، دو، تین تین لے کر کھانا حرام ہے، البتہ اگر شرکاء سے صراحۃً یا دلالتاً اجازت لے لے، تو پھر جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کھانا مشترک نہیں ہے، بلکہ جو کھا رہے ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کی ملکیت ہے، تو ایسی صورت میں مالک کی اجازت کے بغیر دو، دو، تین تین کر کے اٹھا کر کھانا جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماکولات اسی کی ملکیت ہیں، تو ایسی صورت میں اس کے لئے دو، دو، تین تین اٹھا کر کھانا جائز ہے، البتہ اگر کھانا کم ہو تو فی نفسہ اس طرح کھانا جائز ہے، لیکن چونکہ اس سے ساتھیوں کو تکلیف ہوگی، اس لئے ان سے اجازت لیکر کھائے، ان کی اجازت کے بغیر نہ کھائے، اور اگر کھانا زیادہ ہو تو پھر دو، دو، تین تین ملا کر کھانے میں مضائقہ نہیں۔

لیکن علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ساری تفصیل اس زمانے میں ہوگی جب کھانے میں تنگی تھی، چنانچہ شروع اسلام کا زمانہ ایسا ہی تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں فراخی عطا فرمادی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس کی دلیل حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کنت لہیتکم عن الإقراں.... الخ<sup>(۱)</sup> کہ میں کھجور ملا کر کھانے سے تم کو منع کرتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے فراخی عطا فرمادی، لہذا اب کھا سکتے ہو، لیکن اب بھی اتنی بات ضرور ہے کہ جہاں کہیں دو، دو، تین تین ملا کر کھانا تہذیب کے خلاف ہو، وہاں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔<sup>(۲)</sup>

## باب فضل تمر المدینة

(مدینہ منورہ کی کھجور کی فضیلت)

خَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الِی قُلُوهُ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً - أَوْ إِنَّهَا تَرْيَاقٌ - أَوَّلُ الْبُكَرَةِ

(ص ۱۸۱ سطر ۱۳ تا ۱۵)

(۱) المعجم ۵۰ وسط لطبرانی رقم الحدیث ۷۲۶۸

(۲) تكملة فتح المعجم ج ۳ ص ۴۴، ۴۵۔

اضافہ بات کہ اس حدیث سے بھی اور اس باب کی دیگر احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ خصوصاً زرد

نمر سے حفاظت ہو جاتی ہے جیسے عجمہ کھجور۔ طاہر اقبال



## تشریح

قوله : تریاق (ص ۱۸۱ سطر ۱۵)

ایسی دوا یا غذا کو کہتے ہیں کہ جس کا فوری اثر ہو۔<sup>(۱)</sup>

## باب فضل الکماء، ومدادواة العین بها

(کھمبی کی فضیلت اور اس سے آنکھ کا علاج)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قوله) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ عَمْرٍو بْنِ نُفَيْلٍ،

قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: الْكَمَاءُ مِنَ الْمَنِّ،

وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ (ص ۱۸۱ سطر ۱۵، ۱۶)

## تشریح

قوله: الکماء من المن (ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

الکماء، سانپ کی چھتری۔ کھمبی۔ یہ برسات کے موسم میں بارش کے بعد زمین میں از خود اُگتی ہے، اور بہت لذیذ اور عمدہ سبزی ہے، بعض نے الکماء کو مفرد اور الکما کو جمع کہا ہے جبکہ دیگر بعض حضرات نے اس کا عکس کہا ہے<sup>(۲)</sup>۔

قوله: الکماء من المن، (ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

کھمبی ”من“ میں سے ہے، اس کی تفسیر و تشریح میں تین قول ہیں،

ایک قول یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر من نازل ہوتا تھا کہ صبح کے وقت ان کو خود بخود رکھا ہوا ملتا تھا، ایسے ہی یہ زمین سے خود بخود نکلتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح من بنی اسرائیل کو بغیر ان کے کسب کے ملتا تھا، ایسے ہی یہ کھمبی بندوں کو بغیر کسی محنت اور کسب کے ملتی ہے، یعنی اس کو اُگانے کے لئے کسی کو محنت کرنے، زمین نرم کرنے اور کھا دو پانی دینے کی ضرورت نہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ”من“ لغوی معنی میں ہے، جو ”احسان“ کے معنی میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات دو قسم کے

(۱) شرح السنوئی ج ۲ ص ۱۸۱

(۲) معان العرب حرف الهمزة مادة ”کماء“ ج ۱ ص ۱۴۸

ہوتے ہیں، ایک بلا واسطہ کہ بندے کے کسب و محنت کا اس میں کوئی دخل نہیں، یہ کھمبی بھی اسی قسم میں سے ہے، اور بعض احسانات ایسے ہیں کہ جو بندے کو سبب اور واسطے کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وماؤها شفاء للعين (ص ۱۸۱ سطر ۱۶)

اور اس کھمبی کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے، یعنی اس کے پانی کو آنکھ میں لگانا آنکھ کے امراض کے لئے مفید ہے، علامہ خطابيؒ فرماتے ہیں کہ کھمبی سے پانی نکال کر کسی سرے میں ملا کر آنکھوں میں لگایا جائے تو یہ بینائی کو بڑھاتا ہے اور پلکوں کو بڑھاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کھمبی کا صرف پانی بھی آنکھوں کے لئے مفید ہے، یہاں تک کہ میں نے اپنے زمانے کے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جن کی بینائی چلی گئی تھی، انہوں نے اس کا پانی آنکھوں میں استعمال کیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔<sup>(۳)</sup>

علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آنکھ کے اندر حرارت ہو تو اس کا پانی استعمال کرنا مفید ہے، ورنہ اس کو مرکب استعمال کرنا چاہئے۔

## باب فضيلة الأسود من الكباب

(پیلو کے کالے پھل کی فضیلت)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظُّهْرَانِ، وَنَحْنُ نَجْنِي الْكَبَابَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ، قَالَ: فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَأَنَّكَ رَغَيْتَ الْغَنَمَ، قَالَ: نَعَمْ، وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا أَوْ نَحْوَ هَذَا مِنْ الْقَوْلِ (ص ۱۸۲ سطر ۱۰ تا ۱۲)

## تشریح

قوله: كباب (ص ۱۸۲ سطر ۱۱)

کباب، پیلو کے درخت کے پھل کو کہتے ہیں، اس درخت کی جڑوں سے مسواک بھی بنتی ہے، اس پر پھل لگتا ہے جو شروع میں ہرا ہوتا ہے، پھر پیلا ہو جاتا ہے، اس کے بعد کالا ہو جاتا ہے، کالا

(۱) مکملہ فتح المسہم ج ۳ ص ۴۹

(۲) مکملہ فتح المسہم ج ۳ ص ۵۰

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۸۲

بیٹھا ہوتا ہے اور لال یا پیلا کڑوا ہوتا ہے، موالظہران ایک جگہ کا نام ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ موالظہران میں تھے اور پہلو کے درخت سے کھاٹ توڑ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کالے کھاٹ توڑنا، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ حضور! شاید آپ ﷺ نے بکریوں کو چرایا ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! چرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بکریاں چرانے سے آدمی کے اندر تواضع اور حسن اخلاق پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے امت کی راہنمائی آسان ہو جاتی ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی کو نبوت سے سرفراز کرنے سے پہلے ان کی تربیت بھی فرماتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب فضیلة الخل والتأدم به

(سرکہ کی فضیلت اور اس کو سالن بنانا)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الْحِمْصِيُّ) جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا فِي دَارِي، فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَشَارَ إِلَيَّ، فَقُمْتُ إِلَيْهِ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَأَنْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَى بَعْضُ حُجَرِ نِسَائِهِ، فَدَخَلَ ثُمَّ أَدْنَى لِي، فَدَخَلْتُ الْحِجَابَ عَلَيْهَا، فَقَالَ: هَلْ مِنْ غَدَاءٍ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ، فَأَتَيْتُ بِثَلَاثَةِ أَقْرِصَةٍ، فَوَضَعَنَ عَلَى نَبِيٍّ، فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْصًا، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَأَخَذَ قُرْصًا آخَرَ، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْ، ثُمَّ أَخَذَ الثَّالِثَ، فَكَسَرَهُ بِأَثْنَيْنِ، فَجَعَلَ نِصْفَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَنِصْفَهُ بَيْنَ يَدَيَّ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ مِنْ أَدَمٍ؟ قَالُوا: لَا إِلَّا شَيْءٌ مِنْ خَلٍّ، قَالَ: هَاتُوهُ، فَنِعِمَّ الْأَدَمُ هُوَ (ص ۱۸۲ سطر ۲۰ تا ص ۱۸۳ سطر ۳)

### تشریح

قولہ: فدخلت الحجاب علیہا (ص ۱۸۳ سطر ۱)

حجاب سے مراد وہ جگہ ہے جہاں عورتیں رہتی ہیں، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اندر بلایا اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ پردے کی جگہ داخل ہو گئے۔ یا تو اس وقت آیات حجاب نازل نہیں ہوئی تھیں، اور اگر پردے کی آیات نازل ہونے کے بعد کی حدیث ہو تو مطلب یہ ہے کہ خواتین کو ایک

طرف کر کے اس جگہ داخل کیا، جہاں خواتین پردے میں رہتی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

آپ ﷺ نے کھانے کا پوچھا تو تین روٹیاں یا روٹیوں کے ٹکڑے اندر سے دئے گئے،

قوله : اقرصة (ص ۱۸۳ سطر ۱)

اقرصة، قرص کی جمع ہے اور قرص ٹکیہ کو کہتے ہیں۔

قوله : فوضعن علی بتی، (ص ۱۸۳ سطر ۱)

بتی اون یا بالوں کے کپڑے کو کہتے ہیں<sup>(۲)</sup>، اور اردو میں چنگیری کہتے ہیں۔

## باب إباحة أكل الثوم .. الخ

(لہسن کھانا جائز ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قوله) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ أَكَلَ مِنْهُ، وَبَعَثَ بِفَضْلِهِ إِلَيَّ، وَإِلَيْهِ بَعَثَ إِلَيَّ يَوْمًا بِفَضْلَةٍ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا، لِأَنَّهُ فِيهَا ثُومًا، فَسَأَلْتُهُ : أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ : لَا، وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيحِهِ ، قَالَ : فَأَنَّى أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ (ص ۱۸۳ سطر ۲ تا ۴)

## تشریح

کچے لہسن کو کھانے سے آپ ﷺ احتیاط کرتے تھے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے، جبکہ کھانے میں پکا ہوا آپ ﷺ کھا لیتے تھے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی منع فرما دیا کہ جو آدمی کچا لہسن کھائے اور اس کے منہ میں بدبو بھی ہو تو اس کو مجلس یا مسجد میں آنا منع ہے اور یہ ہر بدبو دار چیز کا حکم ہے۔ اسی میں جسم کی بدبو بھی داخل ہے، خاص طور پر گرمیوں کے موسم میں پسینے کی بدبو سے دوسروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

## باب إكرام الضيف وفضل إشاره

(مہمان کا اکرام کرنا اور اس کو ترجیح دینے کی فضیلت)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَيَّ

(۱) کلمة فتح المسهم ج ۴ ص ۵۵

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۸۳

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي مَجْهُودٌ، فَأَرْسَلْ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَقَالَتْ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، ثُمَّ أَرْسَلْ إِلَى أُخْرَى، فَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ، حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ، فَقَالَ: مَنْ يُضِيفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ؟ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ أَنَا، يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَأَنْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ... الحديث (۱۸۳ سطر ۱۱ تا ۱۴)

### تشریح

قولہ: فقام رجل من الانصار، (۱۸۳ سطر ۱۴)

انصاری صحابی سے مراد حضرت ابو طلحہ انصاریؓ ہیں<sup>(۱)</sup>، وہ حضور ﷺ کے مہمان کو اپنے گھر لے گئے، اور کچھ کھانے کا پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھا ہے، انہوں نے کہا کہ بچوں کو تسلی اور تھپکی دیکر سلا دو۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کھانا تو بچوں کا تھا، مہمان کو کیوں کھلا دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کھانا کھا چکے تھے، اور ان کا اصرار کرنا بچوں کی عادت کے مطابق تھا کہ بعض اوقات بچوں کا پیٹ بھرا ہوتا ہے، لیکن کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں اور روتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنِ الْمُقَدَّادِ، قَالَ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَصَاحِبَانِ لِي، وَقَدْ ذَهَبَتْ أَسْمَاعُنَا وَأَبْصَارُنَا مِنَ الْجَهْدِ، فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ أَنْفُسَنَا عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْهُمْ يَقْبَلُنَا، فَاتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْطَلَقَ بِنَا إِلَى أَهْلِهِ، فَإِذَا ثَلَاثَةُ أَعْنُرٍ، (الی قولہ) قَالَ: فَيَجِيءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْلُمُ تَسْلِيمًا لَا يُوقِظُ نَائِمًا، وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ، قَالَ: ثُمَّ يَأْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّي، ثُمَّ يَأْتِي شَرَابَهُ فَيَشْرَبُ، فَاتَانِي الشَّيْطَانُ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَقَدْ شَرِبْتُ نَصِيبِي، فَقَالَ: مُحَمَّدُ يَأْتِي الْأَنْصَارَ فَيُتَحَفُّونَهُ، وَيُصِيبُ عَنْدهُمْ مَا بِهِ حَاجَةٌ إِلَى هَذِهِ الْجُرْعَةِ، فَاتَيْتُهَا

(۱) جیسا کہ اس باب کی تیسری حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔

(۲) شرح الودود ج ۲ ص ۱۸۴

فَشَرِبْتُهَا، فَلَمَّا أَنْ وَغَلَّتْ فِي بَطْنِي، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ إِلَيْهَا سَبِيلٌ، قَالَ:  
 نَذَمَنِي الشَّيْطَانُ، فَقَالَ: وَيُحَكِّ، مَا صَنَعْتَ أَشْرَبْتَ شَرَابَ مُحَمَّدٍ،  
 فَيَجِيءُ، فَلَا يَجِدُهُ فَيَدْعُو عَلَيْكَ فَتَهْلِكُ فَتَذْهَبُ دُنْيَاكَ وَآخِرَتُكَ،  
 وَعَلَى شِمْلَةٍ إِذَا وَضَعْتُهَا عَلَى قَدَمَيَّ خَرَجَ رَأْسِي، وَإِذَا وَضَعْتُهَا عَلَى  
 رَأْسِي خَرَجَ قَدَمَايَ، وَجَعَلَ لَا يَجِئُنِي النَّوْمُ، وَأَمَّا صَاحِبَايَ فَنَامَا وَلَمْ  
 يَصْنَعَا مَا صَنَعْتُ، قَالَ: فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ  
 يُسَلِّمُ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى، ثُمَّ أَتَى شَرَابَهُ فَكَشَفَ عَنْهُ، فَلَمْ يَجِدْ فِيهِ  
 شَيْئًا، فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقُلْتُ: الْآنَ يَدْعُو عَلَى فَأَهْلِكَ، فَقَالَ:  
 اللَّهُمَّ، أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَأَسْقِ مَنْ أَسْقَانِي، قَالَ: فَعَمَدْتُ إِلَى الشِّمْلَةِ  
 فَشَدَدْتُهَا عَلَى، وَأَخَذْتُ الشَّفْرَةَ فَأَنْطَلَقْتُ إِلَى الْأَعْزِ أَيْهَا أَسْمَنُ،  
 فَأَذْبَحَهَا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هِيَ خَافِلَةٌ، وَإِذَا هُنَّ  
 حُفْلٌ كُلُّهُنَّ، فَعَمَدْتُ إِلَى إِنَاءٍ لِّإِلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانُوا  
 يَطْمَعُونَ أَنْ يَحْتَلِبُوا فِيهِ، قَالَ فَحَلَبْتُ فِيهِ حَتَّى غَلَّتْ رَغْوَةٌ..... الحديث

(ص ۱۸۴ سطر ۷ تا ۱۷)

### تشریح

قولہ: فلما أن وغلت في بطني (ص ۱۸۴ سطر ۱۲)

مطلب یہ کہ وہ میرے پیٹ میں بیٹھ گئی، یعنی میں نے وہ دودھ پی لیا جو کہ حضور ﷺ کے  
 حصے کا تھا، یعنی حضور ﷺ کا حصہ رکھا رہتا تھا اور مہمان اپنا اپنا حصہ پی کر سو جاتے تھے، ایک دن ان  
 کو خیال آیا کہ حضور ﷺ کے پاس تو ملنے والے بہت آتے رہتے ہیں، بظاہر آپ ﷺ کے کام نہیں  
 آئے گا تو چلو میں ہی پی لوں، دودھ پینے کے بعد ان کو فکر ہوئی کہ میں نے حضور ﷺ کے حصے کا دودھ  
 پی کر بہت بڑی غلطی کی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور رات کو تشریف لانے میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ درمیانی  
 آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والے سن لیتے اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا، چنانچہ تشریف لانے  
 کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور پھر پیالے کے پاس تشریف لائے، تو خالی پا کر آپ ﷺ نے آسمان



کی طرف نظر اٹھائی، وہ فرماتے ہیں کہ اب میں نے سمجھ لیا کہ اب حضور ﷺ بدو دعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا، اتنے میں حضور ﷺ نے دعا فرمائی ”اللّٰهُمَّ اطْعَمْ مِنْ اطْعَمَنِي وَاسْقِ مِنْ سَقَانِي“۔

قوله : اعنزة (ص ۱۸۴ سطر ۱۶)

اعنز، عنزة کی جمع ہے، بکریوں کو کہتے ہیں (۱)۔

قوله : رغوۃ (ص ۱۸۴ سطر ۱۷) مکھن کو کہتے ہیں (۲)۔

جب یہ ان بکریوں کی طرف گئے کہ میں ان میں آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے گھروالوں کے لئے ایک بکری ذبح کروں تو انہوں نے دیکھا کہ بکریوں کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، ان کا دودھ نکالنا شروع کیا تو اتنا دودھ نکلا کہ گھروالوں کے سارے برتن دودھ سے بھر گئے۔

حَدَّثَنَا عُثَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ : كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ؟ فَإِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ أَوْ نَحْوَهُ، فَعَجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌ طَوِيلٌ بَغْنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَبَيْعَ أَمْ عَطِيَّةٌ؟ أَوْ قَالَ : أَمْ هِبَةٌ؟ ، فَقَالَ : لَا بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً، فَصْنَعَتْ وَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَوَادِ الْبُطْنِ أَنْ يُشَوَّى، قَالَ : وَائِئِمُّ اللَّهُ، مَا مِنَ الثَّلَاثِينَ وَمِائَةٍ إِلَّا حَزْلَةٌ لَهٗ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُزَّةٌ حُزَّةٌ مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا (۱۸۴ سطر ۲۲ تا ۱۸۵ سطر ۱)

### تشریح

قوله : رجل مشرک مشعان (۱۸۴ سطر ۲۴)

مشعان، پراگندہ بال شخص، (۳)

قوله : بسواد البطن (ص ۱۸۴ سطر ۲۵)

(۱) سان معرب مادة "عمر" ح ۵ ص ۳۸۱

(۲) شرح سووئی ح ۲ ص ۱۸۴

(۳) شرح البووی ح ۲ ص ۱۸۴

وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءَ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعَى وَاحِدٍ

(ص ۱۸۶ سطر ۱۶، ۱۷)

### تشریح

اس باب کی احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے، طب میں یہ بات لکھی ہے کہ ہر انسان کے پیٹ میں سات آنتیں ہوتی ہیں، ایک معدہ اور اس کے ساتھ تین پتلی آنتیں، اور پھر تین موٹی آنتیں ہوتی ہیں، اس حدیث کی تشریح میں چھ قول ہیں، ان میں سے چار قول یہ ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ کافر زیادہ کھانا کھاتا ہے اور مؤمن کم کھانا کھاتا ہے،

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کافر کا کھانا حرام کا ہوتا ہے اور وہ زیادہ ہوتا ہے اور مؤمن کا کھانا حلال کا ہوتا ہے اور وہ کم ہوتا ہے، حرام ظاہر میں بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی اور حلال ظاہر میں کم ہوتا ہے لیکن اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی عام ضابطہ بتانا مقصود نہیں ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ ہر کافر ہمیشہ زیادہ کھاتا ہے اور ہر مؤمن ہمیشہ کم کھاتا ہے، بلکہ یہ بات ایک خاص واقعہ کے اعتبار سے ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک کافر مہمان ہوا، جس کا نام ثمامہ بن اثال<sup>(۱)</sup> تھا، اس کو اسلام لانے سے پہلے بکری کا دودھ پیش کیا گیا تو وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر اسلام لانے کے بعد دودھ پلایا گیا تو دو بکریوں کا دودھ بھی نہ پی سکا، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ کافر سات آنت کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت کھاتا ہے۔

چوتھا مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے کھانے میں برکت ہوتی ہے، کافر کے کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔<sup>(۲)</sup>

### باب لا یعیب الطعام

(حضور کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ

(۱) شرح البروتی ج ۲ ص ۸۷

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مکلفۃ فتح الملہم ج ۲ ص ۷۰، ۷۱

كَرْهَهُ تَرَكَهُ. (ص ۱۸۷ سطر ۲۰۱)

### کھانے میں عیب نکالنے کا حکم

اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے، عیب نکالنے کا مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اس میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر کوئی کھانے میں اس لئے عیب نکالے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے کو پیدا فرمایا ہے تو یہ حرام ہے اور ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کھانے میں اس کی بناوٹ کے اعتبار سے عیب نکالے، تو اگر اس سے مقصود کھانے کی تحقیر ہو یا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہو یا بنانے والے کی تحقیر ہو تو پھر یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کھانے سے تکبر کرنا اور اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا، یہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اصلاح کی غرض سے کھانے میں عیب نکالے، تاکہ بنانے والا آئندہ خیال رکھے، مثلاً بنانے والے نے مرچیں یا نمک زیادہ ڈال دیا یا اور کوئی چیز کم یا زیادہ کر دی تو ایسی صورت میں اس کو سمجھانے کے لئے کھانے کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ کیا کھانا بنا دیا؟ یہ جائز ہے، شرط یہ ہے کہ بنانے والے کی اصلاح مقصود ہو، ایسا انداز نہ ہو کہ جس سے اس کی دل شکنی نہ ہو، یعنی انداز غصے والا نہیں ہونا چاہئے۔<sup>(۱)</sup>

### کتاب اللباس والزینۃ

#### (لباس اور زینت کا بیان)

یہ کتاب ہے لباس اور زینت کے احکام کے بیان میں ہے، اس کتاب کے تحت حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ بیان فرمائی ہیں جن سے لباس کے احکام معلوم ہوتے ہیں، کھانے اور پینے کی طرح انسان کی بنیادی ضروریات میں سے لباس بھی ہے، جس سے انسان اپنے ستر کو چھپاتا ہے، گرمی اور سردی سے اپنا بچاؤ کرتا ہے، اور مجالس و اجتماعات میں زینت اختیار کرتا ہے، اسلام ایک جامع مذہب ہے جو ہر شعبہ زندگی سے متعلق احکام دیتا ہے، اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ لباس کے سلسلے میں کوئی حکم نہ دے، قرآن و احادیث میں لباس کے متعلق تفصیل سے احکام مذکور ہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ لباس ذرائع میں سے ہے نہ کہ مقاصد میں سے، لہذا ذرائع میں سے ہونے کی وجہ سے شریعت میں لباس کے لئے کوئی خاص شکل و صورت اور خاص ہیئت بیان نہیں کی گئی، وہ ہر زمانے میں، ہر علاقے میں، وہاں کے موسم اور آب و ہوا کے اعتبار سے کسی بھی شکل و صورت کا اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن وہ شریعت کے بیان

کردہ اصولوں کے مطابق ہو چنانچہ جو لباس ان اصولوں کی روشنی میں تیار ہوگا، وہ شرعی لباس کہلائے گا، اور جو لباس ان اصولوں کے خلاف ہوگا، وہ غیر اسلامی اور غیر شرعی لباس کہلائے گا، جو مکروہ اور ممنوع ہوگا، اس لئے یہاں لباس کے سلسلے میں قرآن و سنت سے جو اصول ثابت ہیں، ان کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

### لباس کے شرعی اصول

پہلی اصل یہ ہے کہ مسلمان مرد و عورت کا لباس ”ساتر“ ہونا چاہئے، یعنی اس کے ذریعے ستر عورت کا مقصد حاصل ہونا چاہئے، مرد کا ستر ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے نیچے تک اور عورت کا چہرہ، دونوں ہاتھ اور پیر چھوڑ کر باقی سارا جسم ستر ہے، لہذا اس کا لباس ایسا ہونا چاہئے جس سے اس کا ستر چھپ جائے، کیونکہ مرد ہو یا عورت، دونوں کو اپنا ستر چھپانا واجب ہے، لہذا لباس نہ تو اتنا باریک ہونا چاہئے کہ جس سے ستر نہ چھپ سکے، اور نہ ہی اتنا چست اور تنگ ہونا چاہئے کہ اس میں ستر والے اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہو، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”يٰۤاَيُّهَا آدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكَمْ وَرِيشًا“ (۱)

دوسری اصل یہ ہے کہ لباس موجب زینت ہو، کیونکہ زینت بھی اعتدال کے ساتھ مطلوب ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ (۲) اور دوسری آیت ہے ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي“ (۳) ... الخ

اسی طرح حضرت ابوالاحوصؓ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا لباس بہت ہی خراب اور بوسیدہ تھا، جس کی وجہ سے ان کی حالت بہت خراب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟ کیونکہ آدمی کے لباس کا میلا کچلا اور خراب ہونا، عام طور پر اس کے فقیر اور محتاج ہونے کی علامت ہوتی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میرے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس سب کچھ ہے تو تمہارے جسم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔ (۴)

(۱) سورۃ عرف ۲۶

(۲) سورۃ عرف ۳۱

(۳) سورۃ اعراف ۳۲

(۴) جامع الرمادی باب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی الاحسان والمعروف رقم الحديث: ۱۹۲۹

ایک دوسری حدیث بڑی مشہور و معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جب وہ کسی کو کوئی نعمت دیں تو اس کا اثر اس کے جسم پر نظر آئے<sup>(۱)</sup>، اور جسم پر نعمت کا اثر لباس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اسلئے ہر شخص کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔

تیسری اصل یہ ہے کہ لباس میں فخر و غرور، تکبر و بڑائی، ریا کاری اور نام و نمود نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے، لہذا لباس میں ان کو اختیار کرنا اور ازراہ فخر و غرور لباس پہننا ناجائز ہے۔

چوتھی اصل یہ ہے کہ مسلمان کے لباس میں نہ تو تھبہ بالکفار ہو، نہ تھبہ بالفساق ہو، اور نہ مردوں کے لباس میں تھبہ بالتساء ہو اور نہ عورتوں کے لباس میں تھبہ بالرجال ہو، جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ مرد کو معصر اور مزعفر لباس پہننا منع ہے، کیونکہ عصفرا ایک گھاس ہوتی ہے، جس سے پیلا رنگ لگتا ہے اور اس سے عورتیں اپنے کپڑے رنگا کرتی ہیں، اس کو معصر کہتے ہیں اور مزعفر زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں، زعفران کچھ پیلا اور ہلکا لال ہوتا ہے، یہ بھی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

### پینٹ پتلون کا حکم

پینٹ پتلون پہننا مردوں کو ممنوع ہے، کیونکہ اس میں تھبہ بالکفار ہے، اگرچہ اس میں تھبہ کمزور ہو گیا ہے، کیونکہ یہ بین الاقوامی لباس بن گیا ہے، اب یہ کفار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بہت سے مسلمان ممالک میں بھی اس کو مستقل طور پر پہنا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اب یہ حرام نہیں، بلکہ مکروہ ہے، ہاں اگر اتنا چست ہو کہ اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہو یا ٹخنے سے نیچے ہو جیسا کہ اکثر پینٹ ہوتی ہے تو یہ ایک مستقل ممانعت کی وجہ ہے۔ اور ناجائز ہے۔

پانچویں اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس ریشم کا نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ مردوں کے لئے ریشم حرام ہے، ریشم سے مراد اصلی ریشم ہے، چاہے موٹا ہو یا پتلا، چاہے تانا کسی اور چیز کا ہو یا تانا اصلی ریشم کا ہو، البتہ مصنوعی ریشم اور وہ کپڑا جس میں باناسوت کا یا اُون کا ہو، لیکن تانا اصلی ریشم کا ہو، وہ مردوں کے لئے جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

چھٹی اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس ٹخنے سے نیچے نہ ہو۔

(۱) جامع الترمذی ابواب الادب عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ان الله تعالى يحب ان يرى اثر نعمته على عبده، رفع الحديث ۲۷۴۴

(۲) ہدایہ کتاب الکراہیہ فصل فی اللبس۔ ۳۶۶/۳

ساتویں اصل یہ ہے کہ مرد کا لباس معصر اور مزعفر نہ ہو<sup>(۱)</sup>۔ اس کی تفصیل ان شاء آئندہ آجائیگی۔

### باب تحریم استعمال اوانی الذهب والفضة فی الشرب

(پینے کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے)

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کو سونا چاندی بطور زیور کے حلال ہے، لیکن سونے چاندی کے برتن، کھانے پینے کے لئے، استعمال کرنے کے لئے، یہاں تک کہ قلم دوات، عینک اور دیگر اسی طرح کی اشیاء میں سونا چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے۔ مرد کے لئے چاندی صرف انگوٹھی میں، ساڑھے چار ماشہ کی حد تک حلال ہے۔

حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ يَزِيدَ أَبُو مَعْنٍ الرَّقَّاشِيُّ، (الی قوله) عَنْ خَالَتِهِ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ فِضَّةٍ، فَإِنَّمَا يُجْرَجُ فِي بَطْنِهِ نَارًا مِنْ جَهَنَّمَ (ص ۱۸۷)

(سطر ۱۳، ۱۴)

### تشریح

قوله: یجر جرجر فی بطنہ نارا (ص ۱۸۷ سطر ۱۴)

جرجر، یجر جرجر جرجرة، اونٹ کی اس آواز کو کہتے ہیں جو اس کے گلے میں ہوتی ہے، لیکن یہاں پر مراد یہ ہے کہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة علی الرجال

(مردوں کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) مُعَاوِيَةُ بْنُ سُوَيْدٍ بْنُ مَقْرَنٍ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: (الی قوله) وَنَهَانَا عَنْ

(۱) مکملہ فتح للمصنف ج ۳ ص ۸۸، ۸۹ کتاب اللباس۔

(۲) شرح البروت ج ۲ ص ۱۸۷۔



خَوَاتِيم - أَوْ عَنْ تَخْتُمِ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ شُرْبِ بِالْفِضَّةِ، وَعَنْ الْمَيَاثِرِ،  
وَعَنْ الْقُسَى، وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالذِّيَابِجِ (ص ۱۸۸ سطر ۱ تا ۴)

### تشریح

قوله: وعن المياثر (ص ۱۸۸ سطر ۴)

ریشم کی لال گدی استعمال کرنے کی ممانعت ہے

میاثر، میثرا کی جمع ہے اور میثرا ریشم کی لال رنگ کی گدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی کمر پر سوار کے بیٹھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے، آپ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے، اور اگر یہ میثرا روئی کی ہو تو پھر ممانعت کی وجہ تشبہ بالاعاجم ہے<sup>(۱)</sup>، اور بعض روایتوں میں ارغوان کا لفظ بھی آیا ہے، اس کے معنی ہے لال، لال رنگ ہونا بذات خود ممنوع ہونے کی وجہ نہیں، یا تو اس میں تشبہ بالاعاجم ہو گا یا پھر ریشم کی ہونے کی وجہ سے ممانعت ہوگی۔

قوله: قسَى (ص ۱۸۸ سطر ۴)

مصر کے ایک گاؤں کا نام قس ہے، یہ کپڑا اس کی طرف منسوب ہے، وہاں کے بنے ہوئے ریشم کے کپڑے کو قسی کہتے تھے<sup>(۲)</sup>، اس کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ یہ ریشم کا ہوتا تھا۔

قوله: الاستبرق والذيابج (ص ۱۸۸ سطر ۴)

استبرق اور ذيابج موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) وَعَنْ الشَّرْبِ فِي الْفِضَّةِ، فَإِنَّهُ مَنْ

شَرِبَ فِيهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيهَا فِي الْآخِرَةِ (ص ۱۸۸ سطر ۵، ۶)

### تشریح

قوله: فإنه من شرب فيها في الدنيا... (ص ۱۸۸ سطر ۶)

جو سونے یا چاندی کے برتن میں کھائے، پئے گا، وہ آخرت میں محروم رہے گا، اگر حلال سمجھ کر پیا تو آخرت میں ہمیشہ کے لئے محروم ہوگا، اور اگر حلال نہیں سمجھا لیکن کوتاہی کی اور پی لیا تو اولاً نہیں

(۱) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۸۷ نوٹ نمبر ۵ ص ۲ ص ۹۳

(۲) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۸۔

(۳) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۸۔

پئے گا، سزا بھگتنے کے بعد پی سکے گا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو بْنُ سَهْلٍ (الی قولہ) عَنْ أَبِي قُرْوَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَكَّيْمٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ بِالْمَدَائِنِ، فَاسْتَسْقَى حُذَيْفَةُ، فَجَاءَهُ دِهْقَانٌ بِشَرَابٍ فِي إِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ۔ الْحَدِيثُ (ص ۱۸۹ سطر ۶، ۵)  
 قولہ: کنا مع حذیفہ بالمداائن (ص ۱۸۹ سطر ۶)

### تشریح

مدائن مشہور شہر ہے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع ہے، بغداد سے سات فرسخ کے فاصلے پر ہے، اور یہ فارس کے بادشاہوں کا مرکز رہا ہے، کسری کا ایوان اور محل بھی اسی میں ہے، حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس کو فتح کیا تھا، تقریباً ۱۶ھ میں، اور حضرت عمرؓ کی جانب سے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ عامل مقرر ہوئے، اور یہی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں عامل رہے اور یہیں پر حضرت حذیفہؓ کا انتقال ہوا اور وہیں ان کا مزار ہے۔ (۱)

قولہ: فجاءہ دہقان (ص ۱۸۹ سطر ۶)

دہقان، ہستی کے امیر کو دہقان کہتے ہیں۔ (۲)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، رَأَى حُلَّةً سِيرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ اشْتَرَيْتَ هَذِهِ فَلَبِسْتَهَا لِلنَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلِلْوَفْدِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ (ص ۱۸۹ سطر ۱۸، ۱۹)

### تشریح

قولہ: أن عمر بن الخطاب، رأى حلة سیراء (ص ۱۸۹ سطر ۱۸)

حلة جوڑے کو کہتے ہیں، ایک تہ بند اور ایک کرتا، سیراء اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ جس میں ریشم کے پھول ہوں، حلة سیراء کا مطلب یہ ہے کہ ریشم کے پھولوں والا ایک جوڑا۔ (۳) حضرت عمر بن خطابؓ نے یہ جوڑا دیکھا مسجد کے دروازے کے پاس تو حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! اگر اس

(۱) بحکمۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۹۵۔

(۲) شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۸۹ اور تکملة فتح الملہم ۹۵/۳۔

(۳) بحکمۃ فتح الملہم ج ۳ ص ۹۸، ۹۷۔

کو خرید کر جمعہ میں پہن لیں یا دو فود کے آنے پر پہن لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص پہن سکتا ہے کہ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) قَالَ: أُرْسَلَتْنِي أَسْمَاءُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، فَقَالَتْ: بَلَّغْنِي أَنَّكَ تَحْرُمُ أَشْيَاءَ ثَلَاثَةَ: الْعَلَمَ فِي الثَّوْبِ، وَمِثْرَةَ الْأَرْجَوَانِ، وَصَوْمَ رَجَبٍ كُلِّهِ، فَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ: أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ رَجَبٍ فَكَيْفَ بِمَنْ يَصُومُ الْأَبَدَ؟ وَأَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنَ الْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَا خَلَقَ لَهُ، فَخِفْتُ أَنْ يَكُونَ الْعَلَمُ مِنْهُ، وَأَمَّا مِثْرَةُ الْأَرْجَوَانِ، فَهَذِهِ مِثْرَةُ عَبْدِ اللَّهِ، فَإِذَا هِيَ أَرْجَوَانٌ، فَرَجَعْتُ إِلَى أَسْمَاءَ فَخَبَّرْتُهَا، فَقَالَتْ: هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجْتُ إِلَيَّ جُبَّةَ طَيَالِسَةَ كِسْرَوَانِيَّةَ لَهَا لِبْنَةُ دِيبَاجٍ، وَفَرَجَيْتُهَا مَكْفُوفَيْنِ بِالْذِّبَاجِ، فَقَالَتْ: هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبِضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا، فَخَنُ نَعْسِلُهَا لِلْمَرَضَى يُسْتَشْفَى بِهَا (ص ۱۹۰ سطر ۲۱ تا ۲۶)

## تشریح

قوله: وأما مِثْرَةُ الْأَرْجَوَانِ، (ص ۱۹۰ سطر ۲۴)

ارجوان، ارغوان کا معرب کا ہے، ارغوان کے معنی ہیں لال (۱)، اس حدیث میں حضرت اسماءؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تین باتیں دریافت کرنے کے لئے اپنے غلام کو بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ تین باتوں کو حرام کہتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کپڑے کے اندر ریشم کے پھول بوٹوں کو حرام کہتے ہیں اور اسی طرح لال رنگ کی گدی استعمال کرنے کو بھی آپ ناجائز کہتے ہیں، اور رجب کے پورے مہینے میں روزہ رکھنے سے بھی آپ منع فرماتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا کہ جو آدمی سارے سال روزے رکھے تو کیا وہ رجب میں روزے نہیں رکھے گا؟ لہذا یہ بات درست نہیں۔

اور جہاں تک کپڑے کے اندر ریشم کے پھول بوٹوں کی بات ہے تو میں نے حضرت عمرؓ سے یہ

حدیث سنی کہ ریشم پہنتا ہے وہ شخص کہ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، تو مجھے خوف محسوس ہوا کہ یہ پھول بوٹے بھی اسی میں داخل ہیں۔

اور رہی لال گدی تو دیکھ لیجئے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی گدی بھی لال ہے، صرف لال ہونے سے ممانعت نہیں ہے، بلکہ دوسری وجہ جیسے ریشم کی ہونے کی وجہ سے ممانعت ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

قوله: جبة طيالة كسروانية (۱۹۰ اسطر ۲۵)

طیالسة، طیلسان کی جمع ہے، طیلسان شامی جبے کو کہتے ہیں، کسروانیه، یہ کسری کی طرف منسوب ہے،

قوله: لبنة ديباج، (ص ۱۹۰ اسطر ۲۵) ریشم کا گریبان،

قوله: و فرجیها مکفوفین (ص ۱۹۰ اسطر ۲۵)

فرج، دامن کو کہتے ہیں، مکفوفین، ای مخیطین، یعنی جبہ کے گریبان ریشم کا تھا، یعنی گریبان میں ریشم کی پٹی لگی ہوئی تھی اور اس کے دونوں چاک سلے ہوئے تھے ریشم سے۔<sup>(۲)</sup>

چار انگل چوڑا اصلی ریشم مرد کے لئے جائز ہے

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصلی ریشم مرد کے لئے بلاشبہ حرام ہے، لیکن چار انگلیوں کے برابر ریشم کا استعمال، چاہے پٹی کی شکل میں ہو، چاہے چوکور ہو اور چاہے پھول بوٹوں کی شکل میں ہو یہ سب جائز ہے، اور جیسے باناسوت کا ہو اور تاناریشم کا ہو وہ مرد کے لئے جائز ہے، ایسے ہی اس کے کرتے میں گریبان میں ریشم لگا ہوا ہو، آستینوں میں لگا ہوا ہو وہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ چار انگل سے کم ہو، اس سے زیادہ چوڑا نہ ہو۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ كَعْبٍ أَبِي ذُبْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، يَخْطُبُ، يَقُولُ: أَلَا لَا تَلْبَسُوا نِسَاءَ كُمْ الْحَرِيرَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ، فَإِنَّهُ مَنْ لَبَسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي

(۱) یعنی وہ ل گدی جو ریشم سے بنی ہوئی ہو وہ منع اور حرام ہے۔ کما قال العلامة النووی ج ۲ ص ۱۹۱۔ طاحراتہا

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۰ او تکملة فتح الملهم ج ۲ ص ۱۰۲۔

(۳) نیز اس حدیث مبارک سے ایک اہم بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ آثار صالحین اور ان کے کپڑوں سے تبرک حاصل کرنا مستحب اور مشروع ہے (نکسہ فتح

المسہم ۱۰۳) جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ ہے "فمن بعثها للمرضى المستشفى بها" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰)۔

الْآخِرَةَ (ص ۱۹۱ سطر ۲۰۱)

## تشریح

## عورتوں کے لئے اصلی ریشم پہننے کی ممانعت کا حکم

قوله: سمعت عبد الله بن الزبير، يخطب، ألا لا تلبسوا نساءكم الحرير،  
(ص ۱۹۱ سطر ۲۰۱)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سن لو! تم اپنی عورتوں کو ریشم نہ پہناؤ، اور دلیل میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا موقف یہی ہے، اور یہ موقف حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور بعض تابعینؓ سے بھی مروی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے انتقال کے بعد ان باقی حضرات کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ریشم عورتوں کے لئے حلال ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس حدیث کے عموم سے استدلال فرمایا ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ ان کا اس حدیث کے عموم سے استدلال کرنا درست نہیں اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن احادیث میں عورتوں کے لئے ریشم کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے، وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تک نہیں پہنچی<sup>(۱)</sup>، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اور حضرت عمرؓ کو ریشم کا کپڑا دیا، انہوں نے عرض کیا کہ حضور! اس کو آپ ﷺ نے حرام قرار دیا اور پھر ہمیں دے دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس لئے نہیں دیا کہ تم پہنو، بلکہ اس کے دوپٹے بنا کر اپنے گھر کی عورتوں کو پہناؤ، اگر عورتوں کے لئے ریشم حلال نہ ہوتا تو آپ ﷺ ان کو دینے کے لئے کیوں تقسیم فرماتے؟<sup>(۲)</sup>

دوسری حدیث حضرت علیؓ سے مشہور و معروف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ گھر کے باہر تشریف لائے، ایک ہاتھ میں ریشم تھا اور ایک ہاتھ میں سونا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری امت کے مردوں کیلئے حرام ہے اور میری امت کی عورتوں کیلئے حلال ہے۔<sup>(۳)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّ أُكَيْدِرَ ذُو مَةِ أَهْدَى

(۱) بحکمہ فیح المہم ج ۲ ص ۱۰۴، کتاب النیاس باب تحریم استعمال اداء الذهب الخ

(۲) صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۵۲ کتاب النیاس باب تحریم استعمال اداء الذهب الخ

(۳) سنن ابن ماجہ کتاب النیاس باب تحریم الحریر والذهب للنساء، رقم الحدیث ۳۵۸۵۔

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَ حَرِيرٍ، فَأَعْطَاهُ عَلِيًّا، فَقَالَ: شَقَّقْهُ  
خُمْرًا بَيْنَ الْفَوَاطِمِ (ص ۱۹۲ سطر ۱۰ تا ۱۲)

### تشریح

قولہ: اکیدر (ص ۱۹۲ سطر ۱۱)

یہ ایک بادشاہ اور امیر آدمی کا نام ہے پورا نام اس طرح ہے اکیدر بن عبد الملک الکندی، یہ دومۃ الجندل کا امیر تھا، بعض نے کہا کہ یہ پہلے نصرانی تھا بعد میں مسلمان ہو گیا، لیکن محققین کہتے ہیں کہ یہ عیسائی ہی رہا، اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک جوڑا بھیجا تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، تو حضرت علیؓ کو ایک لشکر دیکر دومۃ الجندل پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا تھا، لیکن اس نے صلح کر لی اور جزیہ دینے پر تیار ہو گیا، یہ جزیہ دیتا رہا، حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں اس نے عہد کی خلاف ورزی کی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا جس نے اس کو قتل کیا۔<sup>(۱)</sup>

دومۃ الجندل ایک شہر کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تیرہ مرحلے پر ہے اور دمشق سے دس مرحلے پر واقع ہے،

### چار فاطمہ

قولہ: فَوَاطِمِ (ص ۱۹۲ سطر ۱۲)

فَوَاطِمِ جمع ہے فاطمہ کی، ان سے چار فاطمہ مراد ہیں، فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ، اور فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب، اور ایک فاطمہ بنت شیبہ۔<sup>(۲)</sup>  
ان کے درمیان دو بچے تقسیم کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا۔

باب إباحة لبس الحرير للرجل إذا كان به حكة أو نحوها  
(خارش کی وجہ سے مرد کی ریشم استعمال کرنے کی گنجائش ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الِی قولہ) أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، أَنَبَاهُمْ  
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ،

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۲ و مکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۰۸۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۲ و تکملۃ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۰۹۔



وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي الْقُمْصِ الْحَرِيرِ فِي السَّفَرِ مِنْ حِكْمَةٍ كَانَتْ بِهِمَا أَوْ  
وَجَعَ كَانَ بِهِمَا. (ص ۱۹۳ سطر ۱، ۲)

### تشریح

اس باب میں حضرت امام مسلمؒ نے وہ احادیث طیبہ ذکر فرمائی ہیں کہ جن سے خارش میں اور جہاد کی صورت میں مرد کے لئے ریشم کے استعمال کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، چنانچہ جمہور طبعی ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ اور جمہور علماء و فقہاء فرماتے ہیں کہ جہاد میں یا خارش کی صورت میں خالص ریشم مرد کو استعمال کرنا جائز ہے، ان احادیث کی بناء پر جو اس باب میں مذکور ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جہاد اور خارش کی صورت میں بھی خالص ریشم استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ ایسی صورت میں وہ ریشم استعمال کرے جس کا بانا ریشم کا ہو اور تانا کسی اور چیز کا ہو، اور اس قسم کی احادیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ حالت اضطرار پر محمول ہے، یا پھر یہ ان حضرات کی خصوصیت ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر (مرد کو پیلا لباس پہننا ممنوع ہے)

حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ثَوْبَيْنِ مُعْصَفَرَيْنِ، فَقَالَ: أَأَمَّكَ أَمْرَتُكَ بِهَذَا؟ قُلْتُ: أَغْسِلُهُمَا، قَالَ: بَلْ أَحْرِقُهُمَا (ص ۱۹۳ سطر ۹ تا ۱۱)

### تشریح

معصفر، عصفر سے ہے، عصفر ایک جڑی بوٹی ہوتی ہے، جس میں سے پیلا رنگ لگتا ہے، پہلے زمانے میں اس سے کپڑے رنگے جاتے تھے<sup>(۲)</sup>، چونکہ یہ عورتوں کے لئے استعمال ہوتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے مردوں کیلئے اس کو پہننے سے منع فرمایا۔

قولہ: بَلْ أَحْرِقُهُمَا (ص ۱۹۳ سطر ۱۱)

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حقیقت میں جلانا نہیں، بلکہ ڈانٹ ڈپٹ مراد ہے،<sup>(۳)</sup>

(۱) مکملہ فتح الملہم ج ۳ ص ۱۱۱۱۔ والہدایۃ ۳/۳۶۶ کتاب الکراعیۃ فصل فی اللبس۔

(۲) نوح العروس باب برء مادة "عصفر"، ج ۱ ص ۲۲۰۹

(۳) شرح اسودنی ج ۲ ص ۱۹۳

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ملکیت سے نکالو، خواہ بیچ دو، خواہ کسی کو ہدیہ یا صدقہ کے طور پر دیدو۔

### باب فضل لباس الثياب الحبرة

(یعنی چادر استعمال کرنے کی فضیلت)

حَدَّثَنَا هَذَابُ بْنُ خَالِدٍ، (الی قولہ) قَتَادَةُ، قَالَ: قُلْنَا لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَيُّ اللِّبَاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ أُعْجِبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: الْحَبْرَةُ (ص ۱۹۳ سطر ۱۵، ۱۶)

### تشریح

قوله: الحبرة، (۱۹۳ سطر ۱۶)

الحبرة یعنی چادر کو کہتے ہیں، جو بہت نفیس اور دھاری دار ہوتی تھی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سبز رنگ کی ہوتی تھی، یہ آپ ﷺ کو بہت محبوب اور پسند تھی۔<sup>(۱)</sup>

### باب التواضع في اللباس... الخ

(لباس میں تواضع اختیار کرنا)

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَأَخْرَجَتْ إِلَيْنَا إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ، وَكِسَاءٌ مِنْ أَلْبِنَى يُسَمُّونَهَا الْمُطْبَدَةَ، قَالَ: فَأَقْسَمْتُ بِاللَّهِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فِي هَذَيْنِ الثَّوْبَيْنِ (ص ۱۹۳ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

قوله: الْمُطْبَدَةُ (ص ۱۹۳ سطر ۱۸)

مطبہ، جس پر پیوند لگے ہوئے ہوں۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَخْرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى

(۱) معجم البیرونی کتاب اللباس باب البرد والحبرة والشملة ۱۶/۳۶۵

(۲) شرح البیرونی ج ۲ ص ۱۹۳

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مَرَحَلٌ مِنْ شَعْرِ أَسْوَدَ. (ص ۱۹۴ سطر ۵ تا ۵)

### تشریح

قولہ : مرط (ص ۱۹۴ سطر ۵) مرط چادر کو کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : مرحل (ص ۱۹۴ سطر ۵)

مرحل، جس چادر پر اونٹ کے کجاوے کے نمونے بنے ہوئے ہوں، وہ چادر کالے بالوں کی

تھی۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ وَسَادَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي يَتَكَبَّءُ عَلَيْهَا مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لَيْفٌ (ص ۱۹۴ سطر ۵، ۶)

### تشریح

قولہ : حشوه لیف (ص ۱۹۴ سطر ۶)، آپ ﷺ کا چڑے کا تکیہ تھا، جس کا بھراؤ

سمجور کی چھال تھی۔<sup>(۳)</sup>

### باب جواز اتخاذ الأنماط

(اوپر کی چادر بنوانا درست ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ : قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجْتُ : اتَّخَذْتَ أَنْمَاطًا؟ قُلْتُ : وَائِي لَنَا أَنْمَاطٌ؟ قَالَ : أَمَا إِنَّهَا سَتَكُونُ (ص ۱۹۴ سطر ۹، ۱۰)

### تشریح

قولہ : انماط (ص ۱۹۴ سطر ۱۰)

انماط، نمط کی جمع ہے، نمط بستر کے اوپر کی چادر کو کہتے ہیں۔<sup>(۴)</sup>

(۱) علامہ نووی نے فرمایا کہ "مرط" ایسی چادر ہوتی تھی جو کبھی اون سے اور کبھی بالوں سے اور کبھی کتان یا ریشم سے بنائی جاتی تھی۔ (شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴)

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴ نو مشارق الانوار للقاصی عیاض ج ۱ ص ۵۵

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴

(۴) شرح النووی ج ۲ ص ۱۹۴

## باب کراہۃ ما زاد علی الحاجة من الفراش واللباس (ضرورت سے زیادہ بستر اور لباس مکروہ ہیں)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنُ سَرْحٍ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ، وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ، وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ، وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ (ص ۱۹۴ سطر ۱۳، ۱۴)

### تشریح

#### چوتھا بستر شیطان کا ہونے کا مطلب

اس باب کی حدیث میں فرمایا کہ ایک بستر مرد کا ہونا چاہئے، ایک بستر اس کی بیوی کا ہونا چاہئے اور ایک بستر مہمان کے لئے ہونا چاہئے، اور چوتھا شیطان کا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ شارحین نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں:

ایک یہ کہ تین بستر تو ضرورت کے ہیں، اور بلا ضرورت نا جائز ہیں، شیطان کا ہونے سے بلا ضرورت ہونا مراد ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی فخر و غرور اور تکبر کے لئے بستر بنائے، چاہے وہ ایک بنائے یا دو یا تین چار بنائے، اس طریقے سے بستر بنانا ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں بستروں کی کتنی یا تعداد بتلانا مقصود نہیں ہے، بلکہ بستروں کی قسمیں اور انواع بیان کرنا مقصود ہے۔<sup>(۲)</sup>

#### باب تحریم جر الثوب خیلاء

(مرد کو شلوار وغیرہ ٹخنے سے نیچے رکھنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ (ص ۱۹۴ سطر ۱۳، ۱۵)

### تشریح

اس باب میں مصنف نے بیان فرمایا کہ مرد کو اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے رکھنا ناجائز ہے، اس سلسلے

(۱) شرح البیہقی ج ۲ ص ۹۴

(۲) نکمة فتح المعجم ج ۴ ص ۱۰۵، کتاب اللباس والریة۔

میں علامہ نوویؒ اور علامہ عینیؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تکبر کی وجہ سے شلوار ٹخنے سے نیچے کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر تکبر کے کرے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے<sup>(۱)</sup>، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ فرمایا ہے کہ چاہے تکبر سے کرے یا بغیر تکبر کے کرے، شلوار ٹخنے سے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۲)</sup>

حضرت شیخؒ نے اس مسئلہ میں کافی تحقیق فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل میں تہبند یا پا جامہ ٹخنے سے نیچے کرنا تکبر کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کی اصل علت تکبر ہے، لیکن چونکہ غرور اور تکبر دل میں ہوتا ہے اور ہر آدمی کو اس کا احساس نہیں ہوتا، لہذا اب اس کے قائم مقام جرّازار کو کر دیا گیا ہے، یعنی جب کوئی شخص اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے کرے گا تو سمجھا جائے گا کہ تکبر کی وجہ سے کر رہا ہے، البتہ ایک صورت مستثنیٰ ہوگی کہ بلا ارادہ کسی کی شلوار ٹخنے سے نیچے چلی جائے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سفر میں قصر، اس کی علت مشقت سفر ہے، لیکن چونکہ مشقت ہر آدمی کے اعتبار سے الگ الگ ہے اور اسی طرح سفر کی بھی مختلف صورتیں ہیں، لہذا مشقت سفر کو قائم مقام سفر کے کر دیا گیا۔<sup>(۳)</sup>

### باب طرح خاتم الذهب

(سونے کی انگٹھی اتارنے کا حکم)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الْحَمْدُ لِلَّهِ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتِمًا مِنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ، فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ، وَقَالَ: يَغْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جُمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ، فَقِيلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ خَاتِمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا وَاللَّهِ، لَا آخِذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۱۹۵ سطر ۲۴ تا ۲۷)

### تشریح

سونے کی انگٹھی کی شروع میں اجازت تھی، بعد میں اس کو منع فرما دیا گیا، سونے یا سونے کے علاوہ کسی اور دھات کی انگٹھی سوائے چاندی کے، وہ مرد کے لئے ناجائز ہے، اور مرد کے لئے چاندی کی

(۱) مرفوعة المعانیج ج ۳ ص ۶۳، کتاب الفباس۔

(۲) فتح الباری کتاب الفباس باب من جر ثوبه من الخیلاء ۳۳۶/۱۶

(۳) مکملہ فتح المعانی ج ۳ ص ۱۰۵ تا ۱۰۸۔

انگوٹھی ایک مثقال کے وزن کے برابر یا اس سے کم کم جائز ہے، ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، جبکہ سونے اور چاندی کی انگوٹھی عورتوں کے لئے جائز ہے، ان دو کے علاوہ کسی اور دھات کی بنی ہوئی انگوٹھی عورتوں کے لئے کیسی ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے، اور انگوٹھی کے علاوہ باقی ہر قسم کی دھات کا زیور جیسے آرٹیفیشل یا المونیم یا اسٹیل یا پلاٹیم وغیرہ کا زیور عورتوں کے لئے جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

باب لبس النبی ﷺ خاتما من ورق نقشہ محمد رسول اللہ،

ولبس الخلفاء له من بعده

(حضور ﷺ کا چاندی کی انگوٹھی جس میں رسول اللہ لکھا ہوا تھا پہننا

اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا پہننا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ، فَكَانَ فِي يَدِهِ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُثْمَانَ، حَتَّى وَقَعَ مِنْهُ فِي بَشْرِ أَرِيَسَ، نَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ... الحديث (ص ۱۹۶ سطر ۷ تا ۹)

تشریح

اس باب کی پہلی حدیث سے جمہور فقہاء رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی بنوانا، اور استعمال کرنا جائز ہے، البتہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہے، وہ مسند احمد کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابوریحانہ سے مروی ہے کہ نبی رسول اللہ ﷺ عن الخاتم الا لذي سلطان<sup>(۲)</sup> او کما قال علیہ السلام، اور بھی کئی روایتیں اسی مفہوم کی آئی ہیں کہ آپ ﷺ نے سلطان کے لئے انگوٹھی کی اجازت دی اور غیر سلطان کے لئے منع فرمادیا، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی بھی منع ہے۔

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: الدر المختار، ج ۶ ص ۳۵۹، ۳۶۰ کتاب الحظر والاباحۃ۔

(۲) مسند احمد حدیث ابی ریحانۃ رضی اللہ عنہ رقم الحدیث ۱۵۷۹ لوسنن ابی داؤد کتاب اللباس باب من کرهہ، رقم الحدیث ۲۵۲۸۔



جمہور حدیث باب سے بھی استدلال کرتے ہیں اور حضرت بریدہؓ کی ایک مشہور روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں پیتل کی انگٹھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ مجھے تمہارے ہاتھ سے بتوں کی بدبو آ رہی ہے، اس نے اس کو اتار دیا، پھر اسٹیل کی انگٹھی پہن کر آیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تیرے ہاتھ میں اہل جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی اتار دیا، اور پھر دریافت کیا کہ حضور! میں کس چیز کی انگٹھی بنواؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چاندی کی انگٹھی بنواؤ، لیکن ایک مشقال کو پورا نہ کرنا<sup>(۱)</sup>، جمہور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان کو چاندی کی انگٹھی بنوانے کی اجازت دی جو ایک مشقال کے اندر اندر ہو، اگر مردوں کے لئے چاندی کی انگٹھی مکروہ ہوتی تو آپ ﷺ کیسے اجازت دیتے؟

اور اسی باب کی اگلی حدیث میں ہے کہ میں نے یہ انگٹھی بنوائی ہے اور اس میں یہ نقش کروایا ہے، لیکن تم اس کے مطابق نقش نہ بنوانا، یعنی آپ ﷺ نے انگٹھی میں محمد رسول اللہ کا نقش بنوانے سے منع فرمایا، چاندی کی انگٹھی سے منع نہیں فرمایا، اس لئے جمہور کہتے ہیں کہ مرد کے لئے بھی انگٹھی بنوانا جائز ہے، بشرطیکہ ایک مشقال کے اندر اندر ہو۔

جمہور حدیث ابوریحانہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے، اور ضعیف حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی، اور اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں مذکور نہیں، مکروہ تنزیہی پر محمول ہے، کہ مرد کو بلا ضرورت انگٹھی پہننا خلافِ اولیٰ ہے، اگر ضرورت ہو، جیسا کہ بادشاہ کو مہر لگانے کے لئے ضرورت ہوتی ہے، یا کوئی اور ضرورت ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

### حضور ﷺ کی انگٹھی کا برائیس میں گرنا

قولہ: حتی وقع منه فی بئر اریس (ص ۱۹۶ سطر ۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس سے حضور کی انگٹھی آپ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہی پھر ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس آئی پھر وہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے بئر اریس میں گر گئی، اور اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ کے غلام حضرت معقیبؓ سے کنویں میں گری، بئر اریس مسجد قباء سے جانب مغرب میں ایک باغ کے اندر تھا، جس میں یہ انگٹھی گری تھی، اور بئر اریس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا مالک ایک یہودی تھا، جس کا نام اریس تھا، اس کی طرف یہ کنواں منسوب ہے، اریس کے معنی کاشتکار کے آتے ہیں، اس کنویں پر حضرت عثمانؓ اور آپ کے

(۱) سنن بیہقی کتاب الخاتم باب ما جاء فی خاتم الخلد رقم الحدیث ۳۶۸۷۔

(۲) حکمة فتح المسلمین ج ۳ ص ۱۱۴، ۱۱۵ باب لیس النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتماً من ورق الخ

غلام معقیب بیٹھے ہوئے تھے، انگوٹھی اس میں گرنے کے بعد تین دن تک آپ تلاش کرواتے رہے، لیکن انگوٹھی نہیں ملی، بعض حضرات نے اس تعارض کو اس طرح دور کیا ہے کہ دراصل انگوٹھی حضرت معقیب کے ہاتھ سے گری تھی، مجازاً ان کے آقا حضرت عثمانؓ کی طرف گرنے کی نسبت کر دی، اور تابع کا فعل متبوع کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی کہ انگوٹھی دونوں سے گری، وہ اس طرح کہ انگوٹھی حضرت معقیب کے پاس تھی، حضرت عثمانؓ نے ان سے طلب کی، انہوں نے پیش کی، وہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھی، آپ کسی سوچ میں تھے اور اسی سوچ میں آپ نے وہ انگوٹھی حضرت معقیب کو دوبارہ دی، اسی لین و دین میں وہ انگوٹھی کنویں میں جا گری، لیکن اس میں زیادہ رائج بات یہ ہے کہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گری، اور جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں کچھ اسرار تھے، ایسے ہی اس انگوٹھی میں بھی کچھ اسرار تھے، جن میں سے ایک راز یہ تھا کہ انگوٹھی کی موجودگی میں فتنے رُکے ہوئے تھے، جب سے یہ انگوٹھی گم ہوئی، اسی وقت سے حضرت عثمانؓ کی حکومت کو زوال آنا شروع ہو گیا، اور اس کے بعد ہی آپؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد ہی سے مسلسل امت میں فتنے ظاہر ہوتے آرہے ہیں۔ (۱)

باب فی اتخاذ النبی ﷺ خاتماً لما أراد أن یکتب إلی العجم

(جب حضور ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو

آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی)

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرَى، وَقَيْصَرَ، وَالنَّجَاشِيِّ، فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا خَلَقْتُهُ فِضَّةً، وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (ص ۱۹۶ سطر ۱۹ تا ۲۱)

تشریح

قولہ: فصاغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتماً حلقة فضة،

(۱۹۶ سطر ۲۱)

خاتماً مبدل منہ ہے اور حلقة فضة اس سے بدل ہے۔ (۲)

(۱) بحکمۃ فتح المہم ج ۲ ص ۵۱۶۔

(۲) شرح السووف ج ۲ ص ۱۹۶

## باب فی طرح الخواتم (انگوٹھیاں اتارنا)

حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرٍانُ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ بْنُ زِيَادٍ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ أَبْصَرَ فِي يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ يَوْمًا وَاحِدًا، قَالَ: فَصَنَعَ النَّاسُ الْخَوَاتِمَ مِنْ وَرَقٍ فَلَيْسُواهُ، فَطَرَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَهُ، فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِمَهُمْ (ص ۱۹۶ سطر ۲۱، ۲۲)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اور استعمال بھی فرمائی، آپ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوائیں اور استعمال فرمائیں، جب آپ ﷺ نے انگوٹھی اتاری تو لوگوں نے بھی اتار دی، تو اس حدیث میں چاندی کی انگوٹھی کو اتارنے کا ذکر ہے جبکہ گذشتہ ابواب کی احادیث سے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی کو اتارنے کے بارے میں جتنی بھی احادیث یہاں ہیں، ان کی سند میں ابن شہاب زہری ہیں، اور یہ ان کا وہم ہے، اصل میں یہ سونے کی انگوٹھی تھی جس کو آپ ﷺ نے بنوایا، پہنا اور پھر اتار دیا، انہوں نے ذہب کی بجائے ورق کہہ دیا۔<sup>(۱)</sup>

بعض حضرات نے تعارض کو اس طرح دور کیا ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے زینت کے لئے انگوٹھی بنوائی تھی، آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جب آپ ﷺ نے یہ دیکھا تو آپ ﷺ نے انگوٹھی اتار دی، کیونکہ انگوٹھی کے ذریعے زینت مناسب نہیں ہے، پھر بعد میں آپ ﷺ نے عجم کے بادشاہوں کے نام خطوط پر مہر لگانے کی ضرورت سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ نقش کر دیا، کیونکہ آپ ﷺ کو بتایا گیا تھا کہ وہ بغیر مہر کے کسی کا خط پڑھتے ہی نہیں ہیں۔<sup>(۲)</sup>

## باب فی خاتم الورق فصہ حبشی چاندی کی انگوٹھی کا نگینہ حبشہ کا تھا

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ

(۱) شرح البووی ج ۲ ص ۱۹۶

(۲) مکملہ فتح المہم ج ۳ ص ۱۱۸، ۱۱۹۔

مَالِكٍ، قَالَ : كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ،  
وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا (ص ۹۷ اسطر ۳، ۴)

### تشریح

قوله: وَ كَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا (ص ۹۷ اسطر ۴)

اور آپ ﷺ کی انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا، یعنی آپ کی انگوٹھی کا نگینہ جس پتھر کا تھا، وہ پتھر حبشہ کا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی، نگینہ بھی چاندی کا تھا، اس کے دو جواب ہیں کہ نگینہ تھا تو حبشی کا لیکن اس کی بناوٹ چاندی کی سی تھی، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس کئی قسم کی انگوٹھیاں تھیں، کسی میں نگینہ چاندی کا تھا، کسی میں حبشی کا تھا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ خَاتَمَ فَضَّةٍ فِي يَمِينِهِ، فِيهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصُّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ (ص ۹۷ اسطر ۳ تا ۶)

### تشریح

انگوٹھی کس ہاتھ میں پہنی چاہئے

قوله: لَبَسَ خَاتَمَ فَضَّةٍ فِي يَمِينِهِ (ص ۹۷ اسطر ۵)

آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔ اس روایت میں دائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے، جبکہ بعض دیگر روایتوں میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے، ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے کے لئے شارحین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض نے کہا کہ پہلے آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی، پھر بائیں ہاتھ میں پہنی، اور بعض نے کہا کہ کسی وقت آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ میں پہنی اور کسی وقت بائیں ہاتھ میں پہنی، اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ زینت کے لئے دائیں ہاتھ میں پہنی اور ضرورت کے لئے بائیں ہاتھ میں پہنی، تو جن روایات میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے وہ مہر لگانے کیلئے ہے اور جن روایات میں دائیں ہاتھ میں پہننے کا ذکر ہے وہ زینت کیلئے ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ اس انگوٹھی کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے،

انگوٹھی کا نگینہ اوپر رکھیں یا نیچے دونوں طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے، البتہ نگینہ اندر کی طرف رکھنا اولیٰ ہے، کیونکہ مرد کو زینت مقصود نہیں ہے، ضرورت مقصود ہے، اور ضرورت، حفاظت و سلامتی اندر رکھنے میں ہے، نہ کہ اوپر رکھنے میں ہے۔<sup>(۱)</sup>

اسی طرح آگے انگلیوں کا مسئلہ آرہا ہے کہ آپ ﷺ نے کون کون سی انگلی میں انگوٹھی کو پہنا، تو اصل یہ ہے کہ جس میں سہولت ہو، اس میں پہن لے، آپ ﷺ نے تمام انگلیوں میں انگوٹھی کو پہنا ہے۔

### باب ما جاء في الانتعال والاستكثار من النعال

(جو تا استعمال کرنا اور کئی جوڑی رکھنا)

حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي غَزْوَةِ غَزَوْنَاهَا: اسْتَكَثِرُوا مِنَ النَّعَالِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ (ص ۱۹۷ سطر ۱۳ تا ۱۵)

### تشریح

اس باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے پاس جوتوں کی ایک سے زائد جوڑیاں رکھنی چاہئیں، تاکہ اگر ایک جوڑا کہیں گم ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو دوسری کام میں آئے، اس لئے ننگے پیر چلنا آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے، کیونکہ ننگے پاؤں چلنے میں گرمی میں پاؤں جلتے ہیں، اور پاؤں گندے بھی ہوتے ہیں، اور پیر میں نوک والی چیزیں چبھ بھی جاتی ہیں، اور ان سے پیر زخمی بھی ہو جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### باب إذا انتعل فليبدأ باليمين وإذا خلع فليبدأ بالشمال

(جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں

پیر سے جوتا اتارے)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَلَامٍ الْجُمَحِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى،

(۱) مردہ جمعہ کتاب اللباس باب النعل ج ۳ ص ۱۳۱۔

(۲) شرح الباقی ج ۲ ص ۱۲۲۔

وَإِذَا خَلَعَ فَلْيَبْذُ بِالْشِّمَالِ وَلْيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا (ص ۱۹۷)

(سطر ۱۵، ۱۶)

### تشریح

جوتا دائیں پاؤں میں پہلے پہننا مستحب ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوتا پہننا ایک نعمت ہے، اور اچھے کام دائیں طرف سے ہونے چاہئیں، جوتا اتارنا اس نعمت کو دور کرنا ہے، اس لئے جوتے اتارنے کی ابتداء بائیں پاؤں سے کرنی چاہئے<sup>(۱)</sup>، یا دونوں پیروں میں اکٹھا پہنے یا دونوں پیروں سے اکٹھا اتارے جیسا کہ حدیث بالا میں ہے۔

باب النہی عن اشتمال الصماء والاحتباء فی ثوب واحد

(ایک چادر میں لپٹنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا منع ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، فِيمَا قُرِءَ عَلَيْهِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَأَنْ يَشْتِمَلَ الصَّمَاءَ، وَأَنْ يَخْتَبِيَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهِ (ص ۱۹۸ سطر ۵، ۶)

### تشریح

قوله: وَأَنْ يَشْتِمَلَ الصَّمَاءَ (ص ۱۹۸ سطر ۶)

ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو ایک چادر میں لپٹنا مکروہ ہے

صماء کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک فقہی معنی ہیں، لغوی معنی یہ ہیں کہ چادر کو دائیں بائیں اچھے طریقے سے اس طرح لپیٹ لے کہ بالکل ہاتھ نکالنے کی جگہ باقی نہ رہے<sup>(۲)</sup>، اور فقہی معنی یہ ہیں کہ آدمی ایک ہی چادر میں لپیٹ جائے اور چادر کے پیچھے کا پلہ اٹھا کر کندھے پر رکھ لے،<sup>(۳)</sup> دونوں معانی میں تھوڑا سا فرق ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے یہ صورت ہے کہ چادر میں اپنے آپ کو بالکل اس طرح لپیٹ لے کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے، اور فقہی معنی کی صورت میں ایک جانب کو اوپر کر لے، جس

(۱) مکمل فتح السہم ج ۳ ص ۱۲۲۔

(۲) مشارق لآوار نعمانی عیاض ج ۲ ص ۸۵، حرف الصاد۔

(۳) ح العروس باب اللام ج ۱ ص ۷۲۱۔





رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى (ص ۱۹۸ سطر ۱۴، ۱۵)

### تشریح

اس باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا، گذشتہ باب میں ممانعت تھی اور اس باب میں آپ ﷺ کا خود ایسا کرنے کا ذکر ہے، اس تعارض کو حضرات محدثین نے رفع فرمایا کہ پہلی حدیث میں ممانعت اس صورت میں ہے کہ جس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، اور آپ ﷺ نے خود جو عمل کیا، اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ نہیں تھا۔

دوسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ لیٹ کر ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھ لے، اس سے منع فرمایا، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کے لیٹنے کی صورت ایک پاؤں کو کھڑا کر کے نہیں تھی، بلکہ دونوں پاؤں سیدھے تھے، اور ایک پاؤں کے اوپر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا، یہ جائز ہے، کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا خطرہ نہیں۔<sup>(۱)</sup>

### باب النہی عن التزعفر للرجال

(مردوں کو زعفرانی کپڑا پہننا منع ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قوله) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّزْعَفْرِ. (ص ۱۹۸ سطر ۱۷، ۱۸)

### تشریح

اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے، یہ بات تو مسلم ہے کہ اس کے منع ہونے کی وجہ تشبہ بالنساء ہے، لیکن شارحین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کی ممانعت کی وجہ اس کی خوشبو ہے یا رنگ؟ بعض حضرات نے خوشبو کہا اور بعض نے رنگ کہا، لیکن زیادہ رائج بات یہ ہے کہ اس کی وجہ خوشبو ہے، کیونکہ یہ خوشبو عورتیں استعمال کرتی تھیں، لہذا اگر کوئی زعفرانی کپڑا دھو کر پہن لے تو درست ہوگا کیونکہ اس صورت میں خوشبو ختم ہو جائے گی اور رنگ رہ جائے گا، بعض صحابہ کرامؓ جو زعفرانی کپڑا پہنتے تھے، اس کی یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ وہ دھو کر پہنتے تھے، جیسے

(۱) فیص الفسیر علامہ امجدی ج ۱ ص ۳۵۶ مرقم الحدیث ۳۳۲ و جمع الوسائل فی شرح الشرائع للعلامہ ملا علی قاری باب ما جاء فی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ (۱)

## باب فی صبغ الشعر وتغییر الشیب

(بالوں کو خضاب لگانا اور سفیدی کو بدلنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ:  
أَتَى بِأَبِي قُحَافَةَ - أَوْ جَاءَ عَامَ الْفَتْحِ، أَوْ يَوْمَ الْفَتْحِ - وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ مِثْلُ  
الشَّغَامِ أَوْ الشَّغَامَةِ فَأَمَرَ أَوْ فَأَمَرَ بِهِ إِلَى نِسَائِهِ قَالَ غَيِّرُوا هَذَا بِشَيْءٍ (ص ۱۹۹)

سطر ۲۰۱)

## تشریح

ابو قحافہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد کی کنیت ہے، ان کا اسم گرامی عثمان بن عمرو التیمی ہے، (۲) شغام یا شغامہ، یہ درخت کے پھل کو بھی کہتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ ایک پھول ہے، جو نہایت سفید ہوتا ہے، حضرت ابو قحافہ کی داڑھی مبارک اور سر مبارک کے بال بالکل سفید تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ غیروا هذا بشیء، کہ ان کی اس حالت کو تبدیل کرو، یعنی خضاب لگاؤ، تاکہ یہ جو بالکل سفید معلوم ہو رہے ہیں، بالکل سفید نہ لگیں۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ ان کو بدلو اور کالے رنگ کے خضاب سے پرہیز کرو۔ (۳)

یہاں دو مسئلے سمجھنے کے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سفید بالوں کو خضاب لگانے کا حکم دیا، اور ان کے رنگ کو بدلنے کا حکم دیا، جبکہ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا بڑھا پا اس کے حق میں نور ہے (۴)، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کو بدلنے سے منع فرمایا (۵)، تو تعارض ہوا، شارحین نے اس تعارض کو رفع فرمایا کہ جب داڑھی یا سر کے بال بالکل سفید ہو جائیں تو ان کو بدلنے کا حکم ہے، اور جب کچھ بال سیاہ اور کچھ سفید ہوں تو اس وقت نہ بدلنے کا حکم ہے۔

(۱) شرح بیہقی ج ۲ ص ۱۹۹ وضع الناری کتاب اللباس باب المہی عن النضر عن الزجال ج ۱ ص ۳۱۱

(۲) (۱) ص ۱۹۹ فی معرفۃ الصحابہ (۲) ص ۱۹۹ فی معرفۃ الصحابہ (۳) ص ۱۹۹ فی معرفۃ الصحابہ (۴) ص ۱۹۹ فی معرفۃ الصحابہ (۵) ص ۱۹۹ فی معرفۃ الصحابہ

(۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۹

(۴) جامع الترمذی بواب فضائل الجہاد باب ما جاء فی فصل من شاب شیۃ الح رعم الحدیث ۱۵۵۸

(۵) مسنن بیہقی کتاب الخاتم باب ما جاء فی خاتم الذهب رقم الحدیث ۳۶۸۶

بعض حضرات نے یہ توجیہ بیان فرمائی کہ جن احادیث میں سفید بالوں کو نہ بدلنے کا حکم ہے، خضاب نہ کرنے کا حکم ہے وہ منسوخ ہیں اور جن میں خضاب کرنے کا حکم ہے وہ ناسخ ہیں۔<sup>(۱)</sup>

### خضاب لگانے کا حکم

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خضاب لگانے کا کیا حکم ہے؟ تو خضاب کی تین قسمیں ہیں، ایک مہندی کا خضاب لگانا اور بالخصوص کتم بوٹی ملا کر خضاب لگانا، جس سے داڑھی یا سر کے بال سیاہ مائل ہو جائیں، مگر خالص سیاہ نہ ہوں، یہ بلاشبہ سنت اور افضل ہے، سنت سے سنت عادیہ مراد ہے سنت ہدیٰ مراد نہیں ہے۔

دوسرا خضاب وہ ہے کہ جو مہندی اور سیاہ خضاب کے علاوہ کسی اور رنگ کا خضاب ہو، وہ بھی جائز ہے۔

تیسرا خالص سیاہ رنگ کا خضاب ہے، اس میں کچھ تفصیل ہے، اس کی تین صورتیں ہیں، ایک بالاتفاق جائز ہے اور ایک بالاتفاق ناجائز ہے اور ایک بالاختلاف جائز ہے۔

مجاہد کے لئے میدان جہاد میں کالے رنگ کا خضاب لگانا بالاتفاق جائز ہے تاکہ دشمن پر رعب پڑے، دوسری صورت یہ کہ کسی کو دھوکا دینے یا بوڑھے کو جوان ظاہر کرنے کے لئے سیاہ خضاب لگائے یہ بالکل ناجائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا دل خوش کرنے کے لئے سیاہ خضاب لگائے، اس میں اختلاف ہے، جمہور اس سے بھی منع کرتے ہیں، کیونکہ کلاً اور بعضاً اس پر وعید آئی ہے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے، کیونکہ جیسے بیوی کو اپنے شوہر کے لئے آراستہ اور مزین ہونا جائز ہے، شوہر کو بھی اپنی بیوی کے لئے مزین ہونا جائز ہے<sup>(۲)</sup>، اور انکا استدلال صحابہؓ و تابعینؓ کے بعض آثار سے ہے، جمہور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جن میں مطلقاً ممانعت وارد ہوئی ہے، ہمارے حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور جو حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلق ممانعت آئی ہے، وہ مطلق نہیں بلکہ دھوکا دہی کی صورت پر محمول ہیں۔

بیوی کو اپنے شوہر کا دل خوش کرنے کے لئے کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے، اور جواز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی نو جوان آدمی ہے، کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے وقت سے پہلے اس کے بال سفید ہو گئے، اس کے لئے کالے رنگ کا خضاب لگانا جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> کیونکہ یہ دھوکا دینا نہیں، بلکہ ازالہ

(۱) مکسۃ فتح المسلمین ج ۳ ص ۲۹۹ الوفتح الباری کتاب اللباس باب الخضاب ۱۶/۲۹۱

(۲) فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۵۹ کتاب الکراۃ الباب العشرون فی التزیۃ الخ۔

(۳) مکسۃ فتح المسلمین ج ۳ ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

## باب لا تدخل الملائكة بیتا فیہ کلب ولا صورة

(جس گھر میں کتاب یا تصویر ہو اس میں ملائکہ نہیں آتے)

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ ابْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَخْبَرْتَنِي مَيْمُونَةُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا، فَقَالَتْ مَيْمُونَةُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَقَدْ اسْتَكْرَثَ هَيْتَكَ مِنْذُ الْيَوْمِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ وَعَدَنِي أَنْ يَلْقَايَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِي، أَمْ وَاللَّهِ مَا أَخْلَفَنِي، قَالَ: فَظَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَهُ ذَلِكَ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ وَقَعَ فِي نَفْسِهِ جَرُّ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَنَا، فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهُ \_\_\_\_\_ الحديث (ص ۱۹۹ سطر ۱۰ تا ۱۳)

## تشریح

قوله: أن رسول الله ﷺ أصبح يوما واجما (ص ۱۹۹ سطر ۱۱)  
واجما کے معنی ہیں غمگین اور خاموش<sup>(۱)</sup>،

قوله: فسطاط، (ص ۱۹۹ سطر ۱۳) بڑا خیمہ، اور قیام گاہ،

قوله: جرّ، (ص ۱۹۹ سطر ۱۳) پلا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَبِي طَلْحَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ (ص ۲۰۰ سطر ۱، ۲)

## تشریح

قوله: لا تدخل الملائكة بیتا فیہ کلب ولا صورة (ص ۲۰۰ سطر ۲)

(۱) مراد الملائک باب النعب ویرح ۱۳ ص ۲۳۱

(۲) جو - یا -

### تصویر والے گھر میں فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ

جس گھر میں کتاب یا تصویر ہو، وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، جو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں، وہ فرشتے جو روح نکالنے پر مامور ہیں، وہ یہاں مرا نہیں (۱)۔ سوال یہ ہے کہ اگر گھر میں کتاب یا تصویر ہو تو فرشتے گھر میں کیوں نہیں آتے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ کتاب چونکہ نجس العین ہے، اسلئے فرشتے اس کی موجودگی میں نہیں آتے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب شیاطین میں سے ہے، جیسے شیاطین ایذا پہنچاتے ہیں، کتاب بھی ایذا پہنچاتا ہے، اس وجہ سے فرشتے نہیں آتے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ کتاب نجس العین تو نہیں ہے لیکن چونکہ اکثر گندہ رہتا ہے اور گندگی کے آس پاس رہتا ہے اس لئے اس کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے۔ (۲)

### تصویر کشی کا حکم

اس کے بعد تصویر کا مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ دور حاضر کے مسائل میں سے یہ ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے، اور اس کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے، اس باب کی تقریباً تمام احادیث سے تصاویر کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ ہمارے حضرت کا ایک رسالہ ہے اردو میں ”تصویر کے شرعی احکام“ ہے اس میں حضرت نے چودہ احادیث اور نو آثار جمع فرمائے ہیں، ان سے بھی جاندار کی تصویر کا حرام ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، ان احادیث کے پیش نظر جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام و ناجائز ہے، چنانچہ اس سلسلے میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ تصاویر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ... جانداروں کی تصویر

(۲) ... بے جان چیزوں کی تصویر

جاندار کی تصویر کی پھر دو قسمیں ہیں، جسم والی تصویر، اور بغیر جسم والی تصویر یعنی کاغذ پر جاندار تصویر کا نقش۔

بے جان تصویر بنانا ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے جیسے چاند، سورج، زمین، درخت وغیرہ، اور جانداروں کی تصاویر میں وہ تصاویر جن کا جسم ہوتا ہے اور ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے، جیسے مجسمہ، اسی طرح مورتی پتھر، تانبے، لکڑی وغیرہ کی تصاویر کے مجسمے وغیرہ، یہ حرام اور ناجائز ہیں۔

(۱) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۰۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۰۔



جاندار کی تصویر کی دوسری قسم کہ جس کا جسم نہیں ہوتا، جیسے کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر، کپڑے پر بنی ہوئی یا چھپی ہوئی تصویر، دیوار پر بنی ہوئی یا چھپی ہوئی تصویر، اخبارات و رسائل کی تصویر، یہ تمام تصاویر وہ ہیں کہ جن کا جسم نہیں ہوتا، بلکہ خطوط و نقوش ہوتے ہیں، ائمہ ثلاثہؒ اس کی حرمت پر متفق ہیں، یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ۔

علماء مالکیہ میں اختلاف ہے، اکثر اس کو مکروہ کہتے ہیں اور مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے، اور بعض علماء مالکیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل آگے آنے والی ایک حدیث ہے کہ جس میں ہے فقال عبید اللہ: ألم تسمعه حین قال: إلا رقما فی ثوب، یعنی کپڑے میں نقش تصویر کا استثناء کیا گیا ہے، جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ رقما سے مراد بے جان کی تصویر ہے، دلیل آگے آنے والی حدیث عائشہؓ ہے، اس میں ہے کہ پردوں میں تصویر تھی، تو سرکارِ دو عالم ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا، اور آپ ﷺ نے وہ کپڑا لیکر پھاڑ دیا، اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہی لوگ گرفتار ہوں گے جو کہ صفتِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ایسی شدید وعید بے جان کی تصویر پر نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ رقما سے مراد بے جان کی تصویر ہے۔

### متجددین کا موقف

ہمارے دور کے مجددِ دین کہتے ہیں کہ تصویر کی حرمت شروع اسلام میں تھی، بعد میں ختم ہو گئی، اور شروع میں اس لئے ممانعت تھی کہ شروع اسلام میں مسلمان بت پرستی چھوڑ کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، تو ان کو تصویر بنانے، رکھنے اور استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، تاکہ وہ دوبارہ بت پرستی میں مبتلا نہ ہو جائیں، پھر جب ان میں توحیدِ راسخ ہو گئی اور ان کا ایمان مضبوط ہو گیا، اور بت پرستی کا اندیشہ ختم ہو گیا تو تصویر کی حرمت ختم ہو گئی، مجددِ دین کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، کیونکہ اگر تصویر کی حرمت منسوخ ہوتی تو سرکارِ دو عالم ﷺ اس کا ناخ بیان فرماتے، اور تقریباً سو سال تک آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ زندہ رہے، ان کی طرف سے کوئی ناخ آتا، حالانکہ ایسا نہیں، پھر ایسا دعویٰ کرنا کہ جاندار کی تصویر کشی شروع اسلام میں حرام تھی، پھر اس کی حرمت ختم ہو گئی، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ تصویر کے حرام ہونے کی علت حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ یشبھون بخلق اللہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی نقل اتارنا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا فرماتے ہیں، اس میں روح بھی ڈالتے ہیں، لیکن انسان صرف تصویر بناتا ہے مگر اس میں نہیں ڈال سکتا تو گویا یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو حرام ہے، یہ تصویر کے حرام ہونے کی علت ہے۔

بعض حضرات حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو ان کے قبضے میں کر دیا تھا اور وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے، مثلاً وہ تماثل بناتے تھے، تماثل، تمثال کی جمع ہے اور تمثال جاندار کی تصویر کو کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تصویر بنانا جائز ہے، اس کے دو جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ تمثال کے معنی مطلق نقل اتارنے کے آتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے بے جان چیزوں کی تصاویر بناتے ہوں، لہذا اس سے جاندار کی تصویر کے حلال ہونے پر استدلال درست نہیں، اور بالخصوص اس وجہ سے بھی یہ معنی مراد لینا ضروری ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع دار تھے، یعنی وہ توریت کے احکام پر عمل کرتے تھے، اور توریت کے اندر یہ حکم نہیں تھا کہ جاندار کی تصویر بنانا حلال ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض مان لو کہ تمثال جاندار کی تصویر کو کہتے ہیں تو یہ شوائع من قبلنا کا مسئلہ ہے، اگر شوائع من قبلنا من غیر نکیر منقول ہو تب تو وہ قابل اتباع ہے اور درست ہے، ورنہ ناجائز ہے، اور ہماری شریعت میں جاندار کی تصاویر کی حرمت بیان کی گئی ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا سراسر غلط ہے۔

### قدیم اور جدید کیمرہ کی تصویر کا حکم اور علماء کا اختلاف

تصویر اتارنے کے کیمرہ کی دو قسمیں ہیں، ایک سادہ ریل والا کیمرہ اور ایک ڈیجیٹل کیمرہ۔ ریل والے کیمرے میں تصویر نیکیتو میں محفوظ ہوتی ہے، اسی کو صاف کر کے چھوٹے بڑے فوٹو بنائے جاتے ہیں، پرانے زمانے میں سینما میں جو فلمیں دکھائی جاتی تھیں وہ بھی اسی طرح تصاویر کی ایک ریل ہوتی تھی، اس کو چلاتے تھے تو پردے کے اوپر پوری تصویریں نظر آتی تھیں، ایسے کیمرہ کی تصویر جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں مصر کے علامہ شیخ محمد نجیب رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تصویر ناجائز تصویر میں داخل نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تصویر اتاری جاتی ہے، تو اس کے عکس کو محبوس کیا جاتا ہے، چنانچہ اس کیمرے میں جس چیز کی تصویر لے جاتی ہے اس کے سایہ کو روک کر محفوظ کیا جاتا ہے، جس کو اصطلاح میں حبس الظل کہتے ہیں، اور سایہ تصویر کے حکم میں نہیں تو اس کو محبوس کرنا بھی ممنوع نہیں لہذا اس کیمرہ کی تصویر ممنوع نہیں، یہ تصویر بنانا نہیں اور یہ اس طرح نہیں کہ ایک آدمی ہاتھ میں قلم اور برش لیکر کسی جاندار کی تصویر بنانا شروع کرے کہ پہلے اس کے

ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ بنائے اور پھر آہستہ آہستہ دیگر اعضاء بنا کر اس کو پورا کرے تو بلاشبہ یہ تصویر سازی ہے جو ناجائز ہے۔

اکثر علماء عرب و عجم نے ان کے اس موقف کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ کیمرے کی تصویر بلاشبہ ناجائز تصویر ہے، کیونکہ اس پر تصویر کی تعریف صادق آرہی ہے، اور تصویر کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کی شکل کسی چیز کے اوپر جمادی جائے، چاہے کپڑے پر چھاپی جائے یا پانی جائے یا کاغذ پر چھاپی جائے، اور اس کے ہاتھ، پیر، کان، ناک وغیرہ محفوظ ہوں، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اور اس کیمرے کی تصویر میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں، ہمارے حضرتؒ نے اپنے رسالہ تصویر کے شرعی احکام میں شیخ علامہ محمد نجیت کے موقف کی پرزور تردید فرمائی ہے۔

دوسرے ڈیجیٹل کیمرہ، ٹیلی ویژن، وی سی آر، کمپیوٹر کی اسکرین پر آنیوالی تصویر، موبائل کی اسکرین پر آنے والی تصویر، ان تصاویر کا کیا حکم ہے؟ اس میں علماء عصر میں اختلاف ہے، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، تینوں جگہ کے علماء میں اختلاف ہے، علماء کی ایک بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ بالکل ناجائز اور ممنوع تصاویر ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ تصویر بنانے کا جدید طریقہ ہے، اس لئے یہ سب تصاویر ہیں جو ایک نئے انداز میں بنائی گئی ہیں، اور اصل میں جاندار کی تصویر کا اعتبار ہے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے بنائی گئی ہو۔

دوسری طرف بھی علماء کرام کی ایک بڑی جماعت ہے، جس میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے اکابر علماء بھی شامل ہیں، ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ فی نفسہ یہ ممنوع تصویر میں داخل نہیں، کیونکہ تصویر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو کسی چیز پر جم جائے، جیسے کاغذ پر ہوتی ہے، دیوار پر ہوتی ہے، یہ تعریف اس پر صادق نہیں آتی، کیونکہ ان کی میموری میں وہ تصویر کی شکل میں محفوظ نہیں ہوتی، اس میں نیکیو کی طرح کوئی چیز نہیں ہوتی، ان میں تصویر کے باریک باریک ذرات (پکسل) ہوتے ہیں، اور اگر ان ذرات کو بکھیرا جائے تو کسی ایک ذرے (پکسل) میں تصویر کا کوئی بھی حصہ قابل شناخت نہیں ہوتا۔

جب ان کو اسکرین پر دکھایا جاتا ہے تو وہ اسکرین پر جم نہیں رہے ہوتے، بلکہ ایک طرف سے آتے ہیں اور دوسری طرف فنا ہوتے ہیں، اسی آنے، جانے، ملنے اور فنا ہونے سے اسکرین پر ایک تصویری بنی ہوئی نظر آتی ہے، جو حقیقی تصویر نہیں، بلکہ انسان کے سائے کی طرح ہے، جیسے انسان کا سایہ یا آئینہ میں اس کا عکس نظر آتا ہے، لیکن چونکہ وہ مستقل طور پر وہاں نقش نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں اسکرین پر بھی مستقل

طور پر نقش نہیں ہوتا، اس لئے فی نفسہ ایسی تصویر جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور خارجی ممانعت نہ ہو، جیسے عورت کی تصویر یا کوئی اور ناجائز تصویر، ورنہ عورت کے نامحرم ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اس تصویر کو دیکھنا گناہ ہوگا نفس تصویر کی وجہ سے ممانعت نہ ہوگی۔

### بوقت ضرورت تصویر کشی کی گنجائش ہے

بعض مواقع پر تصویر کی ضرورت پڑتی ہے، تو علماء نے اس کی گنجائش دی ہے، کیونکہ مواقع ضرورت عموماً حرمت سے مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں، مثلاً عورت کو سر سے پیر تک حجاب ضروری ہے، لیکن اگر سودا لینے یا دینے کے لئے اس کے ہاتھ کلائیوں تک کھل جائیں تو کھولے جاسکتے ہیں، یا چہرہ پردے سے چھپانے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو رہی ہے، مثلاً اس کو راستہ نظر نہیں آ رہا، نظر کمزور ہے تو اس کو چہرہ کھولنا بھی جائز ہے، نماز پڑھنے کے لئے اس کو وضو کرنا ہے اور وہ حجاب میں ہے، حجاب میں وضو کرنا دشوار ہے، ایسی عورت اجانب کے سامنے ہاتھ اور منہ کھول کر وضو کر سکتی ہے، ایسے ہی اگر عورت گواہی دینے لگے تو چہرہ کھولنا جائز ہے علاج معالجہ کے لئے نہ صرف چہرہ بلکہ جسم کا ہر وہ حصہ جس کا دیکھنا علاج کے لئے ضروری ہو خواہ ستر کا حصہ ہی کیوں نہ ہو بقدر ضرورت بوقت ضرورت کھولنا اور طبیب کو دیکھنا جائز ہے، ایسے ہی شناخت کی ضرورت سے تصویر کشی جائز ہے، اب شناخت کے لئے تصویر شناختی کارڈ میں بھی چاہئے، پاسپورٹ میں بھی چاہئے، اور داخلہ فارم کے لئے بھی چاہئے۔<sup>(۱)</sup> لہذا ان سب صورتوں میں تصویر کشی کی گنجائش ہے۔

### باب کراہۃ الکلب والجرس فی السفر

(سفر میں کتا اور گھنٹی رکھنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ فَضِيلُ بْنُ حُسَيْنٍ الْجَحْدَرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،  
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا  
كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ (ص ۲۰۲ سطر ۱۱، ۱۲)

قولہ: رُفْقَةً (۲۰۲ سطر ۱۲) ساتھیوں کی جماعت۔

قولہ: جرس (۲۰۲ سطر ۱۲) گھنٹی کو کہتے ہیں۔ جرمس کی ممانعت کی وجہ علماء نے یہ لکھی

ہے کہ یہ ناقوس کے مشابہ ہے، دوسرے یہ کہ گھنٹی کی آواز نا پسندیدہ ہے، تیسرے یہ کہ لوگ اس کو گلے میں باندھتے ہیں اور یہ گلے میں باندھی جانے والی مکروہ چیزوں میں سے ہے۔<sup>(۱)</sup>

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا باندھنا مطلقاً ممنوع ہے، کیونکہ حدیث میں مطلقاً ممانعت ہے، البتہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بدل المجہود میں فرمایا ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب بلا کسی فائدے کے ہو، اور اگر جس کے باندھنے میں کوئی فائدہ ہو تو بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت گلے میں باندھنا جائز ہے<sup>(۲)</sup>، جیسے کتا اگر چھوٹے باغ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے تو ناجائز ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کے لئے کتے کی ضرورت نہیں اور اگر بڑے باغ میں اس کو رکھا جائے تو جائز ہے، ایسے ہی شکاری کتا بھی جائز ہے، اسی طرح قافلے کی حفاظت کے لئے کتا ساتھ رکھنا جائز ہے، کیونکہ یہاں اس کی ضرورت ہے، ایسے ہی اگر گھنٹی کی ضرورت ہو تو وہاں اس کا استعمال کرنا جائز ہے، پہلے زمانہ میں قافلے کے جانوروں کے گلے میں گھنٹی اس لئے باندھتے تھے کہ تاکہ اگر گرم ہو جائے تو تلاش کرنا آسان ہو، یا اس لئے کہ جانوروں کے گلے میں بندھی گھنٹی کی آواز سن کر درندے اور موذی جانور راستے سے بھاگ کر ایک طرف ہو جاتے تھے، یا اس لئے کہ گھنٹی کی آواز سن کر جانور مست ہو جاتا اور تیز چلتا، جس کی وجہ سے مسافت جلدی طے ہو جاتی تھی، یہ بھی ایک ضرورت ہے۔<sup>(۳)</sup> اور ایسی ضرورت سے جانور کے گلے میں گھنٹی ڈالنا جائز ہے۔

### باب کراہۃ قلادۃ الوتر فی رقبة البعیر

(اونٹ کے گلے تانت باندھنا مکروہ ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الی قولہ) عَنْ عَبَادِ بْنِ تَمِيمٍ، أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، قَالَ: فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا قَالَ: عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: وَالنَّاسُ فِي مَبِيتِهِمْ، لَا يَبْقَيْنَ فِي رِقْبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةً إِلَّا قُطِعَتْ قَالَ مَالِكٌ: أَرَى ذَلِكَ مِنَ الْغَيْنِ

(ص ۲۰۲ سطر ۱۴ تا ۱۷)

(۱) شرح سووی ج ۲ ص ۲۰۲

(۲) من المجہود کتاب الجہاد باب فی تعلیق الاحراس ج ۱۲ ص ۲۳

(۳) بحکمۃ فتح السہم ج ۳ ص ۱۵۵



## تشریح

قوله: قلادة من وتر (ص ۲۰۲ سطر ۱۶)

وتر، تانت کو کہتے ہیں اور تانت جانور کے پٹھے کو کہتے ہیں، جسم میں ایک گوشت ہوتا ہے، اس کو اردو میں اعصاب کہتے ہیں، جب اس کو خشک کیا جاتا ہے، تو وہ بہت ہی سخت ہو جاتا ہے اس کو تانت کہتے ہیں، اہل عرب اس تانت کو نظر بد سے بچنے کے لئے گلے میں باندھتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے نظر کا کوئی تعلق نہیں، اور یہ عقیدہ درست نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے وتر ہی سے منع فرما دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو گلے میں ڈاکر جب جانور کو بھگایا جاتا ہے اور اس کو کھینچا جاتا ہے تو اس کی گردن کے دبنے کا خطرہ ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

تیسری وجہ اس کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اس میں گھٹنی باندھی جاتی تھی، اس وجہ سے اس کی ممانعت ہے۔<sup>(۲)</sup>

## باب النہی عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه

(جانور کے چہرہ پر مارنے اور دلغنے کی ممانعت کا بیان)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ، وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ (ص ۲۰۲ سطر ۱۷ تا ۱۸)

## تشریح

انسان یا جانور کے چہرے پر مارنا بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ چہرہ جسم کا نازک حصہ ہے جس میں نازک اعضاء ہیں، جیسے ناک، آنکھ، کان اور منہ اور دماغ وغیرہ، اس لئے مطلقاً حیوان کے چہرے پر مارنا اور بالخصوص انسان کے چہرے پر مارنا ناجائز ہے، البتہ چہرے کے علاوہ جانور کو مارنا، جیسے دوڑانے کے وقت مارا جاتا ہے، یہ جائز ہے، ایسے ہی انسان کی تربیت اور اس کی تہذیب کے لئے مارنا جیسے استاد اپنے شاگرد کو مارے یا باپ اپنی اولاد کو مارے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ

(۱) شرح السووی ج ۲ ص ۲۰۲

(۲) سنن المحمود کتاب الجہاد باب فی تقلید الخیل باللاتار ج ۱ ص ۳۱، ۳۲



مارے، اور اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مارنے سے جسم پر نشان نہ پڑنے پائے، اور جسم کے کسی نازک حصے پر نہ مارے اور تین مرتبہ سے زیادہ نہ مارے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے چہرے پر داغنے سے بھی منع فرمایا، اس لئے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ چہرے پر داغنا ناجائز ہے، البتہ نشانی یا علاج کے لئے چہرے کے علاوہ جسم کے غیر نازک اعضاء پر داغنا جائز ہے<sup>(۱)</sup>، جیسے آپ ﷺ نے گدھے کی دونوں رانوں پر داغا۔<sup>(۲)</sup>

باب جواز وسم الحيوان غير الآدمي في غير الوجه،

وندبه في نعم الزكاة والجزية

(انسان کے علاوہ دیگر حیوان کے چہرہ کے علاوہ داغنا جائز ہے بلکہ زکوٰۃ

وجزیہ کے جانوروں کو داغنا مندوب ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَمَّا وَلَدَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ قَالَتْ لِي: يَا أَنَسُ انْظُرْ هَذَا الْغَلَامَ، فَلَا يُصِيبَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَغْدُوَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَنِّكُهُ، قَالَ: فَغَدَوْتُ فَإِذَا هُوَ فِي الْحَائِطِ، وَعَلَيْهِ خَمِيصَةٌ خُوَيْتِيَّةٌ وَهُوَ يَسِمُ الظَّهْرَ الَّذِي قَدِمَ عَلَيْهِ فِي الْفَتْحِ (۲۰۳ سطر ۴، ۳)

تشریح

قولہ: خَمِيصَةٌ جُونِيَّةٌ (۲۰۳ سطر ۴)

خَمِيصہ کا معنی ہے چادر اور جُونِيَّةٌ بنی جون کی طرف منسوب ہے<sup>(۳)</sup>۔

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: دَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِرْبَدًا وَهُوَ يَسِمُ غَنَمًا قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ: فِي آذَانِهَا (ص ۲۰۳ سطر ۶، ۷)

(۱) من المحمود كتاب الجهاد باب في رسم الدواب ج ۱ ص ۲۷

(۲) صحيح مسلم في هذا الباب ج ۲ ص ۲۰۳

(۳) لفظ میں کئی دیگر لغات بھی منقول ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۰۳

## تشریح

قوله : موبد، (ص ۲۰۳ سطر ۷) جانوروں کا پاڑا۔<sup>(۱)</sup>

## باب کراهة القزع

(قزع کی کراہت کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عُمَرُ بْنُ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ قَالَ: قُلْتُ لِنَافِعٍ وَمَا الْقَزَعُ قَالَ: يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ بَعْضُ. (ص ۲۰۳ سطر ۱۰، ۱۱)

## تشریح

قوله : القزع (ص ۲۰۳ سطر ۱۰)

قزع کہتے ہیں سر کے کچھ بال کاٹ دینا اور کچھ بال چھوڑ دینا، یہ بالاتفاق مکروہ اور منع ہے، اور شارحین نے اس کی ممانعت کی دو وجوہات بیان کی ہیں، ایک تو اس میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تشبہ بالیہود ہے<sup>(۲)</sup>، اور ہمارے یہاں اس میں تشبہ بالیہود ہے۔

## باب النهی عن الجلوس فی الطرقات وإعطاء الطريق حقه

(راستوں میں بیٹھنے کی ممانعت اور راستہ کا حق ادا کرنا)

حَدَّثَنِي سُؤَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطَّرِيقَاتِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَنَا بَدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ (ص ۲۰۳ سطر ۴ تا ۵)

الْمُنْكَرِ (ص ۲۰۳ سطر ۴ تا ۵)

(۱) شرح بیرونی ج ۲ ص ۲۰۳۔

(۲) شرح بیرونی ج ۲ ص ۲۰۳۔

## تشریح

قوله: إياكم والجلوس (ص ۲۰۴ سطر ۳)

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اس ارشاد سے یہ سمجھا تھا کہ آپ ﷺ کا راستوں پر بیٹھنے کی ممانعت کا یہ حکم ”وجوب کے لئے“ ہے، جب ہی انہوں نے دوبارہ سوال کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ آپ ﷺ کا حکم دینا بطور ترغیب کے تھا، بطور وجوب کے نہیں۔

باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

(بالوں میں بال ملانے اور ملوانے والی کا یہ فعل اور جسم گودنے اور

گودوانے والی کا یہ عمل حرام ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (الى قوله) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: جَاءَتْ امْرَأَةً إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي ابْنَةً عَرِيْسًا أَصَابَتْهَا حَصْبَةٌ فَتَمَرَّقَ شَعْرُهَا أَفَاصِلُهُ، فَقَالَ: لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ (۲۰۴ سطر ۷، ۸)

## تشریح

قوله: عريسا (۲۰۴ سطر ۷)

عریسا کے معنی دلہن بننے والی یا رخصتی ہونے والی کے ہیں۔

قوله: حصبة (ص ۲۰۴ سطر ۷)

حصبة پھنسیوں کو کہتے ہیں<sup>(۱)</sup>، یعنی اس کے سر پر پھنسیاں نکل آئی ہیں جس کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے ہیں، تو کیا میں اس کے بالوں میں دوسرے بال ملا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بال ملانے والی اور بال ملوانے والی دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الى قوله) عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ

وَالْمُسْتَوْشِمَةُ (ص ۲۰۴ سطر ۱۵، ۱۶)

## تشریح

قولہ: الواشمة (ص ۲۰۴ سطر ۱۶) جسم گودنے والی۔

جسم گدوانا حرام ہے

قولہ: المستوشمة (ص ۲۰۴ سطر ۱۶) جسم گدوانے والی، دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، نیلا رنگ یا نیلی روشنائی یا کالا سرمہ جسم کے اندر بھرا جاتا ہے اور اس سے جسم پر پھول بوٹے بنائے جاتے ہیں، جیسے ہمارے یہاں ہندوؤں میں اس کا بہت رواج ہے اور ہمارے دیہات کے بعض مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہے، یہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے اور حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، (الی قولہ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: لَعَنَ اللَّهُ  
الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ، وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَمِصَّاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ  
لِلْحُسْنِ الْمُغْيِرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ... الحديث (ص ۲۰۵ سطر ۱، ۲)

## تشریح

بھنویں بنانا ناجائز ہے

قولہ: "النامصات" (ص ۲۰۵ سطر ۲)

نامصة کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بال نوچنے والی<sup>(۲)</sup> اور متمصة بال نوچوانے والی کو<sup>(۳)</sup>، اسی میں بھنویں کو بنوانا بھی داخل ہے کہ عورتیں بلیڈ یا چٹھی سے بال صاف کرتی اور نوچتی ہیں یا دھاگے سے نوچتی ہیں اور بھنویں کو باریک کرتی ہیں، یا کسی کی دونوں بھنویں ٹٹی ہوئی ہوں تو وہ درمیان میں حسن کے لئے فاصلہ کراتی ہیں، ایسا کرنا تغیر خلق اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام اور موجب لعنت ہے، البتہ اگر عورت کی بھنویں بہت موٹی ہو جائیں اور ادھر ادھر بال نکل جائیں تو ان کو سیٹ کرنے اور برابر کرنے کے لئے تراشنا جائز ہے اور اگر کسی عورت کے چہرے پر داڑھی یا مونچھیں نکل آئیں تو بلاشبہ اس کے لئے ان کا کٹوانا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، تاکہ مردوں کی مشابہت ختم ہو جائے، اور چہرے پر رنگ و روغن کرنا جیسے میک اپ کرنا وغیرہ جائز ہے، کیونکہ یہ تغیر خلق اللہ

(۱) شرح بیرونی ج ۲ ص ۲۰۴۔

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۵ و مکملہ فتح الملہم ج ۴ ص ۱۹۵۔

(۳) شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۵۔

نہیں ہے، بلکہ زینت کیلئے ہے، اور یہ جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

### دانتوں کو گھسوا کر باریک کرنا جائز نہیں

اسی طرح متفلجات پر بھی لعنت ہے، متفلجة وہ عورت ہے جو اپنے دانتوں کو گھسوا کر ان کے درمیان خلا پیدا کرتی ہے، اہل عرب میں یہ دستور تھا کہ جب عورتیں بوڑھی ہو جاتیں اور ان کے دانت لمبے لمبے ہو جاتے تو وہ انہیں ریتی سے گھسوا کر چھوٹا کیا کرتی تھیں، اور اس زمانے میں یہ بھی خوبصورتی سمجھی جاتی تھی کہ دانتوں کے درمیان خلا ہو<sup>(۲)</sup>، جیسے آج کل ہمارے ہاں کا رواج یہ ہے کہ ملے ہوئے دانت خوبصورت سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی کے دانت ملے ہوئے ہوتے تو ریتی سے درمیان سے گھسوا کر خلا بنایا جاتا، تاکہ ہر دانت الگ الگ ہو جائے اور خوبصورت لگے، یہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلَوَانِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: رَزَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةُ بِرَأْسِهَا شَيْئًا (ص ۲۰۵ سطر ۱۰، ۱۱)

### تشریح

#### عورتوں کا اپنے بالوں میں دوسرے بال ملانے کا حکم

قوله: رَزَجَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَصِلَ الْمَرْأَةُ بِرَأْسِهَا شَيْئًا. (ص ۲۰۵ سطر ۱۱)  
عورت کا اپنے سر کے بال کے ساتھ کچھ ملانے کا مسئلہ ہے، اس میں تین قول ہیں، ایک قول جمہور کا ہے، جمہور یہ کہتے ہیں کہ عورت کو مطلقاً اپنے سر کے بالوں میں دوسرے بال ملانا ناجائز ہے، چاہے انسان کے بال ہوں، چاہے حیوان کے بال ہوں، چاہے کسی جانور کی اون ہو یا مصنوعی بال ہوں۔

دوسرا مسلک حنفیہ اور بعض شوافع کا ہے کہ انسانی بالوں کے ملانے کی ممانعت ہے، باقی جانوروں کے بال، مصنوعی بال، اون، سوت اور دھاگے وغیرہ اپنے بالوں میں شامل کرنا جائز ہے۔

(۱) شرح سووئی ج ۲ ص ۲۰۵ و مکملہ فتح المفہم ج ۳ ص ۱۹۵۔

(۲) شرح سووئی ج ۲ ص ۲۰۵ و مکملہ فتح المفہم ج ۳ ص ۱۹۵۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جن بالوں کو سر کے بالوں کے ساتھ ملانے سے اشتباہ ہوتا ہو کہ یہ اس کے اصلی بال ہیں، تب تو یہ ناجائز ہے اور اگر اشتباہ نہ ہو تو جائز ہے، لہذا اون، سوت اور کپڑے وغیرہ کے دھاگے اگر بالوں میں لگائے جائیں تو یہ الگ ہی نظر آتے ہیں، یہ جائز ہوں گے، جبکہ حیوانی بال یا مصنوعی بالوں سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ اصلی بال ہیں یا نقلی بال ہیں، اس لئے وہ ناجائز ہیں، (۱)

### باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات

(عورتوں کا لباس پہننے کے باوجود نگلی ہونا اور مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور خود بھی ان کی طرف مائل ہونے کا بیان)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقُولُ إِنَّ زَوْجِي أُعْطَانِي مَا لَمْ يُعْطِنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ، كَلَابِسِ ثَوْبِي زُورٍ (ص ۲۰۶ سطر ۱، ۲)

### تشریح

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا شوہر جو چیز مجھے نہ دے، مگر کیا میں دوسروں کے سامنے یہ بیان کر سکتی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھے وہ چیز دی ہے، تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”المتشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور“ ظاہر کرنے والا اس چیز کا کہ جو اس کو نہیں دی گئی، جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے، مطلب یہ کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز نہیں ہے اور وہ بہ تکلف اس بات کا اظہار کرے کہ وہ اس کے پاس ہے، جس کی وجہ سے دوسرا یہ سمجھے کہ وہ چیز اس کے پاس ہے تو یہ جھوٹ ہے۔

جو شخص عالم و حافظ نہ ہو اس کا خود کو عالم و حافظ ظاہر کرنا جائز نہیں

لابس ثوبی زور کے تین مطلب شارحین نے بیان کئے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی حافظ، قاری، عالم نہیں ہے، اور وہ اپنی چال ڈھال اور باتوں سے یہ ظاہر کرے کہ میں بہت بڑا علامہ

(۱) مکملہ ص ۱۱۱ ج ۲ ص ۲۹۱، شرح النووی ج ۲ ص ۲۰۲، حدیث الباب میں مطلق مقید پر محمول ہے یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے ہمارے ہاں کے ساتھ کچھ حدیث پر جو ناراہنگی کا اظہار فرمایا ہے وہ انسانی بالوں کے ساتھ ملانے پر اظہار ناراہنگی ہے۔



ہوں، قاضی القضاۃ ہوں، مفتی اور علامہ ہوں تو یہ بھی لابس ثوبی زور میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔  
 دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جھوٹا ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، اس نے کسی سے  
 بہت اعلیٰ قسم کے ودخو بصورت کپڑے لئے، تاکہ لوگ اسے پہنا دیکھ کر یہ سمجھیں کہ یہ تو کوئی بہت بڑے  
 مالدار رئیس کا بیٹا ہے، اور پھر انہیں پہن کر جاتا ہے تو یہ کلابس ثوبی زور کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ اپنے لباس  
 سے دھوکا دینا چاہ رہا ہے کہ میں بہت مکرم آدمی ہوں، میرا جھوٹ سے کیا واسطہ ہے؟  
 تیسرا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں اگر کوئی دو یا تین کرتے پہن لیتا تو دوسرے پر کچھ  
 رعب سا بیٹھ جاتا تھا کہ بھی اس کے پاس تو بہت کپڑے ہیں، یہ بڑا مالدار آدمی ہے، اب اگر کوئی جھوٹ  
 موٹ ایک پہنے ہوئے کپڑے کو دو ظاہر کرے تو یہ لابس ثوبی زور میں داخل ہے۔<sup>(۱)</sup> اور ناجائز  
 ہے۔

## کتاب الآداب

باب النہی عن التکنی بأبی القاسم و بیان ما یستحب من الأسماء  
 (ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت اور ناموں میں سے جو نام مستحب ہیں ان کے بیان میں)  
 یہ کتاب آداب کے بیان میں ہے، آداب جمع ہے ادب کی، ادب اچھی عادت، اچھی خصلت  
 اور اچھے کام کو کہتے ہیں، اس کتاب میں حضرت امام مسلم ایسی احادیث بیان فرمائیں گے کہ جن سے اچھے  
 اچھے آداب اور اچھی عادات معلوم ہوں گی، اور جو باتیں مکروہ یا ممنوع ہوں گی، ان کی ممانعت کو بیان  
 فرمائیں گے، کیونکہ ان سے بچنا بھی ادب میں داخل ہے۔

حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ (الْحِمْصِيُّ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: نَادَى رَجُلٌ  
 رَجُلًا بِالْبَقِيعِ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي  
 لَمْ أُغْنِكَ إِنَّمَا دَعَوْتُ فَلَانًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:  
 تَسْمَوُا بِأَسْمِي وَلَا تَكْنُوا بِكُنْيَتِي. (ص ۲۰۶ سطر ۳ تا ۵)

## تشریح

قوله: تسموا باسمي ولا تكنوا بكنتي. (ص ۲۰۶ سطر ۵)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا میرا نام رکھ سکتے ہو، لیکن میری کنیت نہیں رکھ سکتے، یعنی میرے نام پر کسی کا نام رکھ سکتے ہو، لیکن میری کنیت پر کسی کی کنیت مقرر نہ کرو، تو آپ ﷺ نے اپنا نام مبارک رکھنے کی اجازت دی، لیکن اپنی کنیت رکھنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ کا نام محمد (ﷺ) ہے اور کنیت ابوالقاسم ہے، اس میں بعض مشائخ نے ایک حکمت بیان فرمائی ہے، جو عام طور پر شارحین کے کلام میں نہیں ملتی لیکن مشائخ سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ دراصل مسلمان حضور ﷺ کو یا رسول اللہ! کہہ کر مخاطب کرتے تھے، اور غیر مسلم آپ ﷺ کو یا ابا القاسم! کہتے تھے، عام طور پر آپ ﷺ کو یا محمد! کوئی نہیں کہتا تھا، تو نام رکھنے میں التباس کا اندیشہ نہیں ہے، کنیت رکھنے میں التباس کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمایا<sup>(۱)</sup>، چنانچہ اس حدیث میں بھی دیکھئے کہ آپ ﷺ بتبع میں تھے کہ کسی نے آواز دی، اور ابا القاسم کہا تو آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا، تو اس نے کہا کہ حضور! میں آپ ﷺ کو آواز نہیں دے رہا، ابوالقاسم سے کوئی اور شخص مراد ہے جس کو آواز دے رہا ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا نام رکھو، میری کنیت نہ رکھو۔

سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کنیت کے ساتھ کسی کی کنیت یا نام رکھنا کیسا ہے؟ اس میں تین قول

ہیں:

پہلا قول جمہور فقہاء اور جمہور علماء رحمہم اللہ کا ہے کہ یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے تک محدود تھی، آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی کنیت پر نام وغیرہ رکھنے کی کوئی ممانعت نہیں، دلیل ان کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور الادب المفرد وغیرہ میں موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ کے بعد میرا بچہ پیدا ہو تو کیا میں آپ ﷺ کی کنیت مبارک اس کے لئے رکھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! رکھ سکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت آپ ﷺ کے زمانے تک تھی، آپ کے بعد نہیں، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ کنیت رکھنے سے احتیاء ہوگا، آپ ﷺ کے بعد احتیاء نہیں ہے، لہذا جائز ہونا چاہئے۔

دوسرا قول اصحاب النظار کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جیسے حضور ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی کنیت رکھنا منع تھا، اسی طرح آپ ﷺ کی زندگی کے بعد بھی کنیت رکھنا منع ہے، ان کا استدلال حدیث کے ظاہری الفاظ سے ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو، وہ یہ کنیت نہیں رکھ سکتا، اور جس کا نام محمد نہ ہو وہ کنیت

رکھ سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لا تکتوا بین اسمی و کنیتہ (اؤ کما قال علیہ السلام) اس مفہوم کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں کہ جن میں آپ ﷺ نے دونوں کو اکٹھا کرنے سے منع فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي إِبرَاهِيمُ بْنُ زِيَادٍ (الی قولہ) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ. (ص ۲۰۶ سطر ۵ تا ۷)

### تشریح

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور بہتر نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بندے کی بندگی، عہدیت اور غلامی کا ذکر ہے، جو بندے کا اعلیٰ مقام ہے، اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہیں، عبد اللہ اور عبد الرحمن بطور مثال ذکر کئے گئے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے باقی ناموں کے ساتھ لفظ عبد ملانے کی بھی یہی فضیلت ہے جیسے عبد القدوس، عبد الکریم، عبد الغفور، عبد الجبار، عبد الرؤوف وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ وَقَالَ سُلَيْمَانُ: فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ \_\_\_\_\_ الحديث (ص ۲۰۷ سطر ۱ تا ۵)

### تشریح

قولہ: فَإِنَّمَا بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ (ص ۲۰۷ سطر ۵)

اس کے شارحین نے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے درمیان مال تقسیم کرتا ہوں، اور جہاں اللہ تعالیٰ کا جتنا حکم ہوتا ہے، میں وہاں دیتا ہوں، مال غنیمت تقسیم کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ لگایا تھا، اور ویسے بھی آنے والے مال کو آپ ﷺ مسلمانوں میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں علم، نیکیاں اور بھلائیاں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں، یعنی تم کو نیک اعمال بتلاتا ہوں اور نیک اعمال کا بتلانا نیکیوں کا تقسیم کرنا ہی ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح سوری ج ۲ ص ۲۰۶ و مکملہ فتح المنہم ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

(۲) مکملہ فتح المنہم ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

(۳) مکملہ فتح المنہم ج ۲ ص ۲۰۸۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الى قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: لَمَّا قَدِمْتُ نَجْرَانَ سَأَلُونِي، فَقَالُوا: إِنَّكُمْ تَقْرءُونَ يَا أُخْتَ هَارُونَ، وَمُوسَى قَبْلَ عِيسَى بِكَذَا وَكَذَا، فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَمُّونَ بِأَنْبِيَائِهِمْ وَالصَّالِحِينَ قَبْلَهُمْ. (ص ۲۰۷ سطر ۱۰ تا ۱۳)

### تشریح

قوله: عن المغيرة بن شعبة، قال: لما قدمت نجران. (ص ۲۰۷ سطر ۱۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نجران آیا، جہاں عیسائی رہتے تھے، انہوں نے کہا کہ تم قرآن شریف میں پڑھتے ہو یا اُخت ہارون، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اور حضرت ہارون علیہ السلام تو ان سے بھی پہلے وفات پا چکے تھے، تو حضرت مریم علیہا السلام کیسے حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن ہو گئیں؟ اس وقت انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، جب واپس آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں یہ اشکال پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہارون سے حضرت ہارون علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ کوئی اور شخص مراد ہیں، اور وہ شخص بہت ہی زیادہ عبادت گزار تھے، حضرت مریم علیہا السلام کی قوم نے حضرت مریم علیہا السلام کو اس کی بہن قرار دیا، کہ ہارون جو عبادت گزار اور اللہ والا آدمی ہے، تو تو اس کی بہن ہے، تو بھی بڑی عبادت گزار ہے، پھر یہ کیسی حرکت تو نے کی؟ کہ بغیر شوہر کے تیرے اولاد ہو گئی، بطور طعنہ کے انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی نسبت اس کی طرف کی، اور بنی اسرائیل کے اندر دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کے نام پر رکھتے تھے، تو اس عبادت گزار کا نام ہارون علیہ السلام کے نام پر ہارون تھا۔<sup>(۱)</sup>

### باب کراهة التسمية بالأسماء القبيحة وبنافع ونحوه

(برے نام رکھنے کی کراہت)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُونُسَ، (الى قوله) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ أَرْبَعُ: سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ. لَا يَضُرُّكَ بَأْيُهُنَّ

بِذَاتٍ وَلَا تُسَمِّنَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا، وَلَا رَبَاحًا، وَلَا نَجِيحًا، وَلَا أَفْلَحَ،  
فَبَاكَ تَقُولُ: أَأَنْتُمْ هُوَ؟ فَلَا يَكُونُ فَيَقُولُ: لَا إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ فَلَا تَزِيدَنَّ عَلَيَّ.

(ص ۲۰۷ سطر ۱۶ تا ۱۸)

### تشریح

قوله: وَلَا تُسَمِّنَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا، وَلَا رَبَاحًا، وَلَا نَجِيحًا

(ص ۲۰۷ سطر ۱۶ تا ۱۸)

آپ ﷺ نے یہ چار نام رکھنے کو پسند نہیں فرمایا، اور غلاموں کی نسبت سے اس لئے فرمایا کہ عام طور پر یہ نام غلاموں کے لئے رکھے جاتے تھے، خود آپ ﷺ کے دو غلام تھے، ایک نام رہا ح اور دوسرے کا یہ رہتا، اور ان ناموں کے رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ان میں بدقالی کا اندیشہ ہے، جیسے کسی کا نام افلح ہو، تو کوئی پوچھے کہ یہاں افلح ہے، اور وہ کہے کہ نہیں ہے، تو اس سے بدقالی ہوگی کہ یہاں فلاح و کامیابی نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> لیکن جمہور کے نزدیک یہ ممانعت کراحت تنزیہی پر محمول ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خُلَفٍ، (الِی قَوْلِهِ) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُسَمَّى بِيَعْلَى، وَبِرَكَّةٍ، وَبِأَفْلَحٍ، وَبِيسَارٍ، وَبِنَافِعٍ وَبِنَحْوِ ذَلِكَ، ثُمَّ رَأَيْتُهُ سَكَتَ بَعْدَ عَنِهَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ أَرَادَ عُمَرُ أَنْ يَنْهَى عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ تَرَكَهُ.

(ص ۲۰۷ سطر ۲۰ تا ۲۳)

### تشریح

قوله: أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُسَمَّى بِيَعْلَى، (ص ۲۰۷ سطر ۲۱ تا ۲۲)

اس حدیث میں یعلیٰ اور ہرکۃ سے بھی منع فرمایا، یعنی آپ ﷺ نے منع کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا اور خاموش ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان ناموں کو مکروہ تحریمی قرار دینے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن پھر آپ ﷺ نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دینے سے خاموشی اختیار فرمائی، چنانچہ جمہور کے نزدیک ان ناموں کو رکھنا مکروہ تنزیہی

(۱) شرح البیرونی ج ۲ ص ۲۰۷۔

(۲) مکشہ فتح المنہم ص ۲۱۲ ج ۳۔

باب استحباب تغییر الاسم القبیح إلى حسن، وتغییر اسم برة إلى زینب وجویریة ونحوهما

(برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل کرنے اور برہ کو زینب سے بدلنے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ (الی قوله) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَقَالَ: أَنْتِ جَمِيلَةٌ (ص ۲۰۸ سطر ۱، ۲)

### تشریح

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا معمول تھا کہ جس نام کے معنی اچھے نہ ہوتے، اس کو بدل دیتے تھے، جیسے عاصیہ کے معنی ہیں نافرمانی کرنے والی، تو آپ ﷺ نے اس کو بدل کر جمیلہ رکھ دیا، یا کسی نام میں بد فالی کا اندیشہ ہو، تو اس کو بھی آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے، جیسے افع، یسار، نافع، رباح وغیرہ، تیسرے وہ نام کہ جس میں آدمی کی بزرگی اور پاکیزگی ظاہر ہوتی ہو، اس کو بھی آپ ﷺ پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا دعویٰ ہے، جیسے آپ نے متعدد صحابیات کا بڑا نام بدل کر زینب اور جویریہ رکھا۔

باب تحريم التسمی بملک الاملاک....

(شہنشاہ نام رکھنے کی حرمت)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، (الی قوله) هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَغِيْظُ رَجُلٍ عَلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَخْبِئُهُ وَأَغِيْظُهُ عَلَيْهِ، رَجُلٍ كَانَ يُسَمِّي مَلِكَ الْأَمْلاَكِ، لَا مَلِكَ إِلَّا اللَّهُ (ص ۲۰۸ سطر ۱۵، ۱۶)

### تشریح

ایسے ہی جس نام کے اندر بڑائی اور تکبر پایا جاتا ہو، اس کو بھی آپ ﷺ نے بہت زیادہ قبیح



قرار دیا ہے، جیسے ملک الاملاک، شہنشاہ، شاہِ عالم وغیرہ، چونکہ یہ سارے نام بڑائی پر مبنی ہیں۔

باب استحباب تحنیک المولود عند ولادته وحمله إلى صالح

بحنكہ.....

(پیدا ہونے والے بچہ کو گھٹی دینے اور گھٹی دینے کے لئے کسی نیک آدمی کی طرف

اٹھا کر لے جانے کے بیان میں)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: ذَهَبْتُ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَلَدَ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عِبَاءٍ يَهْنَأُ بَعِيرًا لَهُ، فَقَالَ: هَلْ مَعَكَ تَمْرٌ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَنَاولْتُهُ تَمْرَاتٍ، فَأَلْقَاهُنَّ فِي فِيهِ فَلَاكِهِنَّ، ثُمَّ فَعَرَ فَا الصَّبِيَّ فَمَجَّعَهُ فِي فِيهِ، فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ وَسَمَاءُ عَبْدِ اللَّهِ.

(ص ۲۰۸ سطر ۱ تا ۱۹)

### تشریح

جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو، تو بچہ پیدا ہوتے ہی جب اس کو نہلا دیا جائے اور کپڑے پہنا دئے جائیں تو پہلی سنت یہ ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، پھر دوسری سنت یہ ہے کہ قریب میں کوئی نیک اور اللہ والا بزرگ موجود ہو تو اس کے پاس لیجایا جائے اور کھجور بھی ساتھ لیجائی جائے، اور پھر ان سے کہا جائے کہ آپ کچھ کھجور کو چبا کر باریک اور پتلا کر کے اس بچے کے منہ میں ڈال دیں، اس کو تحنیک کہتے ہیں، اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے یہاں حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو حضرت انس بن مالکؓ ان کو لیکر حضور ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ ایک عباء پہنے ہوئے تھے، اور اونٹ کو کالا تیل لگا رہے تھے<sup>(۱)</sup>، اونٹ کو جب خارش ہو جائے تو منہ میں ایک گرم تیل کا نام ہے جو ایک درخت سے نکلتا ہے وہ اس اونٹ کو لگایا جاتا ہے، اس کی گرمی سے خارش ختم ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے کھجور کو چبایا اور بچے کا منہ کھول کر چبائی ہوئی کھجور اس بچے کے منہ میں ڈال دی، بچہ اس کو چاٹنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انصار کی کھجوروں سے محبت دیکھو کہ

ان کے بچے بھی کھجور چاٹ رہے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ، (الی قولہ) حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ،  
وفاطمة بنت المنذر بن الزبير، أَنَّهُمَا قَالَا (الی قولہ) ثُمَّ خَرَجْتُ حِينَ  
نُفِستُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُحَنِّكَهُ فَأَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا، فَوَضَعَهُ فِي حَجَرِهِ، ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ قَالَ: قَالَتْ  
عَائِشَةُ: فَمَكَّنَّا سَاعَةً نَلْتَمِسُهَا قَبْلَ أَنْ نَجِدَهَا، فَمَضَغَهَا، ثُمَّ بَصَقَهَا فِي  
فِيهِ، فَإِنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ دَخَلَ بَطْنَهُ لَرِيقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ  
قَالَتْ أَسْمَاءُ: ثُمَّ مَسَحَهُ وَصَلَّى عَلَيْهِ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللَّهِ، ثُمَّ جَاءَ، وَهُوَ ابْنُ  
سَبْعِ سِنِينَ أَوْ ثَمَانٍ، لِيُبَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَهُ  
بِذَلِكَ الزُّبَيْرُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَأَاهُ مُقْبِلًا  
إِلَيْهِ، ثُمَّ بَايَعَهُ (ص ۲۰۹ سطر ۷ تا ۱۱)

### تشریح

قولہ : حین راہ مقبلا الیہ، ثم بایعه (ص ۲۰۹ سطر ۱۱)

یہ بیعت برکت کے لئے تھی نہ کہ مکلف ہونے کے اعتبار سے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، (الی قولہ) عَنْ أَسْمَاءَ، أَنَّهَا حَمَلَتْ  
بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ: فَخَرَجْتُ وَأَنَا مُتَمِّمٌ، فَاتَيْتُ الْمَدِينَةَ  
فَنَزَلْتُ بِقُبَاءٍ فَوَلَدَتْهُ بِقُبَاءٍ، ثُمَّ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَوَضَعَهُ فِي حَجَرِهِ، (الی قولہ) وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ (ص ۲۰۹  
سطر ۱۱ تا ۱۳)

### تشریح

قولہ : وکان اول مولود ولد فی الاسلام (ص ۲۰۹ سطر ۱۳)

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے، اس لئے ان

کو ولد فی الاسلام کہا گیا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ أَتَى  
بِالْمُنْدَرِ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ وُلِدَ  
فَوَضَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخْذِهِ، وَأَبُو أُسَيْدٍ جَالِسٌ، فَلَهِيَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشْيءٍ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَمَرَ أَبُو أُسَيْدٍ بِابْنِهِ فَأَحْتَمَلَ  
مِنْ عَلَى فَخْذِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْلَبُوهُ، فَاسْتَفَاقَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّنَ الصَّبِيِّ فَقَالَ: أَبُو أُسَيْدٍ أَقْلَبَنَاهُ، يَا  
رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: مَا اسْمُهُ؟ قَالَ: فُلَانٌ، يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ  
اسْمُهُ الْمُنْدَرُ فَسَمَاهُ يَوْمَئِذٍ الْمُنْدَرُ. (ص ۲۱۰ سطر ۱۵ تا ۲۱)

### تشریح

قولہ: فلہی النبی ﷺ بشیء بین یدیه، (ص ۲۱۰ سطر ۳، ۴)  
ابو اسید بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کسی کام میں مشغول ہو گئے، اور بچے کی طرف دھیان  
نہ رہا، تو انہوں نے بچے کو حضور ﷺ کی ران سے اٹھایا، اور بچے کو گھر بھیج دیا، پھر حضور ﷺ کو توجہ  
ہوئی تو دریافت فرمایا کہ بھئی! بچہ کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضور! ہم نے اس کو گھر بھیج دیا، پھر  
آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کچھ نام بتایا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ  
نہیں! اس کا نام مندر ہے۔

### باب جواز تکیۃ من لم یولد وکنیۃ الصغیر

(لا ولد کے لئے اور بچہ کی کنیت رکھنے کے جواز کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسِ بْنِ  
مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا،  
وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ: أَبُو عَمِيرٍ، قَالَ: أَحْسِبُهُ، قَالَ: كَانَ فَطِيمًا، قَالَ:  
فَكَانَ إِذَا جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَاهُ، قَالَ: أَبَا عَمِيرٍ مَا  
فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ: فَكَانَ يَلْعَبُ بِهِ. (ص ۲۱۰ سطر ۵ تا ۸)

## تشریح

قوله: کان لطیماً (ص ۲۱۰ سطر ۷)

لطیماً بمعنی مفلوماً، یعنی ان کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا<sup>(۱)</sup> ابو عیمران کی کنیت ہے اور ان کا نام کبشہ ہے، بغیر کے کئی معنی ہیں، ایک معنی بلبل کے ہیں، دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہے جس کی چونچ لال رنگ کی ہوتی ہے اس کو ”لال“ کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ چڑیا کے بچے کو کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ یہ ایک پرندہ ہے جو چڑیا کی طرح ہوتا ہے اور اس کا سر چھوٹا اور چونچ لال ہوتی ہے، وہ اس پرندے کے ساتھ کھیلتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچے کسی پرندے کیساتھ کھیلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس کو ماریں نہیں۔<sup>(۲)</sup>

باب جواز قوله لغیر ابنہ: یا بنی واستحبابہ للملاطفۃ

(غیر کے بیٹے کو محبت و پیار کی وجہ سے اے میرے بیٹے کہنے کے جواز

کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: مَا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ عَنِ الدُّجَالِ أَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَتْهُ عَنْهُ، فَقَالَ لِي: أَيُّ بَنِيٍّ وَمَا يُنْصِبُكَ مِنْهُ؟ إِنَّهُ لَنْ يَضُرَّكَ قَالَ قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ مَعَهُ أَنْهَارَ الْمَاءِ وَجِبَالَ الْخُبْرِ، قَالَ: هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ ذَلِكَ. (ص ۲۱۰ سطر ۹ تا ۱۱)

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ شفقت اور محبت کی وجہ سے کسی کو بیٹا یا بیٹی کہنا جائز ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضور ﷺ سے دجال کے بارے بہت پوچھا کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بیٹے! تجھے کس چیز نے فکر میں ڈال دیا؟ تم کو دجال کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

## باب الاستئذان

(اندرا آنے کی اجازت اور اس کا طریقہ)

یہ باب استئذان کے بیان میں ہے، استئذان کے معنی ہیں اجازت لینا، اگر کوئی شخص کسی

(۱) شرح السنوئی ج ۲ ص ۲۱۹۔

(۲) شرح السنوئی ج ۲ ص ۲۱۹ مکتبہ فتح الملہم ج ۳ ص ۲۲۵۔

خوت میں بیٹھا ہوا ہو اور چاہے دروازہ کھلا ہوا یا بند، اور آثار و قرائن سے یہ بات معلوم ہو کہ وہاں بغیر پوچھے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے گھر میں ہے یا دفتر میں ہے، دروازہ بند ہے یا کھلا ہوا ہے، تو ایسی جگہ بغیر پوچھے جانا ناجائز ہے، پہلے اجازت لے پھر اندر جائے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ پہلے اجازت طلب کرے پھر سلام کرے، وہ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اٰهْلِهَا<sup>(۱)</sup> اس میں پہلے استئذان اور پھر سلام کا ذکر ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ پہلے سلام کرے، پھر اندر جانے کی اجازت طلب کرے<sup>(۲)</sup> وہ ابو داؤد شریف میں ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ربیعؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ”ا الج؟“ کیا میں اندر آ جاؤں؟ آپ ﷺ نے ایک خادم کو بھیجا کہ جاؤ، اس کو کہو کہ پہلے سلام کرے اور پھر کہے کہ ا ادخل؟ چنانچہ خادم نے جا کر یہ کہا، اور پھر اس آدمی نے اسی طرح اجازت طلب کی تو پھر اس کو اندر آنے کی اجازت ملی۔<sup>(۳)</sup>

یہ طریقہ صرف اس وقت ہے کہ جب سلام کی آواز اندر جاسکتی ہو، اور اگر مکان یا دفتر وغیرہ بڑا ہو کہ باہر کھڑے ہو کر سلام کرنے سے اندر والوں تک آواز پہنچنا مشکل ہے، تو پھر اس کے لئے مختلف طریقے ہیں جن کو اختیار کرنا چاہئے، مثلاً دستک دینا، گھنٹی بجانا، لیکن یہ سب کام درمیانی آواز سے ہونا چاہئے کہ گھر والے ہماری دستک دینے کے انداز سے یا گھنٹی بجانے کے طریقے سے ڈرنے جائیں۔<sup>(۴)</sup> اسی میں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بے وقت اور بے موقع کسی سے ملنے نہ جائیں، جیسے کسی کے کھانے یا آرام کا وقت ہے، اس وقت اس کے پاس نہ جائیں، اور یہ بھی دیکھیں کہ جس وقت جس سے ملنے جانا ہو، یہ اس سے ملاقات کا وقت ہے یا نہیں؟ آیا اس کے سونے یا کھانے کا وقت تو نہیں ہے، اگر ہو تو پہلے پوچھ لیں۔

حَدَّثَنِي عُمَرُو بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ بُكَيْرٍ النَّاقِذُ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: كُنْتُ جَالِسًا بِالْمَدِينَةِ فِي مَجْلِسِ الْأَنْصَارِ، فَأَتَانَا أَبُو مُوسَى فَرَعًا أَوْ مَذْعُورًا قُلْنَا: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: إِنَّ عُمَرَ

(۱) سورہ النور ۲۷

(۲) شرح السنوٰتی ج ۲ ص ۲۱۰

(۳) سنن سی دؤد کتاب الاستئذان رقم الحدیث ۴۵۰۸

(۴) لکھنؤ فتح نسیم ج ۳ ص ۲۳۰

أَرْسَلَ إِلَيَّ أَنْ آتِيَهُ، فَاتَيْتُ بِأَبِيهِ فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنَا؟ فَقُلْتُ: إِنِّي أَتَيْتُكَ، فَسَلَّمْتُ عَلَيَّ بِأَبِيكَ ثَلَاثًا، فَلَمْ يَرُدُّوا عَلَيَّ، فَرَجَعْتُ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنْ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ: أَقِمَّ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ، وَإِلَّا أَوْجَعْتُكَ. فَقَالَ: أَبِيُّ بْنُ كَعْبٍ: لَا يَقُومُ مَعَهُ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، قَالَ: أَبُو سَعِيدٍ: قُلْتُ أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، قَالَ: فَادْهَبْ بِهِ (ص ۲۱۰ سطر ۱۳ تا ۱۷)

### تشریح

#### اجازت نہ ملنے پر واپس ہونا

قولہ: عمر: اقم علیہ البینۃ، وإلا أوجعتک۔ (ص ۲۱۰ سطر ۱۶)  
تین دفعہ سلام کرنے یا اجازت طلب کرنے کے بعد اگر کوئی جواب نہ دے تو واپس آ جانا چاہئے۔ جب حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کو یہی بات بتلائی تو حضرت عمرؓ نے گواہی کیوں طلب کی؟ شارحین نے اس کی کئی وجہ بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کی نسبت کوئی بات بیان کرنے میں سخت احتیاط لازم ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کی تحقیق و تفتیش کروائی، آپ کا مقصد کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرنا نہیں تھا، مقصد صرف یہ تھا کہ اس حدیث کی صحیح تحقیق ہو جائے کہ حضور ﷺ سے یہ بات منقول ہے یا نہیں<sup>(۱)</sup>؟ کیونکہ آگے حضرت عمرؓ کا ایک ارشاد آرہا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں کاروباری مصروفیت کی وجہ سے بعض احادیث سننے سے محروم رہتا تھا، اس لئے میں نے اس کی تحقیق کی ہے۔

#### باب تحریم النظر فی بیت غیرہ

(دروازہ سے اندر جھانکنا منع ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَجُلًا أَطْلَعَ فِي جُحْرِ فِي بَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَذْرَى



يَحْكُ بِهِ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَسْتَظِرُّنِي لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ (ص ۲۱۲ سطر ۲ تا ۵)

### تشریح

کسی کے گھر میں دروازے وغیرہ سے جھانکنا ایسا ہے جیسے بغیر اجازت کے اس گھر کے اندر داخل ہو جانا، ایک شخص نے آپ ﷺ کے گھر میں جھانکا تو آپ ﷺ ایک بال ٹھیک کرنے کی لکڑی یا کنگا نما کوئی چیز لیکر سر کھجا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں تمہاری آنکھ میں مار دیتا۔

اور اگلی روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس شخص کی طرف تیر کا پھل لیکر اس کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے، تو اس میں کوئی دیت یا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

### باب نظر الفجاءة

(اچانک نظر پڑنا معاف ہے)

حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (الی قولہ) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِي (ص ۲۱۲ سطر ۱۳، ۱۵)

### تشریح

اچانک نظر پڑنا معاف ہے، لیکن اچانک پڑ جانے والی نظر کو فوراً ہٹالینا ضروری ہے۔

## کتاب السلام

(آداب سلام کے بیان میں)

حَدَّثَنِي عَمْرُو النَّاقِدُ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ،

فَقَالَتْ عَائِشَةُ: بَلْ عَلَيْكُمُ الشَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قَالَتْ: أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ. (ص ۲۱۳ سطر ۱۹ تا ص ۲۱۳ سطر ۲)

### تشریح

#### حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم

قوله: ان الله يحب الرفق في الامر كله (ص ۲۱۳ سطر ۱)

اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے استدلال فرمایا ہے کہ اگر کوئی ذمی حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور ان کو بُرا بھلا کہے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے گی لیکن قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ عقد ذمہ ختم ہوگا لیکن اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا مرتد ہونا ہے اور مرتد ہونا موجب قتل ہے حدیث بالا میں یہودی کا حضور ﷺ کو ”السام صیکم“ کہنا سراسر گستاخی ہے اس کے باوجود حضور ﷺ نے انہیں قتل نہیں کیا۔ حضرت امام بخاریؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور شوافعؒ کے مذہب میں ایک روایت ہے۔ البتہ حضرات مالکیہؒ، حنابلہؒ اور شوافعؒ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ذمی کا عقد ٹوٹ جائے گا اور اُسے قتل کیا جائے گا انہوں نے کعب بن اشرف، ابورافع اور ابن خطل وغیرہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے۔

اس موضوع پر علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک مفصل کتاب ”المصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ“ لکھی ہے اور احادیث طیبہ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے مذاہب تفصیل سے جمع کئے ہیں اور اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی حیات طیبہ میں اپنی شان میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں اختیار تھا کہ اس کو معاف کر دیں یا قتل کر دیں اور دونوں باتیں آپ ﷺ سے ثابت ہیں لیکن اُمت پر (بشرط قدرت) ایسے گستاخی کرنے والے شخص کو قتل کرنا واجب ہے چاہے گستاخی کرنے والا مسلمان ہو یا ذمی، اور اس کی توبہ قبول ہونے یا نہ ہونے میں احکام دنیا میں اختلاف ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے توبہ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بالاتفاق اس کی توبہ قبول ہے۔<sup>(۱)</sup>

#### باب اباحۃ الخروج للنساء لقضاء حاجة الانسان

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ (الِی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَرْوَاجَ رَسُولِ

اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم، کُنَّ یَخْرُجْنَ بِاللَّیْلِ، إِذَا تَبَرَّزْنَ إِلَى الْمَنَاصِعِ وَهُوَ صَعِيدٌ أَفْیَحٌ، وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَقُولُ لِرَسُولِ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم: احْجُبْ نِسَاءَکَ، فَلَمْ یَكُنْ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ، زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَیْلَةً مِنَ اللَّیَالِیِ، عِشَاءً، وَكَانَتْ امْرَأَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ: أَلَا قَدْ عَرَفْنَاکَ، يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلَیْ أَنْ یُنْزَلَ الْحِجَابُ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَنْزَلَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ الْحِجَابَ (ص ۲۱۵ مطر ۹ تا ۱۲)

### تشریح

#### عورت کے پردہ کا مسئلہ اور اس کی حدود

قولہ : فَأَنْزَلَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ الْحِجَابَ (ص ۲۱۵ مطر ۱۲)

یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کا سبب ہے اور بعض دوسری روایات میں حضرت زینب بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کا واقعہ مذکور ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ متعدد اسباب کسی حکم کے نازل ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

آج کل عورتوں کے حجاب کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے جس میں دور حاضر کے لوگوں نے کافی بحث کی ہے یہاں اس کا شرعی حکم اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سیدی وسندی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک رسالہ ”تفصیل الخطاب فی تفصیل آیات الحجاب“ لکھا ہے جو احکام القرآن کا جز ہے جس میں آپ نے پردے کے بارے میں آیات اور احادیث اور حضرات فقہاء کرام کے مذاہب تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور حضرات مفسرین کے اقوال کی روشنی میں عورتوں کے پردے کی کیفیت اور اس کی حدود بیان فرمائی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں حجاب المرأة کے تین درجے ہیں:-

(۱) حجاب اشخاص النساء بالبیوت۔

(۲) حجاب بالبرقع والجلباب۔

(۳) حجاب بالبرقع والجلابیب مع کشف الوجه والكفین والیدین۔

## پردے کا پہلا درجہ

پردے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ عورت گھر وغیرہ میں رہ کر نامحرم مردوں سے مستور رہے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:-

## آیات

- (۱) ... ”وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى“ (الآیۃ) (۱)  
یہ حکم ازواجِ مطہراتؑ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بالا جماع تمام خواتین کے لئے ہے۔
- (۲) ... ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“ (الآیۃ) (۲)  
یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ میں نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے انکے اور مردوں کے درمیان پردہ ڈال دیا۔

## احادیث

اس درجہ کے حکم کے لئے درج ذیل احادیث بھی ہیں:-

- (۱) ... عن ابن مسعود مرفوعاً : المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطان (۳) (رواه الترمذی)، وزاد ابن حبان، وأقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها (رواه الترغيب والترهيب للمنذرى) (۴)
- (۲) ... عن جابر مرفوعاً: ان المرأة ثقل في صورة الشيطان وتدبر في صورة الشيطان (رواه مسلم) (۵)
- (۳) ... عن ام حميد... صلاتك في بيتك خير لك من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير لك من صلاتك في حجرتك وصلاتك

(۱) سورة الاحزاب ۳۳۔

(۲) سورة الاحزاب ۵۳۔

(۳) جامع الترمذی ابواب الرضاع ج ۱ ص ۲۲۲

(۴) صحيح ابن حبان كتاب الحظر والاماحة باب ذكر الاخ عما يجب على المرأة، رقم الحديث ۵۶۵۰

(۵) صحيح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹۔

فی حجر تک فی مسجد قومک خیر لک من صلاتک فی مسجدی،  
قال: فامرت فبنی لها مسجد فی اقصى شیء من بیتها واطلم فکانت  
تصلی فیہ حتی لقیتم اللہ عزوجل . (اخرجه احمد فی مسنده) <sup>(۱)</sup>

۴... عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا : لیس للنساء نصیب  
فی الخروج الا مضطرةً (اخرجه للطبرانی) <sup>(۲)</sup> وفی رواية: قد اذن لکن  
ان تخرجن لحاجتک. فانه يدل علی ان اذن الخروج مقصور بالحاجة  
وفيما سوى الحاجة تكون المرأة فی بیتها. <sup>(۳)</sup>

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے  
پردے میں رہے، اس طرح نامحرم مردوں سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ  
نکلے۔

### پردے کا دوسرا درجہ

لیکن بعض مرتبہ عورت کو اپنی طبعی اور شرعی حاجت کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے تو اس کے لئے  
یہ حکم ہے کہ وہ سر سے ہیر تک برقع یا بڑی چادر لپیٹ کر نکلے، چہرہ، ہاتھ اور ہیر سب چھپائے صرف راستہ  
دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے یا چہرے پر جالی والی نقاب ڈال لے تاکہ راستہ نظر آ سکے۔ اس کے  
دلائل درج ذیل ہیں:

### آیت

قرآن کریم میں اس درجے کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ  
لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ“ <sup>(۴)</sup> اس آیت میں  
تمام خواتین اسلام کو جلابیب استعمال کرنے کا حکم ہے اور اس کے استعمال کی تفصیل مفسر قرآن حضرت  
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی منقول ہے کہ عورت کا سارا جسم، سر، چہرہ اور ہاتھ وغیرہ سب بڑی  
چادر سے چھپائے صرف راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے۔ <sup>(۵)</sup>

(۱) مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۱۔

(۲) کتب المعتمد رقم الحديث ۳۵۰۶۲ و مجمع الروايات رقم الحديث ۳۲۲۱۔

(۳) مکملہ فتح مہم ج ۳ ص ۲۶۲۔

(۴) سورہ الاحزاب ۵۹۔

(۵) کتب فی روح المعانی ج ۲ ص ۷۹۔

## احادیث

اس درجے کے حکم کے لئے چھ احادیث ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:-

۱ ... عن قیس بن شماس قال جاءت امرأة النبی ﷺ یقال لها أم خلاد — وہی منتقبة تسأل عن ابنہا وهو مقتول ، فقال لها بعض اصحاب النبی ﷺ جئت تسألین عن ابنتک وأنت منتقبة؟ فقال: ان ارزأ ابن فلن ارزأ حیاتی۔ فقال رسول اللہ ﷺ: له اجر شہیدین، قالت: ولم ذاک یا رسول اللہ؟ قال: لأنه قتله اهل الکتاب (رواہ ابو داؤد فی کتاب الجہاد) (۱)

۲ ... عن حفصة بنت سیرین قالت یا رسول اللہ! علی احدانا باس اذا لم یکن لها جلباب أن لا تخرج؟ فقال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها . (رواہ البخاری) (۲)

۳ ... عن عائشة قالت: کان رکان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ محرمات، فاذا جاذوا بنا سدلنا احدانا جلبابها من رأسها علی وجهها، فاذا جاوزونا کشفناه۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ ان آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان عورت بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور جب گھر سے باہر نکلے تو اچھی طرح کوئی بڑی اور موٹی چادر جسم سے لپیٹ کر یا بُرقع اوڑھ کر نکلے اور بُرقع میں چند باتیں ضروری ہیں:

- (۱) ... بُرقع یا چادر بڑی اور موٹی ہوتا کہ اس میں سے جسم وغیرہ نہ جھلکے۔
- (۲) ... پھول بوٹے اور رنگ موتیوں سے آراستہ نہ ہو، رنگ بھی پرکشش نہ ہو، بالکل سادہ ہوتا کہ وہ مردوں کے لئے جاذبِ نظر نہ ہو، سیاہ رنگ ہو یا کوئی دوسرا رنگ۔
- (۳) ... خوب ڈھیلا ڈھالا ہو، چُست نہ ہو جس سے عورت کے جسم کے اعضاء کی بناوٹ نمایاں ہو۔

(۱) مسیحی بی داؤد کتاب الجہاد باب فصل قتال الروم ج ۱ ص ۳۳۳، ۳۳۴۔

(۲) صحیح البخاری کتاب العیال باب اذا لم یکن لها جلباب فی العید ج ۱ ص ۱۳۳۔

(۳) مسیحی بی داؤد کتاب المسائل باب فی المحرمة تعطی وجہہا ج ۱ ص ۲۶۱۔



(۴) ... خوشبودار نہ ہو۔

(۵) ... بُرقع ناقص اور نامکمل نہ ہو۔

### پردے کا تیسرا درجہ

عورت کے لئے تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو سر سے ہیر تک اپنے سارے جسم کو چھپا کر لٹکے لیکن ضرورت کی بناء پر چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کھول سکتی ہے بشرطیکہ فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

### آیت

سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ (۱)

اس آیت میں ”الا ما ظہر منها“ سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس سے پردہ کرنے کی چادر مراد ہے لہذا پہلی تفسیر کے مطابق ضرورت کے وقت عورت کے لئے اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی گنجائش ہے، درج ذیل احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

### احادیث

۱ ... ابوداؤد شریف میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: یا اسماء! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح ان يرى منها الا هذا وهذا، وأشار الى وجهه وكفيه. (۲)

۲ ... بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک موقع پر حضرت فضل بن عباس حضور ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے اور قبیلہ خثعم کی ایک نوجوان خوبصورت عورت جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس نے حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو دیکھنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کا چہرہ دوسری طرف موڑ دیا۔ (۳)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کا چہرہ اس کو دیکھنے سے موڑ دیا اور اس

(۱) سورۃ نور ۳۱

(۲) سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب فیما تبدي المرأة من ربتها ج ۲ ص ۲۱۳

(۳) صحيح بخاری کتاب الاستیذان

عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ احرام کی حالت میں تھی اور شاید یہ وجہ ہو کہ حضور ﷺ کو سخت بھیڑ کی وجہ سے چہرہ چھپانے سے اس کے گرنے کا اندیشہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا عورت کو گھر سے باہر نکلنے پر سارا جسم چھپانا چاہئے اور ضرورت کے وقت چہرہ کھولنے کی گنجائش ہے۔

### خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان عورت اول تو گھر میں رہے بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے اور ضرورت سے نکلے تو مکمل پردہ کر کے نکلے جس میں ہاتھ اور چہرہ بھی چھپائے، راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ کھول لے یا چہرے کے سامنے نقاب ڈال لے۔ اور دونوں صورتوں میں چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ہے:

(۱) ... بھیڑ کی وجہ سے یا راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے یا گواہی دینے کی ضرورت سے یا

شناخت کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت سے۔

(۲) ... اترنے چڑھنے میں یا خرید و فروخت کرنے میں یا لین و دین کی وجہ سے یا مردوں

کے سامنے وضو کرنے کی وجہ سے۔ اس صورت میں مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم ہے عورت بقدر ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھول سکتی ہے۔ اسی طرح گھر میں رہنے والے نا محرم مرد جیسے دیور وغیرہ سے بجمواری بقدر ضرورت چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ہے تاہم گھونگھٹ بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup>

### عورت پر نظر ڈالنے کا مسئلہ

اگر نا محرم مرد عورت کو ایک دوسرے پر نظر ڈالنے میں شہوت ہو یا اس کا یقین یا غالب گمان ہو تو نا محرم عورت کی طرف دیکھنا یا نا محرم عورت کا نا محرم مرد کو دیکھنا بالاتفاق جائز نہیں۔ لیکن اگر شہوت نہ ہو اور نہ اس کا یقین یا غالب گمان ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دیکھنے کی گنجائش ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

باب من أتى مجلساً فوجد فرجة فجلس فيها والا ورائهم

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، (المرسل) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ نَفَرٌ

ثَلَاثَةٌ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَهَبَ وَاحِدٌ،

(۱) ما حدّ بحکمہ فتح المصنوع ج ۳ ص ۲۶۶، ۲۶۷۔

(۲) ما حدّ بحکمہ فتح المصنوع ج ۳ ص ۲۶۶، ۲۶۷۔

قَالَ فَوْقًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى  
فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَأَمَّا الثَّالِثُ  
فَأَذْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ  
عَنِ النَّفْرِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللَّهِ، فَأَوَاهُ اللَّهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ  
فَاسْتَحْيَا، فَاسْتَحْيَا اللَّهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ

(ص ۲۱۷ سطر ۱ تا ۴)

### تشریح

اس حدیث میں تین آدمیوں کا ذکر ہے، آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، کہ تین آدمی آئے، ان میں سے ایک حلقے میں بیٹھ گیا، دوسرا حلقے کے پیچھے بیٹھ گیا، تیسرا واپس چلا گیا، آپ ﷺ نے ان تینوں کا حال بیان فرمایا، پہلا شخص جو حلقے میں آکر بیٹھا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اوی الی اللہ... کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف ٹھکانہ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھکانہ دیدیا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گئے اور اپنی رحمت اس کو عطا فرمادی۔<sup>(۱)</sup>

دوسرے شخص نے حیا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی رحمت سے مالا مال فرمایا، اس نے حیا اس بات سے کی کہ حلقے میں بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، اگر وہ بیٹھتا تو دوسروں کو تکلیف ہوتی، اس لئے اس نے پیچھے بیٹھنا گوارا کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حیا کی وجہ سے اس کو بھی اپنی رحمت عطا فرمادی<sup>(۲)</sup>، بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے کہ اگر مجلس میں آگے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو تو پیچھے ہی بیٹھ جانا چاہئے۔

تیسرا آدمی جو مجلس میں آیا اور بجائے بیٹھنے کے واپس چلا گیا، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گئے۔

قولہ: فَأَعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ (ص ۲۱۷ سطر ۴)

فَاعْرَضَ اللَّهُ عَنْهُ کا مطلب یہ ہے کہ اس تیسرے شخص نے پیچھے بیٹھنے کو ناگوار سمجھا، اور اپنی شان کے خلاف سمجھا، اس لئے وہ واپس چلا گیا، یا وہ ازراہ تکبر نہ بیٹھا کہ میں تو بڑا آدمی ہوں، مجھے تو آگے

(۱) - ح سہول ج ۲ ص ۳۷

(۲) - شرح سہول ج ۲ ص ۳۷

جگہ ملتی چاہئے، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ کوئی منافق ہوگا جو بیٹھنے کی بجائے واپس چلا گیا۔<sup>(۱)</sup>

### باب إذا قام من مجلسه، ثم عاد فهو أحق به

(کوئی آدمی جب اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ وَفِي حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ (ص ۲۱۷)

(سطر ۱۶، ۱۷)

### تشریح

اس پر حضرات فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی جگہ پر بیٹھا ہو اور وہ کوئی وقف جگہ ہو، یا رفاہ عامہ کی جگہ ہو، جیسے مسجد یا مدرسہ، ہسپتال اور اسٹیشن وغیرہ، تو اس کو اٹھا کر کسی دوسرے کا اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں، لیکن اگر وہ اٹھ کر چلا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو اس کے آنے کا یقین ہو، مثلاً وہ کسی کو کہہ کر گیا کہ میں ابھی آتا ہوں، یا آثار و قرائن سے اندازہ ہو کہ وہ آئے گا، تب بھی اس جگہ پر بیٹھنے کا حق اسی کو ہے دوسرے شخص کو اس کی جگہ بیٹھنا درست نہیں۔

جب کوئی شخص مذکورہ بالا کسی جگہ میں بیٹھ جائے تو اس میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے، حضرات شافعیہ کے نزدیک جو شخص ایک ہی جگہ نماز پڑھتا ہو، ایک ہی جگہ مطالعہ اور ایک ہی جگہ تکرار وغیرہ کرتا ہو، تو واپس آنے کے بعد بھی اسی کو وہاں پر بیٹھنے کا حق ہے، کوئی دوسرا اس کی جگہ پر نہیں بیٹھ سکتا۔

حنفیہ کے نزدیک قاعدہ ہے کہ پہلے آئے، پہلے پائے، لہذا جو پہلے آئے گا، جہاں وہ بیٹھ جائے گا، وہ اس کا حق ہو جائے گی، دوسرا آ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کل یہیں بیٹھا تھا یا میں روز یہیں بیٹھتا ہوں۔ لہذا میں یہاں بیٹھوں گا۔<sup>(۲)</sup>

### باب منع المخنث من الدخول على النساء الأجانب

(اجنبی عورتوں کے پاس مخنث کے جانے کی ممانعت)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ

(۱) تکمہ فتح المہم ج ۳ ص ۲۷۸۔

(۲) تکمہ فتح المہم ج ۳ ص ۲۸۲۔

سَلَمَةَ، أَنَّ مُخَنَّثًا كَانَ عِنْدَهَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَيْتِ،  
فَقَالَ لِأَخِي أُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ إِنَّ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الطَّائِفَ  
عَدَا، فَإِنِّي أَذُوكَ عَلَى بِنْتِ غِيلَانَ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ بِأَرْبَعٍ وَتُذَبِّرُ بِثَمَانٍ، قَالَ  
فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَدْخُلُ هَؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ

(ص ۲۱۸ سطر ۱ تا ۴)

### تشریح

مخنث کو اردو میں ہیجرا کہتے ہیں، مخنث کی دو قسمیں ہیں، ایک اصلی اور ایک مصنوعی، مخنث  
اس کو کہتے ہیں کہ جس کی چال و حال، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا عورتوں جیسا ہو، اگر کوئی پیدائشی ایسا ہے تو وہ  
خلقی اور اصلی مخنث ہے، اس سے خواتین کو پردے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وہ من غیر اولی الاربعہ  
میں داخل ہے، اور ایک بناوٹی اور نقلی مخنث ہوتا ہے جو اصل میں مرد ہوتا ہے، لیکن اسے عورتوں کی طرح  
بننے کا شوق ہوتا ہے، لہذا وہ دائرہ موچھ موچھ کر عورتوں کی طرح زیور اور کپڑے وغیرہ پہن کر ان کی طرح  
بن ٹھن کر رہتا ہے، ان ہی کی طرح چلنا پھرنا، بولنا چالنا اختیار کر لیتا ہے، ایسا کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ  
تشبہ بالنساء ہے<sup>(۱)</sup>۔

حدیث شریف میں ایک مخنث کا ذکر ہے جس کا نام حیت (بکسر الہاء و سکون  
الہاء) تھا، حضور ﷺ اس کو اصلی مخنث سمجھتے تھے، اور من غیر اولی الاربعہ میں داخل سمجھ کر ازواج  
مطہرات کا اس سے پردہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، ایک دن وہ حضرت ام سلمہؓ کے یہاں تھا، اور  
حضور ﷺ بھی وہاں موجود تھے، حضرت ام سلمہؓ کے ایک بھائی تھے جن کا نام حضرت عبداللہ ابن امیہؓ  
تھا، یہ حضرت ام سلمہؓ کے باپ شریک بھائی تھے<sup>(۲)</sup>، اس نے حضرت عبداللہ بن امیہؓ سے کہا کہ اگر کل  
طائف فتح ہو گیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی جس کا نام بادیہ ہے دکھاؤں گا، وہ بہت موٹی ہے، اس کے  
پیٹ میں چربی کی وجہ سے چار بیٹیں پڑتی ہیں، اور پیٹھ پر آٹھ بیٹیں پڑتی ہیں، اور اہل عرب موٹی عورت  
کو بہت پسند کرتے تھے<sup>(۳)</sup>، جیسا کہ آج کل پتلی عورت کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے، غیلان طائف کے  
سرداروں میں سے ایک سردار تھا، جس کی دس بیویاں تھیں، اس کے اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ نے

(۱) شرح النووي ج ۲ ص ۲۱۸۔

(۲) مکملہ فتح المسند ج ۲ ص ۲۸۲۔

(۳) مکملہ فتح المسند ج ۲ ص ۲۸۲ و ۲۸۳۔

فرمایا کہ تم چار رکھ لو اور باقی چھوڑ دو۔

بہر حال جب آپ ﷺ نے اس کی گفتگو سنی تو سمجھ لیا کہ اس میں تو مردوں کی صفات موجود ہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان پایا جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو ازواج مطہرات کے پاس جانے سے منع فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ازواج مطہرات نے اس سے پردہ کرنا شروع کر دیا۔

## باب جواز إرداف المرأة الأجنبية إذا أعيت في الطريق

(لا چار عورت کو سوار کرنے کا جواز)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو كُرَيْبٍ الْهَمْدَانِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: تَزَوَّجَنِي الزُّبَيْرُ وَمَالَهُ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَالٍ وَلَا مَمْلُوكٍ وَلَا شَيْءٍ، غَيْرَ فَرَسِهِ، قَالَتْ فَكُنْتُ أَغْلِفُ فَرَسَهُ، وَأَكْفِيهِ مَنُونَتَهُ وَأُسُوسَهُ وَأَذِقُ النَّوَى لِنَاضِحِهِ، وَأَغْلِفُهُ، وَأُسْتَقِي الْمَاءَ وَأُخْرِزُ غَرْبَهُ وَأُغِجُّ، وَلَمْ أَكُنْ أَحْسِنُ أُخْبِزُ، وَكَانَ يَخْبِزُ لِي جَارَاتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَكُنَّ نِسْوَةَ صَدِيقٍ، قَالَتْ: وَكُنْتُ أُنْقِلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَأْسِي، وَهِيَ عَلَى ثَلَاثِي فَرَسِيخٍ قَالَتْ: فَجِئْتُ يَوْمًا وَالنَّوَى عَلَى رَأْسِي، فَلَقِيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدَعَانِي، ثُمَّ قَالَ إِيحَ إِيحَ لِيَحْمِلَنِي خَلْفَهُ، قَالَتْ: فَاسْتَحْيَيْتُ وَعَرَفْتُ غَيْرَتَكَ، فَقَالَ وَاللَّهِ لَحَمْلُكَ النَّوَى عَلَى رَأْسِكَ أَشَدُّ مِنْ رُكُوبِكَ مَعَهُ، قَالَتْ حَتَّى أُرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ، بَعْدَ ذَلِكَ، بِخَادِمٍ فَكَفَّتَنِي سَيَّاسَةَ الْفَرَسِ فَكَانَ مَا أَعْتَقْتَنِي (ص ۲۱۸ سطر ۶ تا ۱۲)

### تشریح

حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ کی بہن اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں، ان کا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا تھا، جن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تھے، یہ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح حضرت زبیرؓ سے ہوا تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، نہ زمین تھی، نہ مکان اور نہ پیسے وغیرہ تھے، چنانچہ میں گھر کے کام بھی انجام دیتی تھی اور گھر کے باہر کے کام بھی انجام دیتی تھی، میں گھوڑے کو چارہ بھی ڈالتی تھی، اور ان



کے دیگر کام کاج کرتی تھی، اور میں ان کے گھوڑے کو لاتی اور لیجاتی تھی، اور ان کے اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی، اور اس کو کھلاتی، اور ان کے بڑے ڈول کو سیا بھی کرتی تھی، اور آٹا بھی گوندھتی تھی، اور مجھے کچھ اچھی طرح روٹی پکانا نہیں آتی تھی، میرے پڑوس میں کچھ انصاری عورتیں تھیں، وہ میرے لئے کچھ روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں، پھر جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک خادم (غلام) بھیج دیا تو گھوڑوں کی خدمت سے میری جان چھوٹ گئی، اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خادم بھیج دیا اور اگلی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خادم عطا فرمایا، تو ایک جگہ حضور ﷺ کا ذکر ہے اور ایک جگہ حضرت ابو بکرؓ کا، اس کی تطبیق حضرات شارحین نے اس طرح فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے وہ غلام حضرت صدیق اکبرؓ کو عطا فرمایا، پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت اسماءؓ کو دیدیا۔<sup>(۱)</sup>

### عورت کے ذمہ گھر کے کام ہونا

مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ عورت کے ذمہ گھر کے کام کاج واجب ہیں یا نہیں؟ گھر کے کام کاج کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو گھر کی چار دیواری میں ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو گھر سے باہر ہوتے ہیں، گھر سے باہر ہونے والے کاموں کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ عورت کے ذمہ نہیں ہیں، جیسے مارکیٹ میں جا کر گھر کا سودا سلف لانا وغیرہ، جیسے سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر گھر کے کام کاج حضرت فاطمہؓ کے سپرد فرمائے اور گھر سے باہر کے کام کاج حضرت علیؓ کے سپرد فرمائے۔

اب رہ گئے وہ کام جو گھر کے اندر ہوتے ہیں، جن کو امورِ خانہ داری کہتے ہیں، جیسے کھانا پکانا، برتن اور کپڑے دھونا، گھر کی صفائی ستھرائی کرنا، بچوں کی پرورش اور شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت کرنا، یہ عورت کے ذمے ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے،

حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ گھر کے کام کاج مطلقاً عورت کے ذمہ واجب نہیں ہیں، نہ قضاء نہ دیانہ، اس کے ذمہ دو کام ہیں، ایک یہ کہ جب شوہر صحبت کرنا چاہے، اور کوئی شرعی عذر نہ ہو تو وہ اس کا موقع فراہم کرے اور انکار نہ کرے، دوسرے یہ کہ بغیر اس کی اجازت کے گھر سے باہر نہ جائے۔<sup>(۲)</sup>

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس مسئلے میں تفصیل ہے کہ اگر عورت رئیس اور مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی ہے یعنی ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے کہ جن کی عورتیں گھر کے کام کاج خود نہیں کرتیں، بلکہ نوکر چاکر اور باندی و خادمائیں کرتی ہیں، تو ایسی صورت میں عورت کے ذمہ گھر کے کام کاج واجب نہیں

(۱) نکمة فتح المصنوع ج ۲ ص ۲۸۷۔

(۲) شرح سوانح ج ۲ ص ۲۱۸۔

ہیں، نہ قضاء نہ دیانہ، شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ ماسیوں اور خادماؤں کا انتظام کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کا تعلق ایسے خاندان سے ہو کہ ان کی عورتیں از خود گھر کے کام کاج کرتی ہیں، یا برائے نام گھر کا کام کاج کروانے کے لئے ایک دو ماسی رکھ لیتی ہیں، لیکن زیادہ تر کام کاج وہ خود کرتی ہیں، ایسی صورت میں گھر کے سارے کام قضاء تو واجب نہیں، لیکن دیانہ واجب ہیں۔ (۱)

ہمارے دیہاتوں اور گاؤں گوٹھوں میں جو عام رواج ہے کہ بیچاری عورتیں ال جوتی ہیں، فصل کاٹتی ہیں، اور جانوروں کو بھی کھلاتی پلاتی ہیں، گھر کے سارے کام کاج بھی کرتی ہیں، ان کی رضامندی اور خوشی کے بغیر زبردستی ان سے یہ کام لینا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی عورت یہ کام اپنی خوشی سے کرے اور شرعی پردہ کے ساتھ کرے تو الگ بات ہے یعنی جائز ہے۔

### باب تحریم مناجاة الاثنين دون الثالث بغیر رضاہ

(دو آدمیوں کا تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی کرنے کی حرمت میں)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، (المرسل) عَنْ ابْنِ عُثْمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ، فَلَا يَتَنَاجَوْنَ اِثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ (ص ۲۱۹ سطر ۶، ۵)

### تشریح

جب تین آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوں تو دو کو آپس میں چپکے چپکے باتیں کرنا منع ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ پہلے سے تین آدمی ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، اور پھر ان میں سے دو آدمی آپس میں باتیں کرنا شروع کر دیں، چاہے تینوں کی زبان ایک ہو اور دو آپس میں آہستہ آہستہ بات کریں یا زبان الگ الگ ہو اور دو آدمی اپنی زبان میں زور سے بات کرنے لگیں، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ چپکے چپکے باتیں کرنا، یہ سب ممنوع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوگی یا اس کے دل میں بدگمانی آئے گی یا اس کے دل میں بغض پیدا ہوگا۔

اور اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں اور اس میں دو آدمی آپس میں کوئی بات چپکے سے کر لیں تو وہ ممنوع نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے ہی سے دو آدمی الگ بیٹھے ہوئے ہیں اور تیسرا الگ بیٹھا ہوا ہے،

تو اس صورت میں اگر وہ باتیں کر لیں تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں مذکورہ قباحت نہیں، اسی میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ کوئی دو آدمی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے ہیں، تو تیسرا آدمی ان کے درمیان میں گھس کر ان کی باتوں کو ان کی اجازت کے بغیر نہیں سن سکتا۔<sup>(۱)</sup>

ترجمہ الباب میں لفظ ”بغیر رضاہ“ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تیسرا آدمی مجلس میں موجود دو آدمیوں کے سرگوشی کرنے پر ناراض نہ ہو تو پھر بھی اس طرح باتیں کرنا جائز ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

## باب الطب والمرض والرقي

(یہ باب طب، بیماری اور دم کے بیان میں ہے)

طب کے معنی ہیں علاج و معالجہ، طبیب کہتے ہیں علاج کرنے والے کو اور اس کی جمع اطباء ہے، اور اصطلاح میں علم طب وہ علم ہے کہ جس میں انسان کے جسم کے ان حالات سے بحث کی جائے جو اس کی صحت اور مرض سے متعلق ہیں، لہذا ان اسباب کو اختیار کیا جائے جو صحت کو بحال رکھنے والے ہیں یا اس کو باقی رکھنے والے ہیں، اور ایسے اسباب سے پرہیز کیا جائے جو کہ مریض صحت میں یا مرض پیدا کرنے والے ہیں، طب اور علاج و معالجہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، عرب کے لوگ اپنے امراض کے سلسلے میں زیادہ تر کاہنوں اور جادوگروں کے پاس جایا کرتے تھے، اور دم وغیرہ کے ذریعے علاج کیا کرتے تھے، جڑی بوٹیوں کے ذریعے علاج کرنے کا رواج عرب میں بہت کم تھا، اس لئے دے کر صرف ایک طبیب مشہور تھا جس کا نام حارث بن کلدہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو حارث بن کلدہ کے پاس علاج کے لئے بھیجا تھا، اور علاج بھی آپ ﷺ نے بتلادیا تھا۔<sup>(۳)</sup>

سرکارِ دو عالم ﷺ سے بھی علاج و معالجہ ثابت ہے، آپ ﷺ سے جو علاج و معالجہ ثابت ہے وہ تین قسم کا ہے، پہلا دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ علاج، دوسرا دم کے ذریعے علاج، تیسرے دم اور دواؤں کے ذریعے علاج۔

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت آپ ﷺ کے رسول ہونے کی ہے، اس حیثیت سے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اپنے درجہ کے مطابق فرض، واجب، سنت اور مستحب ہوتا ہے، اور ایک حیثیت آپ کی ذاتِ گرامی کی ہے، اس کے لحاظ سے جو

(۱) مکملہ فتح المسعود ج ۳ ص ۲۸۸ و ۲۸۹۔

(۲) مکملہ فتح المسعود ج ۳ ص ۲۸۹۔

(۳) سنن ابی داؤد کتاب الطب فی سرد المسعود رقم الحدیث ۴۴۷۷۔

کچھ آپ فرماتے ہیں اور جو کام آپ ﷺ من حیث العادة فرماتے ہیں وہ فرض و واجب نہیں کیونکہ وہ من حیث الشرع والعبادة نہیں ہے، یہ علاج معالجہ بھی آپ ﷺ کی طرف سے بطور عادت بیان کیا گیا ہے نہ کہ بطور عبادت، اس کا درجہ سنن زوائد کی طرح ہے کہ اگر کوئی سنت کی نیت سے ان پر عمل کرے تو ان شاء اللہ موجب اجر و ثواب ہے، اور اگر عمل نہ کرے تو گناہ نہیں، لہذا آپ ﷺ نے جو علاج بتلایا، اس کو اختیار کرنا فرض یا واجب نہیں، تاہم سنت کی نیت سے کرنا موجب ثواب ہے۔<sup>(۱)</sup>

قوله: العين حق (ص ٢٢٠ سطر ٣، ٤)

نظر اتارنے کے طریقے

نظر لگنا برحق ہے، اور نظر کا لگنا جیسے برحق ہے ویسے بد یہی بھی ہے، عرب میں نظر لگنے کے علاج کے دو طریقے تھے، ایک یہ کہ جس آدمی کی نظر لگتی، وہ اپنے اعضاء وضو اور ستر کی جگہ کو پانی سے دھو کر وہ پانی نظر لگنے والے کو دیدیتا اور نظر لگنے والا کمر کی طرف سے اپنے اوپر ڈالتا تو وہ ٹھیک ہو جاتا تھا، دوسرے وضو کا خاص طریقہ تھا کہ ایک آدمی برتن میں پانی لیکر کھڑا ہو جاتا اور جس کی نظر لگی ہے اس کو کہتا کہ تم اس پانی سے وضو کرو، چنانچہ وہ اپنے وضو کے اعضاء دھوتا اور ستر کی جگہ بھی دھوتا اور پھر یہ سارا پانی ایک خالی برتن میں جمع کرتا اور پھر یہ پانی جس کو نظر لگی ہے اس کے سر کے پیچھے سے ڈالا جاتا تو مریض صحت یاب ہو جاتا تھا۔

ہمارے یہاں نظراُتارنے کے لئے سات لال مرچیں جلائی جاتی ہیں، اس سے مرچ کی بو نہیں آتی، اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مریض کے سخت نظر لگی ہوئی ہے، اور جب وہ سات مرچیں جل جاتی ہیں تو نظراُتر جاتی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس پر یقین ہو کہ اس کو نظر لگی ہے تو سورہ قلم کی آخری دو آیت <sup>(۲)</sup> گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس پر دم کرنے سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نظراُتر جاتی ہے۔

بہر حال اہل عرب میں نظراتار نے کا علاج غسل اور وضو کا خاص طریقہ تھا، چنانچہ احادیث میں ایک واقعہ حضرت اہل بن حنیف کا آتا ہے کہ وہ بہت گورے چٹے اور حسین آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ کہیں نہمارہے تھے کہ ایک صاحب عامر بن ربیعہ کی نظر ان کو لگ گئی، انہوں نے کہا کہ یہ ایسے خوبصورت ہیں کہ پردہ نشین عورت بھی ایسی خوبصورت نہیں ہو سکتی، یہ کہتا تھا اور وہ ایک دم نیچے گر گئے، اور اتنی تکلیف ہوئی کہ ان کو اٹھانا مشکل ہو گیا، ان کے ساتھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول

( ) نام و نام خانوادگی: \_\_\_\_\_

(۲) اے کاتب یہ ہیں اور یہی کہ تم نے کفر و نفاق کو انصارہم تمنا سمعوا الذکر و یقولون إنه لم یحضر ○ وما ہو إلا ذکر للعالمین

اللہ! سہل بن حنیف کے لئے کوئی علاج ہو تو کر دیجئے، اس لئے کہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان سے گردن بھی نہیں اٹھائی جا رہی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کس کے بارے میں شبہ ہے کہ اس کی نظر لگی ہوگی، انہوں نے کہا کہ عامر بن ربیعہ کے بارے میں ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی نظر لگی ہے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ تم نے ماشاء اللہ کیوں نہیں کہا؟ معلوم ہوا (۱) جب آدمی کوئی اچھی چیز دیکھے تو نظر سے بچنے کے لئے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یا بارک اللہ کہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو غسل کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے اسی طرح اپنے اعضاء کو دھویا، اور پھر وہ دھوون ایک برتن میں جمع کیا گیا اور پھر وہ حضرت سہل بن حنیف کی کمر کی طرف سے سر کے اوپر ڈالا گیا، ادھر پانی ختم اور ادر ادر وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

### باب السحر

(جادو کے بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ لُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سَحَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودِيٌّ مِنْ يَهُودِ بَنِي زُرَيْقٍ، يُقَالُ لَهُ: لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ: قَالَتْ حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهُ، حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ، أَوْ ذَاتَ لَيْلَةٍ، دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ دَعَا \_\_\_\_\_ الْحَدِيثُ (ص ۲۲۱ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

یہ باب سحر کے بیان میں ہے، اس میں پہلے سحر کے لغوی و اصطلاحی معنی اور سحر کی تعریف، قسمیں اور حکم بیان کیا جائے گا اور پھر یہ بتایا جائے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر سحر کا اثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ سحر کے لفظی معنی پوشیدہ اور مخفی چیز کے ہیں، اور اصطلاح میں ان خیالی تصورات اور خیالات کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی طرف جمادئے جائیں، یعنی اسباب کے ذریعے کوئی تصرف کیا جائے اور وہ اسباب نظروں سے پوشیدہ ہوں تو اسکو جادو کہتے ہیں۔

## سحر کی دو قسمیں

سحر کی دو قسمیں ہیں، ایک نظر بندی اور دوسری حقیقت کی تبدیلی، یعنی ایک قسم یہ ہے کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے لوگوں کی نظر پر جادو کر دیتا ہے اور لوگوں کو ایسی چیز نظر آتی ہے جو درحقیقت وہ نہیں ہوتی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ جادوگروں نے رسیاں، لکڑیاں اور لاثھیاں میدان میں ڈالیں اور *وَسَحَرُوا عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ* <sup>(۱)</sup>، لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا، اس جادو کی وجہ سے لوگوں کو وہ لکڑیاں، رسیاں اور لاثھیاں وغیرہ سچ مچ سانپ محسوس ہوتی تھیں، جبکہ حقیقت میں وہ سانپ وغیرہ نہیں تھیں، اسی طرح بعض مرتبہ جادوگر نظر پر جادو کر کے صحت مند کو مریض دکھاتا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ تندرست ہوتا ہے۔

جادو کی دوسری قسم یہ ہے کہ واقعہ کسی کی حقیقت بدل دی جائے، اس میں اختلاف ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ بھی عقلاً و شرعاً ممکن ہے، لیکن بعض علماء حقیقت کے تبدیل ہونے سے انکار کرتے ہیں، جن میں پیش پیش حضرت امام ابو بکر صامیؒ ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ حقیقت کی تبدیلی سے نہ عقل مانع اور نہ شرع مانع ہے، بلکہ حضرت کعب الاحبارؓ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو کے ذریعہ حقیقت بدل سکتی ہے، حضرت کعب الاحبارؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے وہ کلمات یاد نہ ہوتے جو میں نے پڑھے تھے، تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے، اس سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جادو کے ذریعہ انقلاب عین ہو سکتا ہے۔ <sup>(۲)</sup>

## جادو کا حکم

جادو کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ غیر اللہ سے استمداد کے ساتھ ہو، اور غیر اللہ میں چاہے شیاطین ہوں یا جنات ہوں یا کوئی اور ہو، یا جادو میں شرکیہ اور کفریہ کلمات کہے جائیں تو ایسی صورت میں یہ کفر بھی ہے اور حرام بھی ہے، اور اگر کوئی کفریہ یا شرکیہ کلمہ نہیں بولتا، اور کسی غیر اللہ سے مدد بھی نہیں لیتا تو پھر بھی اگرچہ یہ کفر نہیں لیکن حرام پھر بھی ہے، البتہ ایک صورت یہ ہے کہ کسی کا جادو توڑنے کے لئے کوئی جائز طریقہ سے جادو کرے تو یہ جائز ہے۔ <sup>(۳)</sup>

(۱) سورۃ عرفہ آیت نمبر ۱۱۶۔

(۲) لکھنؤ فتح المسیم ج ۳ ص ۳۰۰، ۳۰۱۔

(۳) لکھنؤ فتح المسیم ج ۳ ص ۳۰۱، ۳۰۲۔



### انبیاء علیہم السلام پر جادو ہونا برحق ہے

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا، جمہور کے نزدیک ہو سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جادو کا اثر امراض کی طرح ہے، جیسے نزلہ، کھانسی اور بخار وغیرہ، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ امراض من حیث البشر لاحق ہو سکتے ہیں، ایسے ہی جادو بھی ہو سکتا ہے، اور سرکارِ دو عالم ﷺ پر بھی جادو کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کا توڑ بھی فرمایا، البتہ اتنی بات ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم السلام پر کوئی جادو کرے گا تو اس جادو کی وجہ سے ان کو منصب رسالت کے فرائض ادا کرنے میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔<sup>(۱)</sup>

### باب السم

(زہر کے بیان میں)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِئَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: أَرَدْتُ لِأَقْتُلَكَ، قَالَ: مَا كَانَ اللَّهُ لِيَسْلُطَكَ عَلَى ذَاكَ قَالَ - أَوْ قَالَ - عَلَى قَالَ قَالُوا: أَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ص ۲۲۲ سطر ۱ تا ۳)

### تشریح

جس عورت نے حضور ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر دینے کی کوشش کی، اس کا نام زہنب بنت الحارث تھا، کوئی شخص کسی کو زہر دیکر مار دے تو جمہور کے نزدیک اس کو بھی قصاصاً مارا جائے گا، متاخرین حنفیہ کا مسلک بھی جمہور کے مطابق ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مکمل فقہ السنہ ج ۳ ص ۴۰۲۔

(۲) مکمل فقہ السنہ ج ۳ ص ۴۱۱۔

## باب استحباب رقیۃ المریض

(مریض کو تعویذ دینے کے استحباب کے بیان میں)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا، وَقَالَ زُهَيْرٌ وَاللَّفْظُ لَهُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الصُّحَيْ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ، مَسَحَهُ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَذْهَبِ الْبَاسُ، رَبُّ النَّاسِ، وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءٌ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا فَلَمَّا مَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ، أَخَذَتْ بِيَدِهِ لِأُصْنَعَ بِهِ نَحْوَ مَا كَانَ يُصْنَعُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ يَدِي، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاجْعَلْنِي مَعَ الرَّفِيقِ الْأَعْلَى قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ، فَإِذَا هُوَ قَدْ قَضَى (ص ۲۲۲ سطر ۴ تا ۷)

## تشریح

قوله: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاجْعَلْنِي مَعَ الرَّفِيقِ الْأَعْلَى (ص ۲۲۲ سطر ۷)

الرفیق الاعلیٰ کے بارے میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد جنت ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی۔<sup>(۱)</sup>

## رقیہ اور دم کی تین شرطیں

رقیہ اور دم کرنے کیلئے تین شرائط ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو دم کرنا جائز نہ ہوگا، احادیث شریفہ میں جہاں جہاں دم اور رقیہ وغیرہ کرنے کی ممانعت ہے، وہ ان تین شرائط میں سے کسی نہ کسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے، اور جہاں جہاں ثابت ہے، ان میں یہ تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ہو، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ہو، یا احادیث طیبہ کی دعاؤں کے ذریعہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو جو الفاظ بھی استعمال کئے جائیں ان کے معنی اور مفہوم معلوم ہو، اور ان کے معنی و مفہوم میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس دم کو موثر بالذات نہ سمجھے، بلکہ موثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مکملہ فتح المبین ج ۳ ص ۳۱۴۔

(۲) مکملہ فتح المبین ج ۳ ص ۲۹۵ بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۵۔

## باب رقية المريض بالمعوذات والنفث

## (تعویذ کا حکم)

تعویذ کا کیا حکم ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام، اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی اور ادعیہ ماثورہ کے ذریعے دم جائز ہے، ایسے ہی تعویذ بھی جائز ہے، لیکن تعویذ لکھنا، یا گلے میں باندھنا یہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ سے قولاً یا فعلاً ثابت نہیں ہے، البتہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا یہ معمول تھا کہ ان کی جو اولاد بالغ ہوتی اس کو یہ کلمات ربانی یاد کروادیتے تھے (اللهم انی اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه وسوء عقابه، ومن شر عباده، ومن شر الشیاطین وان یحضرین) تاکہ وہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیا کریں، اور جو نابالغ اولاد ہوتی تو کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

اسی طرح مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ سے کسی نے پوچھا کہ گلے میں تعویذ ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر چمڑے میں سی کر ڈال دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس عورت کو ولادت میں دشواری ہو، یعنی بچہ پیدا ہونے میں تکلیف ہو رہی ہو، آسانی نہ ہو تو اگر کسی کاغذ پر یہ لکھا جائے: بسم اللہ لا الہ الا اللہ الحلیم الکرم سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین، یوم یرونها لم یلبثوا الا عشیة او ضحاً کانہم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعة من نهار، ہلاک فہل یہلک الا القوم الفاسقون، اور یہ کاغذ عورت کے بازو پر باندھ دیا جائے تو ولادت آسانی سے ہو جاتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

ان آثار کے پیش نظر جمہور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ آیات و اسماء باری تعالیٰ اور ادعیہ ماثورہ کے ذریعے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے۔

ہمارے یہاں کے غیر مقلد اور سعودی عرب کے سلفی حضرات کو اس سے اختلاف ہے، یہ اس کو مطلقاً (العیاذ باللہ!) شرک کہتے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ الرقی والتائم والتولة شرک (او کما قال<sup>(۳)</sup>) کہ دم کرنا، تعویذات کرنا شرک ہے، لیکن اس سے ان کا استدلال درست نہیں، کیونکہ یہاں دم سے مراد وہ دم ہے جو زمانہ

(۱) مسند احمد مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحدیث ۲۶۹۶۔

(۲) مکملہ فتح الملہم ج ۳ ص ۳۷۔

(۳) مسند احمد، رقم الحدیث ۸۴۹۰۔

جاہلیت میں شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوتا تھا، تمنائم تمیمہ کی جمع ہے، تمیمۃ ان منکوں اور دانوں کو کہتے ہیں جو اہل عرب بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے، اور وہ سمجھتے تھے کہ بچوں کو نظر نہ لگنے میں یہ دانے بالذات مؤثر ہیں، حالانکہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، تو اس قسم کے عقائد پر مبنی دم اور تعویذ وغیرہ کرنے کو آپؐ نے شرک فرمایا مطلقاً تعویذ کو شرک نہیں فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

### باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة

(نظر لگنے، پھنسی، یرقان اور بخار کے لئے دم کرنے کے استحباب کے

بیان میں)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ (الی قولہ) عَنْ غَائِثَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُهَا أَنْ تَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ (ص ۲۲۳ سطر ۱۰ تا ۱۲)

### تشریح

رقیہ دم کو کہتے ہیں، العین عام ہے، چاہے انسان کی نظر لگے، خواہ جن کی۔ نملۃ ایک بیماری ہوتی ہے کہ جس میں انسان کی بغل کے نیچے کچھ دانے نکل آتے ہیں، جن میں اس طرح کی خارش ہوتی ہے کہ جیسے چیونٹیاں کاٹ رہی ہوں، حمة کچھو کے ڈنک کو کہتے ہیں، نظورۃ، بعض حضرات کہتے ہیں کہ نظورۃ کالفظ جنات کی نظر کے ساتھ خاص ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قولہ) عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقِيَةِ مِنَ الْعَيْنِ، وَالْحُمَةِ، وَالنَّمْلَةِ — الْحَدِيثُ (ص ۲۲۳ سطر ۱۳ تا ۱۶)

### تشریح

قولہ: رخص رسول اللہ ﷺ فی الرقية من العين (۲۲۳ سطر ۱۶)  
حَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ (الی قولہ) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِبَجَارِيَةَ

(۱) حسمہ فتح مسم ج ۳ ص ۳۱۸۔

(۲) حسمہ فتح مسم ج ۳ ص ۳۲۲، ۳۲۳۔

فِي نَيْتٍ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَأَى بِوَجْهِهَا سَفْعَةً،  
فَقَالَ: بِهَا نَطْرَةٌ، فَاسْتَرْقُوا لَهَا يَعْصَى بِوَجْهِهَا صُفْرَةٌ (ص ۲۲۳ سطر ۱۷ تا ۱۹)

### تشریح

قوله : سَفْعَةٌ، (۲۲۳ سطر ۱۸) یرقان کو کہتے ہیں۔

خَدَّثَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعُمِيُّ (الی قوله) أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ  
جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَالِ حَزْمٍ فِي  
رُقِيَةِ الْحَيَّةِ، وَقَالَ لِأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ مَا لِي أَرَى أَجْسَامَ بَنِي أَخِي  
ضَارِعَةً تُصِيبُهُمُ الْحَاجَةُ قَالَتْ لَا، وَلَكِنْ الْعَيْنُ تُسْرِعُ إِلَيْهِمْ، قَالَ: أَرُقِيهِمْ  
قَالَتْ: فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَرُقِيهِمْ. (ص ۲۲۳ سطر ۱۹ تا ۲۱)

### تشریح

قوله : ضَارِعَةٌ، (ص ۲۲۳ سطر ۲۰) نحیف۔

اگر دم ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ کیوں دم کرتے اور کیوں اجازت دیتے؟ معلوم ہوا کہ مطلق  
دم کی ممانعت نہیں، بلکہ شرکیہ کلمات پڑنی دم کی ممانعت ہے۔

باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار

(قرآن مجید اور اذکار مستونہ کے ذریعے دم کرنے پر اجرت لینے کے

جواز کے بیان میں)

خَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ (الی قوله) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ  
نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا فِي سَفَرٍ، فَمَرُّوا  
بِحَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَاسْتَضَافُوهُمْ فَلَمْ يُضِيفُوهُمْ، فَقَالُوا لَهُمْ: هَلْ  
فِيكُمْ رَاقٍ؟ فَإِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ لَدَيْغٍ أَوْ مُصَابٍ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: نَعَمْ، فَأَتَاهُ  
فَرَقَاهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَبَرَأَ الرَّجُلُ فَأَعْطَى قَطِيعًا مِنْ غَنَمٍ، فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَهَا،  
وَقَالَ حَتَّى أَذْكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا رَقِيتُ إِلَّا بِفَاتِحَةِ

الْكِتَابِ فَتَبَسَّمْ وَقَالَ وَمَا أَذْرَاكَ أَنَّهَا رُقِيَّةٌ؟ ثُمَّ قَالَ خُذُوا مِنْهُمْ، وَاضْرِبُوا  
لِي بِسَهِمٍ مَعَكُمْ. (ص ۲۲۴ سطر ۸ تا ۱۱)

## تشریح

### تعویذ کی اجرت کا حکم

اس باب میں دو مسئلہ سمجھنے کے ہیں، ایک یہ کہ دم اور تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟  
دوسرا یہ کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر تو جمہور امت کا اتفاق ہے کہ قرآن  
کریم، اسماء الہی اور ادعیہ مأثورہ اور دیگر جائز کلمات کے ذریعے دم کرنا اور اس پر اجرت ملے کر کے  
لینا بلاشبہ جائز ہے، اور یہ حدیث الباب اسی کی دلیل ہے کہ کچھ صحابہ کرام کسی سفر میں عرب کے قبیلوں  
میں سے کسی قبیلے کے پاس پہنچے تو وہاں ایک قبیلے کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے سردار کو کسی بچھود غیرہ نے  
کاٹ لیا ہے تو کیا تمہارے پاس کوئی علاج ہے؟ ایک صحابی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گیا،  
اس کے بدلے میں انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ ان کو دیدیا، انہوں نے لینے سے پہلے حضور ﷺ  
سے پوچھا کہ یہ ہمارے لئے جائز بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جائز ہے، اور  
تطیب<sup>(۱)</sup> خاطر کے لئے فرمایا کہ اس میں ہمارا حصہ بھی لگاؤ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ رقیہ اور دم وغیرہ  
پر اجرت لینا جائز ہے۔

### تعلیم قرآن کریم کی اجرت کا حکم

لیکن قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے،  
حضرات شافعیہ اور حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ اس میں  
آپ ﷺ نے قرآن کریم پڑھ کر دم کی اجرت لینا جائز قرار دیا، اسی طرح تعلیم کے لئے اجرت لینا بھی  
جائز ہے، دوسری دلیل مسلم شریف کی کتاب النکاح میں وہ معروف حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے  
ایک صحابیہ کا نکاح قرآن کریم کی تعلیم کے عوض میں ایک شخص سے کر دیا تھا، اور فرمایا کہ تم کو جو قرآن  
کریم آتا ہے اس کے بدلے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، جس طرح قرآن کریم کی تعلیم  
نکاح میں بدل بن سکتی ہے، اسی طرح اس کی اجرت بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ اس کو ناجائز کہتے ہیں، ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے کہ ”لا



تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا“ (۱) میری آیات کو تھوڑے سے پیسوں کے بدلے میں مت خریدو، لیکن اس سے استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اس سے مراد تحریف قرآن ہے کہ کچھ دنیاوی فائدے کے لئے تحریف کرنا جائز نہیں۔

دوسری دلیل ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ“ (۲) تم قرآن کریم پڑھو، لیکن اس کے بدلے میں پیسے نہ کھاؤ، اسی طرح حدیث بریدہ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! مجھے قرآن کریم پڑھانے کے عوض میں کمان ملی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو قرآن شریف پڑھا کر اس کے عوض میں کمان لے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ کی کمان پہنائیں گے، (۳) یہ وعید عدم جواز کی دلیل ہے، معلوم ہوا کہ قرآن شریف پڑھا کر پیسے لینا ناجائز ہے۔

لیکن متاخرین حنفیہ نے تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ آج کل کے زمانے میں دین کی تعلیم کے بارے میں تساہل برتنا جانے لگا ہے، ظاہری اسباب کے تحت اگر ضروریات دین اور تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ قائم نہ کیا جائے تو دین کی صحیح تعلیمات مٹ جانے کا خطرہ ہے، لہذا انہوں نے ضرورت کی وجہ سے حضرات شوافع کے مسلک پر فتویٰ دیدیا کہ جن چیزوں پر دین کی بقاء کا دارومدار ہے، ان کی اجرت طے کر کے لینا جائز ہے، جس میں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تمام علوم شرعیہ کی تعلیم بھی داخل ہے، اسی میں درس و تدریس، اذان و امامت، افتاء و قضاء داخل ہیں، اور جو ضروریات دین میں سے نہیں ہے، اس میں اصل مذہب پر ناجائز ہونے کا فتویٰ ہے، جیسے تراویح میں طے کر کے اجرت لینا جائز نہیں۔ (۴)

## باب لكل داء دواء واستحباب التداوی

(ہر بیماری کے لئے دواء ہے اور علاج کرنے کے استحباب کے بیان

میں)

حَدَّثَنِي نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، (الِی قَوْلِهِ) عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، قَالَ: جَاءَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فِي أَهْلِنَا، وَرَجُلٌ يَشْتَكِي خُرَاجًا بِهِ أَوْ جَرَاخًا، فَقَالَ: مَا تَشْتَكِي؟ قَالَ: خُرَاجٌ بِي قَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ: يَا غُلَامُ

(۱) سورہ البقرہ آیت نمبر ۳۹۔

(۲) مصنف اس ہی سنیہ رقم الحدیث ۷۷۷۲۔

(۳) مسنی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم رقم الحدیث ۳۹۶۳۔

(۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تکملة فتح الملہم ج ۴ ص ۳۳۸-۳۳۹۔

اَنْتَبٰى سَحْجَامٌ، فَقَالَ لَهُ: مَا تَصْنَعُ بِالْحَجَّامِ؟ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: اُرِيدُ اَنْ اُعْلَقَ فِيْهِ مِخْحَمًا، قَالَ: وَاللَّهِ اِنَّ الدُّبَابَ لَيُصِيبُنِيْ، اَوْ يُصِيبُنِي الشَّرْبُ، فَيُوْدِنِي وَيَشُقُّ عَلَيَّ، فَلَمَّا رَاى تَبَرُّمَهُ مِنْ ذَلِكَ قَالَ: اِنِّى سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنْ كَانَ فِى شَيْءٍ مِنْ اَذْوَابِكُمْ خَيْرٌ، فَفِى شَرْطَةِ مِخْحَمٍ، اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ عَسَلٍ، اَوْ لَذْعَةٍ بِنَارٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَمَا اَحَبُّ اَنْ اُكْتَوَى قَالَ فَجَاءَ بِحَجَّامٍ فَشَرَطَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَبْجَدُ. (ص ۲۲۵ سطر ۴ تا ۷)

## تشریح

### علاج مستحب ہے

جمہور فقہاء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیماری کا علاج کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، بعض حضرات نے اسے سنت کہا ہے تو اس سے سنت غیر مؤکدہ مراد ہے، علاج کرنا فرض و واجب نہیں ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صبر کرے اور علاج نہ کرے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن مستحب یہی ہے کہ بیماری کا علاج کرے، کیونکہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ سے تو لا اور فعلاً دونوں طرح علاج کرنا ثابت ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس باب کی احادیث میں چند علاج آپ ﷺ نے ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک حجامت ہے جس کو سینگلی لگوانا کہتے ہیں، شرطہ سینگلی لگانے کو کہتے ہیں اور محجم سے مراد سینگلی لگانے کا آلہ ہے،<sup>(۲)</sup> اسی طرح پانی میں شہد ملا کر پینا بھی موجب شفاء ہے۔ اسی طرح آگ سے داغنا بھی ایک علاج ہے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں داغنے کو پسند نہیں کرتا، اور آگے ایک حدیث میں آ رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے چھوٹی چھری یا چھوٹی قینچی کے ذریعے داغنا، تو تعارض ہوا، اس تعارض کو شارحین نے اس طرح دور فرمایا کہ جن احادیث میں آپ ﷺ نے داغنے کو منع فرمایا، وہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہیں، کیونکہ اس میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے، اور جن احادیث میں آپ ﷺ نے خود داغنا یا اجازت دی تو اس سے جواز اور اباحت مراد ہے، بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ نے داغنے کو نا پسند فرمایا، اس سے مراد عرب کے بدوؤں کا داغنا ہے، کیونکہ وہ حد سے زیادہ داغنا کرتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) حشمہ ص ۳۳۳ ج ۲ ص ۳۳۳

(۲) شرح ص ۲۲۶ ج ۲ ص ۲۲۶

(۳) حشمہ ص ۳۳۳ ج ۲ ص ۳۳۳

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ بْنُ صَخْرِ الدَّارِمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعَطَ.

(ص ۲۲۵ سطر ۱۶ تا ۱۷)

### تشریح

استعط، سعوط سے ہے، سعوط کے معنی ہیں: ناک میں دوا ڈالنا۔

حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، (الی قولہ) عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ الْحُمَّى فَوْزٌ مِنْ جَهَنَّمَ، فَأَبْرُدُوهَا بِالْمَاءِ. (ص ۲۲۶ سطر ۱۱ تا ۱۲)

### تشریح

قوله: الحمى من فوز جهنم، فابردوها عنكم بالماء (ص ۲۲۶ سطر ۱۲)

### بخار کا علاج

فرمایا کہ بخار جہنم کی تیزی سے ہے، یا حرارت سے ہے، الحمی من لیج جہنم کے دو معنی ہیں، بعض حضرات نے کہا کہ بخار کی گرمی جہنم سے ہوتی ہے، لیکن اس کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں، بعض حضرات نے کہا کہ اس میں تشبیہ مراد ہے کہ جیسے جہنم کی آگ گرم ہے، اسی طرح بخار کی تپش اور آگ بھی گرم ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ جس طرح مسلمان کو جہنم کی آگ کی گرمی میں داخل کر کے گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے، اسی طرح دنیا میں بھی مسلمان کو بخار کی گرمی میں مبتلا کر کے گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے، اس حدیث پاک میں حضور ﷺ نے بخار کا علاج فرمایا کہ بخار کو پانی سے ٹھنڈا کرو، یہاں پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ پانی سے بخار دور کرنا یہ ہر بخار کا علاج نہیں ہے، یہ حجاز کے ایک خاص قسم کے بخار کا علاج ہے جو بہت شدید ہوتا ہے اور اس میں نہانا، یا ٹھنڈا پانی پیروں پر ڈالنا یا برف کی پٹی پیشانی یا ہاتھ پیروں پر رکھنا نافع ہوتا ہے، اس سے بخار اترتا ہے، اگر ہمارے یہاں کسی کو بخار ہو اور وہ اس علاج پر عمل کرنا چاہتا ہے تو پہلے کسی طبیب سے مشورہ کرے، اگر وہ بخار دیکھ کر کہے کہ یہ طریقہ مفید ہے تو کر لے، ورنہ نہ کرے۔<sup>(۱)</sup>

## باب کراہۃ التداوی باللدود

(منہ کے گوشہ سے دوائی ڈالنے کی کراہت)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَدَدْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ، فَأَشَارَ أَنْ لَا تَلْدُونِي، فَقُلْنَا: كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَّا لُدَّ، غَيْرُ الْعَبَّاسِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ. (ص ۲۲۷ سطر ۱ تا ۲)

## تشریح

## لدود کے ذریعہ علاج

لدود اس دوا کو کہتے ہیں جو مریض کے منہ کے دائیں یا بائیں جانب سے مریض کے منہ میں ڈالی جائے، جب آپ ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہوئی تو ازواج مطہرات نے مشورہ کیا کہ آپ ﷺ کو لدود دینا چاہئے، جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا، آپ ﷺ نے اس کو ناجائز ہونے کی وجہ سے منع نہیں فرمایا، بلکہ اس وجہ سے منع فرمایا کہ اس مرض میں اس کی ضرورت نہیں ہے<sup>(۱)</sup>، لیکن اس کے باوجود جب حضور ﷺ بے ہوش ہوئے تو انہوں نے لدود کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس جس نے لدود کیا، اُن سب کو لدود ڈالا جائے، سوائے حضرت عباسؓ کے، اس لئے وہ اس میں شریک نہ تھے۔

## باب التداوی بالعود الہندی وهو الکست

(عود ہندی کے ذریعہ علاج کرنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِخْصَنٍ، أُنْخَبَتْ عُكَّاشَةُ بْنُ مِخْصَنٍ قَالَتْ: دَخَلْتُ بِابْنِ لِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ، فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّهُ قَالَتْ: وَدَخَلْتُ عَلَيْهِ بِابْنِ لِي، قَدْ أَغْلَقْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْعُدْرَةِ، فَقَالَ: "عَلَامَ تَدْعُرُنْ أَوْلَادُكَ بِهَذَا الْعِلَاقِ؟ عَلَيْكَ بِهَذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ، فَإِنَّ فِيهِ مَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ،

مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ، يُسَعِّطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلْدُ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. (ص ۲۲۷)

(سطر ۶ تا ۲)

## تشریح

قوله : العذرة (ص ۲۲۷ سطر ۵)

### عود ہندی سے علاج

عذرة ایک بیماری ہے جس میں حلق کے اندر ورم آ جاتا ہے، اور ورم کی وجہ سے حلق میں درد ہوتا ہے، اردو میں اس کو ”کو اگرنا“ کہتے ہیں، عرب میں اس کا بڑا دردناک علاج تھا کہ عورتیں حلق میں ہاتھ ڈال کر زبردستی اس کو دبا دیتی تھیں اور دبا کر اس میں سے خون نکالتی تھیں، اور اس سے مریض اگرچہ ٹھیک ہو جاتا تھا لیکن تکلیف اس میں بہت زیادہ ہوتی تھی، اس لئے اس کی بجائے آپ ﷺ نے عود ہندی سے علاج تجویز فرمایا۔

عود ہندی کی دو قسمیں ہیں، عود ہندی عطری، جو خوشبودار ہوتی ہے، اور وہ بطور بخور کے استعمال ہوتی ہے، وہ مراد نہیں ہے، دوسری قسم ہے عود ہندی غیر عطری، وہ دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے، آپ ﷺ نے سات بیماریوں میں اس کو مفید قرار دیا، ایک ذات الجنب کی بیماری میں، ذات الجنب کی بیماری میں انسان کے پہلو میں سینے کی جانب درد ہوتا ہے، کبھی صرف درد ہوتا ہے، اور بعض صورتوں میں درد کے ساتھ ورم آ جاتا ہے، لہذا وہی ذات الجنب میں نافع ہوتا ہے۔

### باب التداوی بالحبة السوداء

(کلونجی کے ذریعہ علاج کرنا)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ دَاءٍ، إِلَّا فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ مِنْهُ شِفَاءٌ إِلَّا

السَّامَ. (ص ۲۲۷ سطر ۱۶ تا ۱۷)

## تشریح

### کلونجی سے علاج

اس باب کی احادیث میں آپ ﷺ نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے ہیں، کلونجی کالے رنگ

کا دانہ ہوتا ہے، اکثر اچار وغیرہ میں ڈالا جاتا ہے، اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفاء ہے۔

## باب التلبينة مجمة لفؤاد المريض

(دودھ اور شہد کے حریرہ کا مریض کے دل کے لئے مفید ہونا)

حَدَّثَنَا الْمَلِكُ بْنُ شُعَيْبٍ بْنُ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، (الی قولہ) عَنْ عَائِشَةَ،  
 زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا  
 فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتْهَا أُمْرَتْ بِرُفْعَةِ يَدَيْهَا  
 تَلْبِينَةً فَطَبِخَتْ، ثُمَّ صَنَعَ ثَرِيدٌ، فَصَبَّتِ التَّلْبِينَةَ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ: كُلْنَ  
 مِنْهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ  
 لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ، تَذْهَبُ بَعْضَ الْحُزَنِ. (ص ۲۲۷ سطر ۱ تا ۲۰)

## تشریح

## تلبینہ مقوی غذا ہے

تلبینہ کو اردو میں حریرہ کہتے ہیں، یہ ایک لطیف اور مقوی غذا ہوتی ہے، جو دودھ، آلے اور  
 شہد سے بنتی ہے، یہ نمکڑی ہے، طبیعت میں فرحت و تازگی پیدا کرتا ہے۔

## باب التداوی بسقی العسل

(شہد پلا کر علاج کرنا)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ (الی قولہ) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ  
 الْخُدْرِيِّ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ أَخِي  
 اسْتَطْلَقَ بَطْنَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ،  
 ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: إِنِّي سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ لَهُ ثَلَاثَ  
 مَرَّاتٍ، ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَةُ فَقَالَ: اسْقِهِ عَسَلًا فَقَالَ: لَقَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا  
 اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَ اللَّهُ، وَكَذَبَ  
 نَظْنُ أَخِيكَ فَسَقَاهُ قَبْرًا. (ص ۲۲۷ سطر ۲۰ تا ۲۳)



## تشریح

## بذریعہ شہد علاج

شہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ”فیہ شفاء للناس“ (۱) ایک آدمی کے بھائی کا پیٹ خراب تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ شہد پلاؤ، تین مرتبہ اس نے پلایا لیکن افاقہ نہیں ہوا، چوتھی مرتبہ اس نے آکر پھر عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہد پلاؤ، اس نے کہا کہ شہد پلانے کے بعد بھی افاقہ نہیں ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے موجب شفاء ہونے کو بیان فرمایا ہے جو بالکل بہ حق اور سچ بات ہے، تمہارے بھائی کا پیٹ ہی صحیح نہیں ہے، لہذا اس کو ابھی اور شہد پلانے کی ضرورت ہے، تاکہ فاسد مادہ نکل جائے، چنانچہ چوتھی مرتبہ شہد پلانے پر وہ تندرست ہو گیا۔

بلاشبہ شہد کے اندر شفاء ہے اور پیٹ چلنے کی بیماری میں بھی اس سے علاج کیا جانا چاہئے، لیکن پہلے کسی طبیب حاذق سے مشورہ ضروری ہے، کیونکہ ہر پیٹ کی بیماری میں شہد کا پینا مفید نہیں ہے۔

## باب الطاعون والطيرة والكهانة ونحوها

(یہ باب طاعون، بدقالی اور کہانت وغیرہ کے بیان میں ہے)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَأَبِي النَّضْرِ، (الی قولہ) فَقَالَ أُسَامَةُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الطَّاعُونُ رَجَزٌ أَوْ عَذَابٌ أُرْسِلَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بَارِضٍ، فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بَارِضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ وَقَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا يُخْرِجُكُمْ إِلَّا فِرَارًا مِنْهُ.

(ص ۲۲۸ سطر ۱ تا ۳)

## تشریح

## طاعون اور بدقالی

طاعون ایک دہائی بیماری کا نام ہے جس میں بیک وقت ہزاروں آدمی مر جاتے ہیں، اور یہ بیماری ایک پھوڑے کی شکل میں کان کے پیچھے یا بغل میں یا ناک کے قریب ظاہر ہوتی ہے، اس کے

بارے میں حدیث میں ہے کہ یہ ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا، جس کے معنی اگرچہ ناپاک کے ہیں لیکن یہاں جس کو عذاب کہا گیا ہے، بنی اسرائیل پر یہ بطور عذاب آیا تھا، اور حدیث میں غالباً بلعم باعور کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، بلعم باعور ایک نیک آدمی تھا، جو مستجاب الدعوات تھا، جب اس کی قوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لشکر کے ساتھ چڑھائی کی تو بلعم باعور کی قوم کے لوگ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کے خلاف بددعا کرو، پہلے اس نے منع کیا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اگر میں ان کے خلاف بددعا کروں گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا، دوبارہ انہوں نے بہت سے ہدایا اور تحائف اس کی خدمت میں پیش کئے اور اس کو منایا اور اس پر زور دیا، اس نے کہا کہ میں استخارہ کروں گا، اگر مجھے اجازت ملی تو بددعا کروں گا ورنہ نہیں، چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے استخارہ میں اجازت نہیں ملی، تو قوم نے پھر زور دیا، اس نے پھر استخارہ کیا، استخارہ میں نہ اثبات ہوا اور نہ نفی ہوئی، تو دنیا کی محبت اس کے دل میں اتر گئی، تو اس نے کہا کہ اب کی بار نہ مجھے منع کیا گیا اور نہ ہی اجازت دی گئی، لہذا میرے لئے گنجائش ہے، پھر اس نے (العیاذ باللہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے امتیوں کے خلاف جو اس وقت فوج میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، بددعا کی، تو اس کی زبان کتے کی طرح منہ سے باہر لٹک گئی، اور یہ مردود ہو گیا۔

جب یہ مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ میری دین و دنیا دونوں تباہ ہو گئیں، اب میں تم کو ایک ایسا نسخہ بتاتا ہوں جو بہت ہی کارآمد ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی تمام عورتوں کو آراستہ پیراستہ کر کے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں بھیج دو، اور عورتوں سے کہہ دو کہ اگر کوئی فوجی تم کو ہاتھ لگائے یا تم سے منہ کالا کرے تو کرنے دینا، چنانچہ یہ عورتیں موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں گئیں، فوج میں ایک سردار تھا، اس نے ایک بادشاہ کی بیٹی کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا، اور اس کو اپنے خیمہ میں بلایا اور اس سے منہ کالا کیا، اس وقت طاعون کا حملہ ہوا اور ایک ہی دن میں ستر ہزار بنی اسرائیلی ہلاک ہو گئے، حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان میں ایک آدمی کو جب پتہ چلا کہ فلاں سردار نے یہ بدکاری کی ہے تو وہ نیزہ لیکر آیا اور اس سے اس نے اس سردار کا اور اس عورت کا کام تمام کر دیا۔<sup>(۱)</sup>

اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل پر مختلف اوقات میں طاعون کی وبا آئی ہے، گذشتہ قوموں پر یہ عذاب تھا جبکہ حضور ﷺ کی امت پر یہ موجب رحمت ہے، اس لئے طاعون سے مرنے والا شہید ہوتا ہے۔

قوله: فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بَارِضًا، فَلَا تَقْلَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بَارِضٌ وَأَنْتُمْ بَاهَا،

(۱) حکمہ ص ۳۵۹، اس عورت کا نام ”کشتنا“ مرد کا نام ”زمری“ اور ان کو قتل کرنے والے کا نام ”فتحاحس بن حارون“ تھا۔

فلا تخرجوا فرارا منه وقال أبو النضر: لا يخرجكم إلا فرار منه (ص ۲۲۸)

سطر ۳

### طاعون زدہ علاقہ میں جانے کا حکم

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ، اور اگر تم کسی زمین میں ہو اور وہاں پر طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو، شارحین فرماتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو، جو اندر گیا اور اس کو طاعون ہو گیا تو وہ کہے گا کہ میں اگر اندر نہ جاتا تو مجھے طاعون نہ ہوتا، ایسے ہی اگر کوئی طاعون زدہ علاقے میں ہو اور پھر وہاں سے نکل بھاگے اور اس کی قسمت میں طاعون سے ہلاک ہونا نہ ہو تو وہ کہے گا کہ میں اگر وہیں رہتا تو میں بھی مر جاتا، میں نکل آیا اس وجہ سے میں بچ گیا۔<sup>(۱)</sup>

اسی وجہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی علاقے میں طاعون پھیل جائے تو تمہیں اس سے احتیاط کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن دو باتوں سے بچو، ایک یہ کہ تم یہ نہ کہو کہ میں باہر چلا گیا تھا، اس لئے میں بھی بچ گیا، اور اندر والا یہ نہ کہے کہ میں اندر رہا تو میں مر گیا، نکل جاتا تو بچ جاتا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس میں کچھ تفصیل<sup>(۲)</sup> بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ طاعون زدہ علاقے سے نکلنے میں تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ آدمی طاعون کی وجہ سے بستی چھوڑ نکلے، یہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کا پہلے ہی سے سفر کا ارادہ تھا کہ اسی دوران طاعون آگیا، اس صورت میں نکلنا جائز ہے، کیونکہ یہ طاعون کی وجہ سے نکلنا نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ طاعون کے آنے کے بعد کسی آدمی کو کسی ضرورت کی وجہ سے نکلنے کی ضرورت پیش آئے، جیسے علاج کے لئے نکلنا پڑے، یا کاروبار کے لئے نکلنا پڑے یا کسی سے ملاقات کی ضرورت پیش آجائے، اور ساتھ ہی اس نے سوچا کہ طاعون بھی آیا ہوا، اچھا ہے اس سے بھی دور ہو جاؤں گا، اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ نکل سکتا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں نکل سکتا۔<sup>(۳)</sup>

(۱) ح ۱۰ ص ۲۲۸ و حکمہ فتح المہم ج ۳ ص ۳۶۱۔

(۲) فتح ... کتاب الطب بما یدکر فی الطاعون ج ۱ ص ۲۵۲۔

(۳) حکمہ فتح المہم ج ۳ ص ۳۶۲۔

قوله: لا یخرجکم الا فرار منه. (ص ۲۲۸ سطر ۳)

ابونظر جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ بطور تشریح کے فرماتے ہیں کہ نہ نکالے تم کو مگر اس سے بھاگنا، بعض نسخوں میں فرار ہے اور بعض میں فرار ہے، یہ قواعد عربیہ اور معنی کے اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ نکالے تم کو اس بستی سے مگر طاعون سے بھاگنا، یعنی طاعون سے بھاگنا ہو تو نکل جاؤ، اور کسی وجہ سے مت نکلو، یہ تو قلب موضوع ہو گیا، یعنی اس سے طاعون سے ڈر کر نکل بھاگنے کی اجازت ثابت ہو رہی ہے، اسلئے شارحین نے فرمایا کہ یہاں لا غلط ہے، اصل میں تھا: یخرجکم الا فرار منه۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، (الی قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، خَرَجَ إِلَى الشَّامِ، حَتَّى إِذَا كَانَ بِسَرْعَ لَقِيَهُ أَهْلُ الْأَجْنَادِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَأَصْحَابُهُ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ: ادْعُ لِي الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ فَدَعَوْتُهُمْ، فَاسْتَشَارَهُمْ، وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ، فَاخْتَلَفُوا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: قَدْ خَرَجْتَ لِأَمْرٍ وَلَا نَرَى أَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَأَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَرَى أَنْ تُقَدِّمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ: ارْتَفِعُوا عَنِّي، ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِي الْأَنْصَارِ فَدَعَوْتُهُمْ لَهُ، فَاسْتَشَارَهُمْ، فَسَلَكُوا سَبِيلَ الْمُهَاجِرِينَ، وَاخْتَلَفُوا كَاخْتِلَافِهِمْ، فَقَالَ: ارْتَفِعُوا عَنِّي، ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ مَشِيخَةٍ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ، فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ، فَقَالُوا: نَرَى أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقَدِّمَهُمْ عَلَى هَذَا الْوَبَاءِ، فَنَادَى عُمَرُ فِي النَّاسِ: إِنِّي مُصْبِحٌ عَلَى ظَهْرِ، فَأَصْبَحُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ: أَفِرَارًا مِنْ قَدْرِ اللَّهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ: لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ - وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُ خِلَافَهُ - نَعَمْ نَفَرٌ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ إِلَى قَدْرِ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَتْ لَكَ إِبِلٌ فَهَبَطَتْ

وَإِدْيَا لَهُ عُدْوَتَانِ، إِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ وَالْأُخْرَى جَذْبَةٌ أَلَيْسَ إِنَّ رَعِيْتَ  
الْخَصْبَةَ رَعِيْتَهَا بِقَدْرِ اللَّهِ، وَإِنْ رَعِيْتَ الْجَذْبَةَ رَعِيْتَهَا بِقَدْرِ اللَّهِ، قَالَ:  
فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ، فَقَالَ: إِنَّ  
عِنْدِي مِنْ هَذَا عِلْمًا، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا  
سَمِعْتُمْ بِهِ بَارِضٍ، فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا  
تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ: فَحَمِدَ اللَّهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ.

(ص ۲۲۹ سطر ۱ تا ۱۰)

### تشریح

حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے، وہاں مقام سرخ پر تشریف لے گئے، یہ مقام یرموک اور جابیہ کے قریب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تبوک کے قریب ایک وادی کا نام ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں ملک شام کی ایک بستی<sup>(۱)</sup>۔ ملک شام کا شروع اور حجاز کا آخر، ان دونوں کے قریب ایک بستی ہے، حضرت عمرؓ اپنے لشکر کیساتھ وہاں پہنچے، تو وہاں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراحؓ نے آکر حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ حضرت! ملک شام میں وباء یعنی طاعون پھیلا ہوا ہے، تو حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا، اور سب سے پہلے مہاجرین سے مشورہ کیا، ان کی رائے میں اختلاف تھا، بعض نے کہا کہ جانا چاہئے، اور بعض نے کہا کہ نہیں جانا چاہئے، پھر آپؓ نے انصار کو بلایا اور ان سے مشورہ لیا تو ان میں بھی اسی طرح کا اختلاف تھا، پھر آپؓ نے مشائخ قریش یعنی جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کہ جانا مناسب نہیں، اس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا ”افرادا من قدر اللہ؟“ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کاش! تمہاری جگہ کوئی اور یہ بات کہتا! یعنی تم تو عالم، فاضل آدمی ہو، شارحین فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو ان کا اختلاف اچھا نہ لگا، کیونکہ وہ ذی علم آدمی تھے۔ لیکن اس وقت حضور ﷺ کی حدیث حضرت ابو عبیدہؓ کے علم میں نہ تھی، پھر حضرت عبدالرحمن (سلیمان) بن عوفؓ شریف لائے اور کہا کہ میں نے حضور ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے جو یہ ہے کہ (فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بَارِضٍ، فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ وَقَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا يَخْرُجُكُمْ إِلَّا فِرَارًا مِنْهُ) تو فحمد اللہ عمر بن

الخطاب اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ (۱)

باب لا عدوی، ولا طيرة، ولا هامة... الخ  
(ہر بیماری دوسروں کو نہ لگنا، اور بدقالی، اور الو کے آنے سے دیرانی کے  
نہ ہونے کے بیان میں)

خَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، (الى قوله) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةً.  
(ص ۲۳۰ سطر ۳، ۴)

### تشریح

قوله: لا عدوی (۲۳۰ سطر ۴)

بیماری لگنا اور بدقالی بے حقیقت ہے

عدوی، ایک سے دوسرے کو لگنے والی بیماری کو کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے لا عدوی  
فرما کر اس بات کی نفی فرمادی کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، لیکن دوسری احادیث میں اس کے  
خلاف ہے، جیسے "فرمن المجدوم کما نفرمن الاسد" اور "ولا یورد...." کوئی صحت مند آدمی  
کسی بیمار کے پاس نہ جائے۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لئے شارحین کے بہت سے اقوال ہیں، جن  
کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر فرمایا ہے، اکثر شراح نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے جو وجہ  
ذکر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ لا عدوی سے مراد یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کی طرف متعدی نہیں  
ہوتی، اور مجذوم سے بھاگنے کا حکم اور اسی طرح صحت مند آدمی کو مریض کے پاس جانے سے روکنے کا حکم  
احتیاطاً ہے۔

لیکن اصل وجہ وہ ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بیان فرمائی ہے کہ دراصل "لا عدوی" میں زمانہ  
جاہلیت کے لوگوں کے ایک عقیدے کی نفی مقصود ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بیماری بالذات دوسرے کو لگ  
جاتی ہے، تو اس عقیدے کی نفی کے لئے "لا عدوی" فرمایا۔ (۲)

اور مجذوم کے پاس جانے سے آپ ﷺ نے اس لئے منع فرمایا کہ بعض بیماریاں اللہ تعالیٰ  
کے حکم سے مریض کے پاس جانے، اس کے پاس بیٹھنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے لگ سکتی ہیں

(۱) حضرت عمرؓ نے اپنے دوستی کے رادے کو حضرت نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک کے موافق پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (مکسہ مع المسہم ۳ ۳۶۸)

(۲) فتح باری کتاب الطب باب لاهامة، ج ۱ ص ۳۰۹۔



تو اس سے احتیاطاً منع فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

قولہ : طيرة (ص ۲۳۰ سطر ۴) طيرة اس کے معنی ہیں بدقالی، اہل عرب پرندوں کے ذریعے بدقالی لینے کے عادی تھے، جب سفر کے لئے نکلتے تو اس کے کامیاب یا ناکام ہونے کے لئے یا کسی اہم کام کے لئے نکلتے تو اس وقت کامیابی یا ناکامی کا اندازہ کرنے کے لئے گھر سے نکل کر ایک پرندے کو اڑاتے، اگر وہ دائیں طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ سفر کامیاب ہوگا اور اگر وہ بائیں طرف اڑ جاتا تو سمجھتے کہ سفر ناکام ہوگا، اسی طرح بعض مرتبہ کسی جانور کو دوڑاتے، تو اس کے دائیں یا بائیں طرف جانے سے مذکورہ قال لیتے۔<sup>(۲)</sup>

قولہ : هامة (ص ۲۳۰ سطر ۴) هامة اُلُو کو کہتے ہیں، زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر اُلُو کسی کے گھر پر آکر بیٹھ جائے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے، یعنی گھر والے مر جاتے ہیں اور سب مال و متاع ختم ہو جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

بعض حضرات نے کہا کہ ہامہ ایک کیڑا ہوتا ہے، جب کوئی شخص کسی دوسرے کو ناحق قتل کر دیتا ہے، تو مقتول کے سر سے ایک کیڑا نکلتا ہے جو اس کی قبر کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے اور اسقونی، اسقونی کہتا رہتا ہے کہ مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، یعنی میرے خون کا بدلہ لو، اگر اس کے خون کا بدلہ لے لیا جائے تو غائب ہو جاتا ہے، ورنہ اسی طرح چکر کاٹتا رہتا ہے۔<sup>(۴)</sup>

قولہ : صفر (ص ۲۳۰ سطر ۴) اس کے ایک معنی تو ماؤ صفر کے ہیں، اہل عرب چار مہینوں کو محترم مانتے تھے کہ ان میں لڑائی حرام سمجھتے تھے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ربیع، کبھی کبھی محرم کے اندر صفر کو داخل کر لیتے تھے، اور کبھی لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو صفر کو محرم سے الگ کر لیتے تھے، اس کی نفی آپ ﷺ نے لا صفر کہہ کر فرمائی۔

دوسرے معنی ہیں کہ ماؤ صفر کو منحوس سمجھنا، زمانہ قدیم سے ہے اور ہمارے زمانہ میں بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مہینے میں بڑی بڑی آفات اور بلیات نازل ہوتی ہیں، اس لئے اس ماہ میں صدقہ و خیرات کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور صحر کی شادی کو صحر کہتے ہیں، ہمارے دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے جہلاء میں اکثر یہ عقیدہ پایا جاتا ہے، آپ ﷺ نے لا صفر فرما کر اس عقیدے کی نفی

(۱) مکتبہ فتح المبینہ ج ۴ ص ۲۴۲-۲۴۳

(۲) مکتبہ فتح المبینہ ج ۴ ص ۲۴۳-۲۴۴

(۳) سراج النبوی ج ۲ ص ۲۴۰

(۴) مکتبہ فتح المبینہ ج ۴ ص ۲۴۲-۲۴۳

صفر کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے، جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو یہ انسان کو ڈستا ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ (ص ۲۳۱ سطر ۳، ۴)

### تشریح

قولہ : وَلَا نَوْءَ، (ص ۲۳۱ سطر ۴) نوء اس ستارے کو کہتے ہیں جو گرنے والا ہو، یعنی غروب ہونے والا ہو، اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب چاند اپنی اٹھائیسویں منزل میں آتا ہے تو اگر وہاں ستارہ گر جائے یعنی غروب ہو جائے تو بارش برسی ہے اور وہ اس کو بارش برسنے میں بالذات مؤثر سمجھتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ هَاشِمٍ بْنُ حَيَّانَ (الی قولہ) عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوَى، وَلَا غُولَ، وَلَا صَفَرَ. (ص ۲۳۱ سطر ۶، ۷)

### تشریح

قولہ : وَلَا غُولَ، (ص ۲۳۱ سطر ۶) غول اس کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جنات کی ایک مستقل قسم ایسی ہے جو صرف اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ جنگلوں میں گھومے پھرے اور جو مسافر وہاں سے گزرے، ان کو بہکائیں اور بھٹکائیں، اور اس کو جان سے مار دیں، یہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا خیال تھا، اور وہ غول کو ایسی چیز سمجھتے تھے اور دوسرے معنی وہ مراد لیتے تھے ”سرکش جنات“ کے۔ آپ ﷺ نے لا غول فرما کر اس کی نفی فرمادی۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح بیرونی ج ۲ ص ۲۳۰

(۲) مکملہ فتح المسلمین ج ۴ ص ۳۷۶

(۳) مکملہ فتح المسلمین ج ۴ ص ۳۷۶

## باب الطيرة والفأل وما يكون فيه من الشؤم

(بدشگونی، نیک فال اور جن چیزوں میں نحوست ہے ان کے بیان میں)

حَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، (الى قوله) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَذْوَى، وَلَا طِيرَةَ، وَأَجِبُ الْفَأْلَ الصَّالِحَ.

(ص ۲۳۱ سطر ۱۶، ۱۷)

### تشریح

#### نیک فال مستحب ہے

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نیک فال کو پسند کرتا ہوں، نیک فال یہ ہے کہ آدمی کسی کام کے لئے نکلے اور پھر کسی سے کوئی اچھی بات سن لے تو اس سے آدمی اپنے دل میں یہ گمان کرے کہ ان شاء اللہ میں اپنے کام میں کامیاب ہو جاؤں گا، جیسے کوئی لشکر لڑائی کے جا رہا ہو اور راستے میں اس کو کوئی شخص ملے، اس سے نام پوچھیں، وہ کہے کہ میرا نام فاتح ہے، تو اس سے اہل لشکر نیک فکون لے سکتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہمیں فتح نصیب ہوگی، نیک گمان کی بنیاد حسن ظن پر ہے اسلئے وہ جائز ہے اور بد فالی کی بنیاد بدگمانی پر ہے، اس لئے وہ ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ، وَخَرَّمَةُ (الى قوله) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرْ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا عَذْوَى وَلَا طِيرَةَ وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: الْمَرْأَةُ، وَالْفَرَسُ، وَالْدَّارِ. (ص ۲۳۲ سطر ۲، ۳)

### تشریح

قوله: وَإِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ: الْمَرْأَةُ، وَالْفَرَسُ، وَالْدَّارِ (۲۳۲ سطر ۳)

#### عورت اور گھر میں نحوست

بعض حضرات نے اس کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ تین چیزوں کے اندر نحوست ہو سکتی ہے، ایک عورت میں، دوسرے گھوڑے میں اور تیسرے گھر میں، لیکن جمہور نے فرمایا کہ اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں، اور یہاں حقیقی نحوست مراد نہیں ہے، بلکہ شؤم سے مراد نا موافق

ہونا ہے، مثلاً عورت میں شوم یہ ہے کہ وہ ہم مزاج نہیں ہے، ایسے ہی گھوڑا حسب طبیعت نہیں ہے، ایسے گھر میں شوم کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبیعت کے موافق نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

### باب تحریم الکھانۃ و ایتان الکھان

(یہ باب کہانت کے حرام ہونے اور کاہنوں کے پاس جانے کے بیان

میں ہے)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، (الی قولہ) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السَّلَمِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ، قَالَ: فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ: كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ، فَلَا يَصُدُّكُمْ. (ص ۲۳۲ مطر ۱۳ تا ۱۵)

### تشریح

#### کہانت حرام ہے

کہان، کاہن کی جمع ہے، کاہن کہتے ہیں غیب کی باتیں بتانے والے کو، اہل عرب غیب کی باتیں جاننے اور بیماریوں کا علاج کروانے کے لئے بکثرت کاہنوں اور جادو گروں کے پاس جایا کرتے تھے،

#### کاہنوں کی تین قسمیں

کاہن تین قسم پر ہیں:

ایک قسم وہ ہے کہ جن کی جنات سے دوستی ہوتی ہے اور جنات آسمانوں پر جاتے ہیں اور ملائکہ سے کچھ باتیں سن کر اپنی طرف سے سو میں ننانوے جھوٹ ملا کر وہ کاہنوں کو بتا دیا کرتے تھے، اور کاہن اپنے پاس آنے والوں کو بتا دیا کرتے تھے، لوگ ان پر اعتبار کر لیتے تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اب اگر کوئی جن آسمان کی طرف چڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو شہابِ ثاقب آ کر اس کو لگتا ہے، اور اس کو مار بھگاتا ہے۔

کاہنوں کی دوسری قسم وہ تھی جو زمین پر ہونے والے واقعات جو نظروں سے اوجھل ہوں اور عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں، وہ جنات کے ذریعے یا آثار و قرائن کے ذریعے معلوم کر کے لوگوں

کو بتلایا کرتے تھے، یہ صورت آج بھی ہو سکتی ہے۔

کاہن کی تیسری قسم نجومی ہے، جو آج کل بکثرت موجود ہیں، نجومی، علم نجوم کے ذریعے بعض غیب کی باتیں لوگوں کو بتاتے ہیں۔

یہ تینوں قسمیں ناجائز اور حرام ہیں، اور ان کے پاس جانا اور ان سے غیب کی باتیں معلوم کرنا یا اپنی تقدیر کے بارے میں دریافت کرنا یا آئندہ ہونے والے واقعات کے بارے میں ان سے جاننا سب ناجائز اور حرام ہے۔

### عرافت کا حکم

اور کہانت کی ایک قسم عرافت بھی ہے، اس فن کے جاننے والے کو عراف کہتے ہیں،<sup>(۱)</sup> اور عراف چوری کئے ہوئے مال کے بارے میں بتاتا ہے کہ کس نے چرایا اور چوری شدہ مال کہاں ہے؟ یا گمشدہ آدمی یا گمشدہ چیز کہاں ہے؟ جو حکم کاہن کا ہے وہی حکم عراف کا بھی ہے۔

ہمارے زمانہ میں عرافت کی ایک قسم حضرات ہے، وہ یہ کہ عامل کسی بچے کے ناخن پر کالی روشنائی لگا دیتا ہے اور پھر وہ اپنا تصور اس بچے کے دماغ پر مرکوز کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس بچے کو کالی روشنائی کے اندر نہ جانے کیا کیا نظر آتا ہے، عموماً پہلے ایک میدان نظر آتا ہے، پھر بھنگی اس کی صفائی کرتا ہے پھر اس میں شامی دربار لگایا جاتا ہے، شامی تخت بچھایا جاتا ہے، بادشاہ سلامت تشریف لاتے ہیں اور چور لایا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے جو سامان چوری کیا، وہ حاضر کرو اس طرح چور کا پتا چلایا جاتا ہے، اور پھر وہ عامل اس حضرات کے عمل کے ذریعہ کسی متعین شخص کے بارے میں کہتا ہے کہ فلاں چور ہے، یہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے، شرعاً اس سے چوری ثابت نہیں ہوتی اور نہ کسی کو چور بتانے سے وہ چور بن جاتا ہے، کیونکہ یہ شرعی طریقہ ثبوت نہیں ہے۔ اس کی بنیاد پر واقعہ کسی کو چور سمجھنا جائز نہیں جب تک شرعی طریقہ سے چوری ثابت نہ ہو۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (المرسل) وَزَادَ فِي حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: قُلْتُ: وَمِنْ رِجَالٍ يَخْطُونَ قَالَ: كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخْطُ، فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ. (ص ۲۳۲ سطر ۱۸ تا ۲۰)

### تشریح

قوله: وَمِنْ رِجَالٍ يَخْطُونَ (ص ۲۳۲ سطر ۲۰)

## علم جفر کا حکم

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خط کھینچ کر غیب کی بات جانتا، یہ ایک علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمایا تھا، اور شارحین نے ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے نام شمار کرائے ہیں جن کو اللہ پاک نے یہ فن عطا فرمایا تھا جیسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت لقمان علیہ السلام، اور حضرت شعبا علیہ السلام، حضرت ارمیا علیہ السلام، اور حضرت دانیال علیہ السلام، یہ حضرات کچھ خطوط و اشکال بناتے تھے، اس سے کچھ نتیجہ نکالتے تھے، وہ نتیجہ بالکل حتمی، قطعی اور یقینی ہوتا تھا، یہ علم ان کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہو گیا، اب لوگ اندازے سے یہ کام کرتے ہیں، اور اس میں کوئی قطعیت یا یقینی صورتحال نہیں، لہذا اس پر یقین کرنا حرام اور ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب قتل الحیات وغیرہا

سانپوں وغیرہ کو مارنے کے بارے میں

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، (الی قوله) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ ذِي الطُّفَيْتَيْنِ، فَإِنَّهُ يَلْتَمِسُ الْبَصَرَ وَيُصِيبُ الْحَبَلَ. (ص ۲۳۴ سطر ۲۰۱)

## تشریح

قوله: ذِي الطُّفَيْتَيْنِ (ص ۲۳۴ سطر ۲)

## سانپوں کو مارنے کا حکم

الطفیتین، طفیة کاثنیہ ہے، طفیة ایک سانپ ہوتا ہے، جس کی کمر پر دو سفید دھاریاں ہوتی ہیں، جو اس کے انتہائی زہریلا ہونے کی علامت ہیں، حدیث میں اس سانپ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر کوئی اس سانپ سے نظر ملا لے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی حاملہ عورت اس کو دیکھ لے تو حمل گر جاتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِذُ، (الی قوله) عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَذَا الطُّفَيْتَيْنِ وَالْأَبْتَرِ، فَإِنَّهُمَا

(۱) مکملہ معجم المسند ج ۳ ص ۳۸۵

(۲) شرح السنن ج ۲ ص ۲۳۴



يَسْتَسْقِطَانِ الْحَبْلَ وَيَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ. (الی قولہ) فقال انه قد نهى عن  
ذوات البيوت (ص ۲۳۴ سطر ۵ تا ۳)

### تشریح

قولہ: الابتر (ص ۲۳۴ سطر ۴) ابتر وہ سانپ جس کی دم نہ ہو<sup>(۱)</sup>، ذوات البيوت سے مراد وہ سانپ ہیں جو گھروں کے اندر رہتے ہیں، انہی کو عوام بھی کہتے ہیں، بعض ان میں چاندی کی طرح سفید ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو مارنے کا حکم فرمایا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ مارنے سے پہلے آپ ﷺ نے ان کو خبردار کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ بعض مرتبہ وہ جنات ہوتے ہیں، اور جنات کو مارنے سے ان کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے، خبردار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تین مرتبہ یوں کہے کہ دیکھو! تم نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ساتھ عہد کیا تھا کہ تم ظاہر نہیں ہو گے اور انسانوں کو تکلیف نہیں دو گے، تو اپنے عہد کی پاسداری کرو اور ظاہر مت ہو، غائب ہو جاؤ، ورنہ ہم تم کو مار دیں گے، تین دفعہ خبردار کرنے کے بعد بھی اگر وہ نظر آئیں تو مار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، غائب ہو جائے تو سمجھ لو وہ جن تھا۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ سَرْحٍ، (الی قولہ) أَخْبَرَنِي أَبُو  
السَّائِبِ، مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي بَيْتِهِ،  
قَالَ: فَرَجَدْتُهُ يُصَلِّي، فَجَلَسْتُ أَنْتَظِرُهُ حَتَّى يَقْضِيَ صَلَاتَهُ، فَسَمِعْتُ  
تَحْرِيكَ فِي عَرَاجِينِ فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ، فَالْتَفْتُ فَإِذَا حَيَّةٌ قَوَيْتُ لِاقْتُلَهَا،  
فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ اجْلِسْ فَجَلَسْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَشَارَ إِلَيَّ بَيْتٍ فِي الدَّارِ،  
فَقَالَ: أَتَرَى هَذَا الْبَيْتَ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: كَانَ فِيهِ فَتًى مِّنَّا حَدِيثُ عَهْدٍ  
بِعُزْسٍ، قَالَ: فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْخَنْدَقِ  
فَكَانَ ذَلِكَ الْفَتَى يَسْتَأْذِنُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْصَافِ  
النَّهَارِ فَيَرْجِعُ إِلَى أَهْلِهِ، فَاسْتَأْذَنَهُ يَوْمًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ خُذْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْكَ قَرْيَظَةً، فَأَخَذَ الرَّجُلُ

(۱) جس کی دم چھوٹی ہو، شرح النووی ج ۲ ص ۲۳۴

(۲) شرح النووی ج ۲ ص ۲۳۴

سِلَاحُهُ، ثُمَّ رَجَعَ فَإِذَا امْرَأَتُهُ بَيْنَ الْبَابَيْنِ قَائِمَةٌ فَأَهْوَى إِلَيْهَا الرُّمْحَ لِيَطْعَنَّهَا بِهِ وَأَصَابَتْهُ غَيْرَةً، فَقَالَتْ لَهُ: اكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتَّى تَنْظُرَ مَا الَّذِي أَخْرَجَنِي، فَدَخَلَ فَإِذَا بِحَيَّةٍ عَظِيمَةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَأَهْوَى إِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَضَمَهَا بِهِ، ثُمَّ خَرَجَ فَرَكْزَهُ فِي الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ، فَمَا يُدْرِي أَيُّهُمَا كَانَ أَسْرَعَ مَوْتًا الْحَيَّةُ أَمْ الْفَتَى، قَالَ: فَجِئْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ وَقُلْنَا ادْعُ اللَّهَ يُحْيِيهِ لَنَا فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ بِالْمَدِينَةِ جِنًّا قَدْ أَسْلَمُوا، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا، فَأَذِنُوهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ بَدَأَ لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ، فَاقْتُلُوهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ. (ص ۲۳۵ سطر ۱۲ تا ۲۱)

### تشریح

قوله: لما يدري أيهما كان أسرع موتا الحية أم الفتى (۲۳۵ سطر ۱۹)

سانپ مارنے کا عجیب واقعہ

نوجوان کے اس واقعے میں ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہوا اور سانپ کو دیکھا تو اس کو اپنے نیزے میں اٹھا لیا، اور مار دیا، وہ اصل میں جن تھا، چنانچہ اس نے انتقام میں اس نوجوان کو مار دیا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم گھر میں سانپ دیکھو تو تین دن تک (مراد ہے تین مرتبہ) اعلان کرو، یعنی خبردار کرو اور اس کو حضرت داد و سلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلاؤ۔

### کتاب الشعر

باب تحریم اللعب بالنرد شیر

(نرد شیر کھیل کی حرمت کا بیان)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، (الی قولہ) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيرٍ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ (ص ۲۳۰ سطر ۷ تا ۹)

## تشریح

قوله : فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمٍ خَنْزِيرٍ وَدَمِهِ (ص ۲۴۰ سطر ۹)

## نزد شیر کھیل کا حکم

یہ ایک عجیب کھیل ہے جیسے شطرنج ایک عجیب کھیل ہے اور اس کے ناجائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ حدیث بالا سے واضح ہے، اور نزد شیر پر قیاس کرتے ہوئے جمہور علماء نے شطرنج کو بھی ناجائز قرار دیا ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس میں قمار نہ ہو، انہماک نہ ہو، کسی واجب میں خلل نہ آئے ورنہ بالا جماع حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>

## عام کھیلوں کا حکم

یہاں ہمارے زمانہ کے عام کھیلوں کا حکم جاننے کی ضرورت ہے ان کے حکم کے بارے میں سیدی وسندی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو ان کی کتاب احکام القرآن کا جزء ہے اس کا جامع خلاصہ درج ذیل ہے:

واضح رہے شریعت اسلامیہ نے انسانی فطرت کے جائز تقاضوں سے منع نہیں کیا ہے بلکہ ان کی اجازت دی ہے، ہاں ان میں غلو اور انہماک سے منع کیا ہے جس سے دینی اور معاشی نقصان ہو مثلاً ورزش کرنے اور وقتاً فوقتاً تفریح کرنے اور دل بھلانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: رَوْحُوا قُلُوبَكُمْ سَاعَةً لِسَاعَةٍ (رواہ ابو داؤد فی مراسیلہ) اور نیز نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے اَلْهَوَا وَلَعِبُوا فَاِنَّی اَكْرَهُ اَنْ اُرَى فِی دِیْنِكُمْ غِلْظَةً (رواہ البیہقی) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اَنْ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ كَانَ مَعَكُمْ مِنْ لَهْوٍ فَاِنْ الْاَنْصَارُ یَحْبُونَ اللّٰهُوَ، اور حضور ﷺ کا اپنے اقوال وافعال میں مزاح فرمانا بھی اس کی دلیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جائز مقصد اور صحیح نیت سے دل کو راحت دینا، تفریح کرنا، جائز کھیل کھیلنا جائز ہے شریعت نے اس سے منع نہیں کیا۔ لیکن اس میں غلو اور ایسے انہماک سے جو دنیا اور آخرت میں نقصان دہ ہو منع کیا ہے، اس سلسلے میں حضرات فقہاء حنفیہؒ نے کھیلوں کا جو حکم بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے:

جس کھیل کا کوئی صحیح مقصد نہ ہو دین اور دنیا کے لحاظ سے مفید نہ ہو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اس پر اُمت کا اجماع ہے اور ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے اور جس کھیل میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہو تو اگر اس میں کتاب و سنت کی طرف سے کوئی ممانعت آئی ہو جیسے زبرد شیر تو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اس صورت میں اس میں جو مصلحت اور فائدہ ہے وہ ممانعت کی وجہ سے قابل توجہ نہیں کیونکہ اس میں فائدے سے زیادہ نقصان ہے اور جس کھیل میں شریعت کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے اور اس میں کوئی فائدہ ہے تو فقہی اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:-

(۱) ... تجربے سے اس میں نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہو اور مفاسد اور خرابیاں اس کے فوائد پر غالب ہوں، اور جو شخص اس میں مشغول ہو وہ کھیل اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، نماز یا جماعت ادا کرنے سے اور مساجد میں حاضری سے غافل کرتا ہے تو وہ بھی حرام یا مکروہ ہوگا (مثلاً آج کل کے بین الاقوامی کھیل کہ اکثر ان میں طرح طرح کے مفاسد عام طور پر پائے جاتے ہیں ان مفاسد کے ساتھ ان کا یہی حکم ہے)

(۲) ... جو کھیل ایسے نہیں ہیں تو اگر کوئی شخص انہیں محض کھیلنے کی غرض سے کھیلتا ہے تو یہ مکروہ ہے اور اگر اس لئے کھیلتا ہے تاکہ صحت اچھی ہو یا کوئی اور جائز مقصد پیش نظر ہو تو وہ جائز بلکہ کسی حد تک مستحب ہے۔<sup>(۱)</sup>

## کتاب الرؤیا

(خواب کے بیان میں)

باب قول النبی ﷺ من رآنی فی المنام...

(آپ ﷺ کے قول جس نے مجھے خواب میں دیکھا..... کے بیان

میں)

حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ

رَأَى، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي. (ص ۲۴۲ سطر ۱۱، ۱۲)

## تشریح

قوله : من رآنی فی المنام فقد رآنی (ص ۲۴۲ سطر ۱۲)

خوابوں کے احکام اور قسمیں

اس حدیث میں تین باتیں سمجھنے کی ہیں:

(۱).... اس حدیث میں حضور کے دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟

(۲).... اگر حضور ﷺ خواب میں کوئی حکم دیں تو اس پر عمل کرنے کی کیا حیثیت ہے؟

(۳).... خواب میں حضور ﷺ کو دیکھنے سے دیکھنے والے کو صحابیت کا رتبہ حاصل ہو گا یا نہیں؟

حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بارے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں، علامہ ابن سیرین، امام بخاری، قاضی عیاض رحمہم اللہ اور علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جس شخص نے حضور ﷺ کو خواب میں اگر اس شکل و صورت میں دیکھا جو حقیقت میں آپ ﷺ کی تھی، جس کو حضراتِ محدثین نے شامل کی کتب میں تحریر فرمایا ہے تو اس نے حضور ﷺ کو ہی دیکھا اور شیطان اس صورت میں نہیں آ سکتا۔

علماء کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ جس شخص نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور اس کے دل نے گواہی دی کہ یہ حضور ﷺ ہی ہیں تو اس نے خواب میں حضور ﷺ ہی کو دیکھا، خواہ اس نے حضور ﷺ کو کسی بھی صورت اور حلیہ میں دیکھا ہو۔

رہی یہ بات کہ اگر غیر معروف حلیہ میں دیکھا تو حضور کو اس نے کس طرح دیکھا؟ اس کے بارے میں ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ درحقیقت یہ دیکھنے والے کے اعمال کا عکس ہے، ورنہ اس نے حضور ﷺ کو ہی دیکھا ہے، اور ہمارے اکابرین نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کو خواب میں انگریزی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا، آپ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ دیکھنے والے کے اندر نصرانیت کا غلبہ ہے، ورنہ اس نے دیکھا تو حضور ﷺ کو ہی ہے، گویا کہ حضور علیہ السلام ایک آئینہ کی مثل ہیں اور دیکھنے والے کو اپنے اعمال کا عکس آپ کی ذات میں نظر آتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کا خواب میں کوئی حکم دینا کسی امر و نہی کو

ثابت کرتا ہے یا نہیں؟

تو اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ خواب حجت شرعیہ نہیں ہے اور اس سے کسی بھی قسم کا امر یا نہی ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ اگر حضور ﷺ خواب میں کسی بھی شخص کو کوئی امر و نہی فرمائیں تو اس امر و نہی کو اصول شرعیہ کے مطابق دیکھا جائے گا، اگر یہ اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ کہا جائے گا کہ دیکھنے والے کو خواب صحیح طرح سے یاد نہیں رہا یا اس کو کوئی وہم ہوا ہے۔

اور اگر یہ امر و نہی اصول شرعیہ سے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و مستحب ہے۔

تیسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ خواب میں حضور ﷺ کو دیکھنے سے صحابیت کا شرف حاصل ہوگا یا نہیں؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے کہ صحابی ہونے کیلئے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بیداری کی حالت میں حضور ﷺ کو دنیاوی حیات کے ساتھ بحالت ایمان دیکھنا ضروری ہے، لہذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر کوئی آپ ﷺ کو کشف کی حالت میں یا خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کرے تو وہ صحابی نہیں بنے گا۔<sup>(۱)</sup>

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ، وَحَرَمَلَةُ (الْي قَوْلَهُ) أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَسِيرَانِي فِي الْيَقْظَةِ، أَوْ لَكَائِمًا رَأَى فِي الْيَقْظَةِ، لَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِهِ. (ص ۲۴۲ سطر ۱۲ تا ۱۴)

## تشریح

قوله: فسیرانی فی الیقظة (ص ۲۴۲ سطر ۱۴)

اس میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ کے زمانے کے مطابق ہے، یعنی جس نے آپ ﷺ کو ان کے زمانے میں خواب میں دیکھا تو وہ بیداری میں بھی دیکھے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی جو شخص آپ علیہ السلام کو دنیا میں خواب میں دیکھا گا وہ آپ ﷺ کو آخرت میں بھی دیکھے گا، لیکن یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ آخرت میں کسی کی تخصیص نہیں ہے وہاں تو سبھی دیکھیں گے، خواہ دنیا میں خواب میں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مکملہ فتح بہم ۴۲۷، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، عمدۃ القاری کتاب العلم باب اللہ من کذب علی نبی ﷺ ۵۸۷/۲۔

(۲) مکملہ فتح بہم ج ۴ ص ۴۵۳، شرح البدیع ج ۲ ص ۲۴۳۔



## باب فی تأویل الرؤیا

(خواب کی تعبیر کے بیان)

حَدَّثَنَا حَاجِبُ بْنُ الْوَلِيدِ، (الی قولہ) أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ، أَنَّ رَجُلًا  
 أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرَى اللَّيْلَةَ  
 فِي أَمْنَةٍ طَنَّةٌ تَنْطَفُ السَّمْنُ وَالْعَسَلُ، فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا  
 بِأَيْدِيهِمْ. وَالْمُسْتَكْبِرُ وَالْمُسْتَقِيلُ، وَأَرَى سَبِيًّا وَاصِلًا، مِنَ السَّمَاءِ إِلَى  
 الْأَرْضِ. فَرَأَيْتُكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَعَلَا، ثُمَّ  
 أَخَذَهُ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَأَنْقَطَعَ بِهِ، ثُمَّ وَصَلَ لَهُ  
 فَعَلَا. قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا أَبَى أَنْتَ، وَاللَّهِ لَتَدْعَنِي فَلَا عُبرَ لَهَا، قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اعْبُرْهَا قَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ  
 الْإِسْلَامِ. وَمَا الَّذِي يَنْطَفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَالْقُرْآنُ خَلَاوَتُهُ وَلِينُهُ،  
 وَأَمَّا يَتَكَفَّفُ النَّاسُ مِنْ ذَلِكَ فَالْمُسْتَكْبِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِيلُ، وَأَمَّا  
 السَّبِيُّ فَيُوصَلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ، تَأْخُذُ بِهِ  
 فَيُعْبِكُ نَعْمَ بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَيَعْلُو بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ  
 آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ. ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوصِلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ،  
 فَأَخْبَرُنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا أَبَى أَنْتَ، أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ: فَوَاللَّهِ يَا رَسُولَ  
 اللَّهِ لَتُحَدِّثَنِي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ؟ قَالَ لَا تُقْسِمُ. (ص ۲۴۳ سطر ۷ تا ۱۶)

## تشریح

قولہ : ... ان رجلاً أتى رسول ... فقال يا رسول الله (ص ۲۴۳ سطر ۹)

## خوابوں کی تعبیریں

اس روایت میں ایک شخص کے خواب کا ذکر ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں  
 آکر بیان کیا اور وہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی اجازت سے اس خواب کی

تعبیر دینی چاہی، اجازت ملنے پر تعبیر دی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”أصبت بعضاً وأخطأت بعضاً“ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے کے باوجود بھی آپ نے خطاء و ثواب کا محل نہیں بتلایا۔

خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص نے دیکھا کہ ایک سائبان ہے، جس میں سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے اور لوگ اس میں سے لے رہے ہیں، لیکن کوئی کم لے رہا ہے اور کوئی زیادہ لے رہا ہے اور آسمان سے زمین تک ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھی اور آپ ﷺ نے اس رسی کو پکڑا اور آسمان پر چڑھ گئے اور پھر ایک دوسرے آدمی نے بھی ایسا ہی کیا، مگر اس کے بعد ایک اور آدمی نے چڑھنے کی کوشش کی تو وہ رسی ٹوٹ گئی، لیکن پھر مل گئی تو وہ آدمی بھی چڑھ گیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ سائبان سے مراد دین اسلام ہے اور اس سے ٹپکنے والے شہد اور گھی سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کو لینے والے مسلمان ہیں، جو کم پینے والا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ قرآن مجید کی رشد و ہدایت اور اس کی ذکر و تلاوت سے کم حصہ حاصل کرتا ہے اور زیادہ لینے والا زیادہ حصہ حاصل کرتا ہے اور آسمان سے لٹکتی رسی سے مراد وہ حق ہے جو آپ لیکر آئے ہیں، یہاں پر حضرات شارحین رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ رسی پر چڑھنے والوں سے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔<sup>(۱)</sup>

خواب کی تعبیر دینے کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ”أصبت أم أخطأت“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”أصبت بعضاً وأخطأت بعضاً“ اس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صواب و خطاء کا محل جاننا چاہا اور آپ ﷺ کو قسم دی کہ ضرور بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لا تقسم“ کہ قسم مت دو اور خطاء اور صواب کا محل نہ بتلایا۔

اس پر حضرات شارحین رحمہم اللہ نے بحث کی کہ حضور ﷺ نے تو خطاء و صواب کو متعین نہیں فرمایا لیکن خطاء و صواب کا محل ہے کیا؟

بعض حضرات نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو متعین نہیں فرمایا تو ہم بھی اس پر سکوت اختیار کریں گے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شہد اور گھی دونوں سے مراد قرآن کریم لیا ہے، یہ درست نہیں بلکہ شہد سے مراد قرآن کریم اور گھی سے مراد احادیث طیبہ ہیں۔ بہر حال اس بات میں سکوت کرنا اولیٰ ہے۔

## باب رؤیا النبی ﷺ

(حضور ﷺ کے خوابوں کی تعبیر کے بیان میں ہے)

حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَادٍ الْأَشْعَرِيُّ، (الی قولہ) عَنْ أَبِي مُوسَى،  
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ  
إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبْتُ وَهَلَيْتُ إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجْرٌ، فَإِذَا هِيَ  
الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هَذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا، فَانْقَطَعَ صَلْدُهُ،  
فَإِذَا هُوَ مَا أَصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنُ مَا  
كَانَ، فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا  
أَيْضًا بَقْرًا وَاللَّهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمْ النَّفَرُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا  
جَاءَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدَ، وَثَوَابُ الصَّدَقِ الَّذِي آتَانَا اللَّهُ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ.

(ص ۲۴۴ سطر ۶ تا ۱۰)

## تشریح

قولہ : رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَهَاجِرُ (ص ۲۴۴ سطر ۷)

حضور ﷺ کے چند خواب اور تعبیر

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک خواب کا ذکر فرمایا ہے ”وہل“ کے معنی وہم  
وخیال اور ہجر سے مراد یمن کا مشہور شہر ہے <sup>(۱)</sup>، خواب میں آپ ﷺ کو آپ کا مقام ہجرت دکھایا گیا  
تو آپ نے خیال فرمایا کہ یہ یمامہ یا ہجر ہوگا، لیکن ان دونوں کے بجائے مدینہ منورہ آپ کا ہجرت کا مقام  
ٹھہرا۔

قولہ : فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ (ص ۲۴۴ سطر ۸، ۹)

آپ ﷺ نے یہاں مدینہ منورہ کو یثرب فرمایا اور بعض روایات <sup>(۲)</sup> میں یثرب کہنے کی  
ممانعت آئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ بیان جواز کے لئے ہے یا پھر ممانعت سے پہلے کی حدیث  
ہے۔ <sup>(۳)</sup>

(۱) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۳

(۲) مسند احمد حدیث التبرائ من غزب رضى الله عنه رقم الحديث ۸۱۵۱۹۔

(۳) شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۳

قوله: أنى هزرت سيفاً.... (ص ۲۴۴ سطر ۸)

### غزوہ احد میں فتح و شکست کی تعبیر

خواب میں تلوار کے ٹوٹنے اور دوبارہ ٹھیک ہونے سے مراد غزوہ احد کی ابتدائی شکست اور بعد میں ہونے والی فتح مراد لی ہے۔

قوله: ورأيت ايضاً بقرة (ص ۲۴۴ سطر ۹)

### غزوہ احد میں ستر شہداء کی تعبیر

ایک روایت میں ”بقرة تذبح“ کے الفاظ ہیں تو اس سے آپ ﷺ نے غزوہ احد کے ستر شہداء مراد لئے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

قوله: وثواب الصدق الذى (ص ۲۴۴ سطر ۹، ۱۰)

غزوہ احد کے بعد جب کفار واپس جانے لگے تو یہ کہہ کر گئے کہ اگلے سال مقام بدر میں دوبارہ لڑائی کریں گے اور دیکھیں کہ کون فتح یاب ہوتا ہے، حضور ﷺ نے وعدہ فرمایا، چنانچہ جب اگلا سال مقررہ وقت آیا تو مسلمان بدر کے مقام پر لڑنے کے لئے آئے لیکن کفار نہ آئے، اس معرکہ کا نام غزوہ بدر الثانیہ ہے، کفار کی عہد شکنی اور مسلمانوں کے وعدہ کی پاسداری کا ثواب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا اور اس ثواب سے مراد بنو قریظہ اور خیبر کی فتح ہے۔<sup>(۲)</sup>

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ، (الى قوله) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، (الى قوله) وَإِنِّي لَأَرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا أُرِيتُ، وَهَذَا ثَابِتٌ يُجِيبُكَ عَنِّي ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَسَأَلْتُ عَنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ أَرَى الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا أُرِيتُ فَأَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سَوَارِينَ مِنْ ذَهَبٍ، فَأَهْمَنِي شَأْنُهُمَا، فَأَوْحَى إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنْ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلَتْهُمَا كَذَابَيْنِ يَخْرُجَانِ مِنْ بَعْدِي، فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعُنْسِيُّ

(۱) نکتہ فتح المسلمین ج ۳ ص ۳۶۴

(۲) نکتہ فتح المسلمین ج ۳ ص ۳۶۵

صَاحِبُ صَنْعَاءَ ، وَالْآخَرُ مُسَيِّلَمَةُ صَاحِبِ الْيَمَامَةِ. (ص ۲۴۴ سطر ۱۰)

(۱۶۱)

## تشریح

### خواب میں دو کنگن کی تعبیر

قوله : بینا انا نائم رأیت فی یدی سوارین (ص ۲۴۴ سطر ۱۵)

خواب میں حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کنگن دیکھے تو فرمایا کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ ان پر پھونک مارو، چنانچہ آپ ﷺ نے ان پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ دونوں کنگنوں سے مراد دو کذاب ہیں، جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ایک اسود عنسی جو صنعاء کا رہنے والا تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب جو یمامہ کا باشندہ تھا۔

قوله : فَاَهْمَنِي شَانَهُمَا (ص ۲۴۴ سطر ۱۵)

یعنی ان کی کچھ شان و شوکت بھی ہوگی، چنانچہ اسود عنسی کی شان و شوکت آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ ہوئی، لیکن بالآخر قتل کیا گیا، اسی طرح مسیلمہ کذاب کی شان و شوکت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اور بالآخر وہ بھی مارا گیا۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ.



# مسلم شریف

## کی آسان شرح

جلد سوم

کتاب الفضائل • تا • کتاب التفسیر

اقلات

حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق کھروی صاحب مدظلہم  
مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

مفتی

مولانا طاہر اقبال اکی حبیب  
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبۃ الاسلامیہ کراچی





مکتبۃ الاسلام کراچی